لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ

39

سِیْرَةُ الْبُخَارِیْ

امام المحدثین سید الفقہاء محمد بن اسمٰعیل البخاری کی مفصل سوانح عمری ہے حصہ اول میں ولادت اور زمانہ طفولیت سے لے کر طالب علمی کے سفروں کے مفصل حالات فراغت کے بعد درس تدریس، افتاء، عام اخلاق و عادات، عبادات، وفات تک کے کل حالات مذکور ہیں حصہ ثانی میں ان کی علمی زندگی کے کارنامے، اسلامی خدمات، فقاہت و اجتہاد و فنون حدیثیہ و تاریخ وغیرہ میں جو آپ کا پایہ ہے، ان پر مفصل بحث ہے، کل تصنیفات (بالخصوص صحیح بخاری اور اس کی شروح) کا تفصیلی ذکر ہے، ان کے علاوہ بہت سی مفید تحقیقات قابل دید ہیں، خاتمہ میں مشاہیر تلامذہ جیسے امام مسلم، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن خزیمہ، فربری وغیرہ کے مختصر حالات ہیں،

از حضرت مولانا محمد عبد السلام مبارکپوری اعظم گڈھی

المتوفی ۱۸ رجب سنہ ۱۳۴۲ ہجری، ۲۴ فروری سنہ ۱۹۲۴ء

اہلحدیث اکیڈمی لاہور

طابع :- شیخ محمد اشرف

ناشر :- اہلحدیث اکیڈمی
کشمیری بازار - لاہور

مطبع :- اشرف پریس - لاہور

تاریخ اشاعت :- ستمبر سنہ ۱۹۶۸ء

قیمت :- چھ روپے

فہرست عنوانات مضامین حصہ اوّل

فہرست عنوانات و مضامین حصہ دوم

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

سیرۃ البخاری طبع اول دفعہ ۱۳۲۳ھ کو شائع ہوئے آج چھتیس[۳۶] برس ہوگئے حضرت والد محترم (مؤلف کتاب) نے اس کے شائع ہونے کے تیرہ برس بعد انتقال فرمایا اب یہ کتاب ان کی وفات کے تیئیس[۲۳] برس بعد طبع ہوکر اہل علم کے ہاتھوں میں جا رہی ہے، ارباب علم نے کتاب کی اس کے شایان شان قدر و منزلت کی چنانچہ طبع اول کے تمام نسخے بہت تھوڑی مدت میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے، کتاب کی یہ قابل رشک مقبولیت نتیجہ تھی مؤلف مرحوم کے اخلاص کامل کا، اور ثمرہ تھی اصح الکتب بعد کتاب اللہ اور اس کے مصنف کے ساتھ مؤلف کی علمی عقیدت اور والہانہ دینی محبت و شیفتگی کا اور اثر تھی مؤلف کی صحیح ٹھوس علمی خدمت کا انما الاعمال بالنیات ولکل امرئ ما نوی۔

کتاب کی غیر معمولی مقبولیت اور اہل علم کے شدید تقاضوں کے پیش نظر مؤلف کی زندگی میں طبع ثانی شائع ہو جانا چاہیئے تھی لیکن افسوس ہے کہ بعض مخصوص موانع اور عائلی پریشانیوں کی وجہ سے حضرت مؤلف طبع ثانی کا انتظام نہ فرما سکے یہاں تک کہ زمانہ ملازمت دار الحدیث رحمانیہ دہلی رجب ۱۳۴۲ھ میں یہ اہل علم عالم جاودانی ہوگئے، راقم السطور ان دنوں دار الحدیث رحمانیہ میں پانچویں جماعت میں زیر تعلیم تھا اور

اس کے دونوں چھوٹے بھائی محمد عزیر اور مولوی عبیدالرحمن (مرحوم) مقامی مدرسہ میں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے، حضرت والد محترم کی وفات کے بعد ہماری بے سروسامانی کے باعث ان کی دیگر تصانیف کی طرح سیرۃ البخاری کے طبع ثانی کا کوئی ظاہری ذریعہ اور وسیلہ بھی باقی نہیں رہا، ہوش سنبھالنے کے بعد ہم تینوں کو اس کی اشاعت کی ضرورت کا برابر پورا احساس رہا، لیکن لکل شئی اجل مسمی کے ضابطۂ الٰہی اور قانون ربانی کے مطابق آج سے پہلے ہم اس کی طباعت واشاعت کا انتظام نہ کر سکے،

برادر عزیز مولوی عبیدالرحمن طاب مظاہری رحمانی کو جو نہایت خوش خلق، شریف النفس، سلیم الطبع اچھے شاعر اور جید عالم تھے، اللہ تعالیٰ نے اچھا ذوق عطا کیا تھا، نفیس الطبع، لطیف المزاج بنایا تھا، وہ خصوصیت کے ساتھ کتاب کو بہتر سے بہتر شکل میں طبع کرانے کے خواہشمند اور اس کی فکر و کوشش میں تھے، لیکن خالق الموت والحیاۃ کا فیصلہ کچھ اور تھا، عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ عین شباب میں بزمانہ ملازمت دار الحدیث رحمانیہ دق اور سل میں مبتلا ہو کر ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ کو ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے اور کتاب کے حسب خواہش طبع ثانی کی حسرت اپنے دل میں لے گئے انا للہ الخ اللہ تعالےٰ انہیں بال بال مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں مقام عنایت کرے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ

جنگ کے زمانہ میں اپنی بے سروسامانی اور سامان طباعت کی ہوشربا گرانی کے باعث کتاب کی طباعت کا انتظام ہمارے (راقم الحروف اور برادر عزیز محمد عزیر سلمہ اللہ) امکان سے باہر تھا، اب جب کہ طواغیت عالم کی شیطانی جنگ کو ختم ہوئے ایک برس سے زائد ہو گئے ہیں، اور علمی کتابوں کی اشاعت میں نسبتاً آسانی ہو گئی ہے بعض واجب

الاحترام بزرگوں اور مخلص احباب کی ہمت افزائی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید سے ہمیں توفیق ہوئی کہ کتاب کو طبع کرا کر اہل علم کی خدمت میں پیش کریں اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

صحیح بخاری کی مشہور عالم شرح فتح الباری کا مقدمہ ہدی الساری جس قدر ضروری اور اہم ہے، کسی اہل علم سے مخفی نہیں، اس کے متعلق یہ دعویٰ کہ اس کا مطالعہ کئے بغیر صحیح بخاری کی حقیقت سے آگاہی تقریباً ناممکن ہے، جس طرح مبالغہ سے پاک اور بالکل صحیح ہے، اسی طرح سیرۃ البخاری کے متعلق ہمارا یہ دعویٰ بالکل درست اور حقیقت پر مبنی ہے، کہ صحیح بخاری کے طالب علم کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے، یہ اردو زبان میں اپنے موضوع پر واحد مبسوط مستقل کتاب ہے۔

امام المحدثین مجتہد مطلق تھے، ان کے بے نظیر کمال اجتہاد کا صحیح اندازہ انکی جامع صحیح کے تراجم ابواب سے بخوبی ہوتا ہے، ضرورت تھی کہ فقہ اہل الحدیث اور طریق اجتہاد فقہاء محدثین کا فقہ اہل الرائے اور طریق اجتہاد فقہاء عراق سے موازنہ کر کے ان کے درمیان فرق کو واضح کیا جاتا تاکہ طالبین حق پر منکشف ہو جائے کہ فقہ اہل الحدیث کیوں محمود ہے اور فقہ اہل الرائے کیوں مذموم و مردود ہے، الحمد للہ کہ حضرت مؤلف نے حصہ ثانی میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، ضمنی طور پر آخر میں تراجم بخاری سے متعلق اچھوتی بحث آگئی ہے، جس سے امام المحدثین کے اجتہاد کا کمال واضح ہو جاتا ہے، درحقیقت حصہ ثانی مؤلف کی محنتوں اور کاوشوں کا مظہر اتم ہے، شکر اللہ مساعیہ وجعلها ذخراً له بقول حضرت مؤلف اس کتاب کے لکھنے سے کسی پر حملہ کرنا مقصود نہیں ہے لیکن امام المحدثین

سے رفع الزام میں اگر کہیں کسی پر ضمناً الزام عاید ہوگیا ہو تو وہ مجبوری سے ہے، اس لئے گذارش ہے، کہ کوئی صاحب بغیر پوری کتاب ملاحظہ کئے ہوئے کوئی رائے قائم نہ کریں،

طبع اول میں "تصحیح اغلاط" کی فہرست میں دیئے ہوئے اغلاط کے علاوہ چھاپہ کی بہت سی غلطیاں تصحیح سے رہ گئی تھیں، اس طبع میں جہاں تک انسانی امکان ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے، اور یقین ہے، کہ یہ اغلاط سے پاک ہوگا، بعض مقامات میں ضروری حواشی یا حوالے رہ گئے تھے، ان کا اضافہ کر دیا گیا ہے، لیکن اس کی احتیاط کی گئی ہے، کہ اضافہ کیا ہوا حاشیہ مؤلف کی عبارت یا حاشیہ میں نہ ملنے پائے، ہاں دو ایک مقام میں مؤلف کے حاشیہ کے اندر واقعی ضرورت کی وجہ سے مناسب ترمیم کر دی گئی ہے مضامین کی فہرست بالکل مختصر تھی، کوشش کی گئی ہے، کہ تمام اہم مضامین کی فہرست قارئین کے سامنے پیش کر دی جائے، کیونکہ مؤلف کے مقرر کئے ہوئے عنوانات میں سے تقریباً اکثر عنوانوں کے ماتحت متعدد ایسے امور آگئے ہیں، کہ ان پر الگ الگ ذیلی عنوان مقرر کیا جا سکتا ہے اللہ تعالے ہماری کوششوں کو قبولیت بخشے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ. رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

۱۰ محرم الحرام ۶۶ھ — دار الحدیث رحمانیہ دہلی

نظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدِ خدائے خرد آموزگار — می‌تواں گفت یک از صد ہزار

آنکہ خداوندِ جہان اوست — بندہ چہ گوید کہ چہا شان اوست

پرتوِ نورِ ازل آمد پدید — در کفِ او دانش و دیں را کلید

بر درِ قمش باد فدا جان و تن — دم چہ زنی از خودیِ خویشتن

جز کہ بہ فرمانِ پیمبر مسر — سر چہ نہی بر خطِ دیگر مسر

گوش بہ آوازۂ اخبار باش — ہوش کن اندازہ نگہدار باش

من نہ ہمیں مدح سرائے شہم — شاہ جہانم کہ سگِ درگہم

ناز و نیازم بہ تجلیٔ مشہست — ایں نگمت تازم بہ ہولئ شہست

پیروی شرع بود دینِ من — دینِ نبی بس بود آئینِ من

کیش مرا جو ہمہ زاں برتر ست — بودستم آئینہ بر دوش گریست

بے خبراں را خبرے می‌کنم — شام بر ایشاں سحرے می‌کنم

حق طلبی گنبد و شاں گردگاں — آہ ازیں راہ غلط[ع] کردگاں

پویۂ ایشاں گم و راہ پیچ پیچ — مایۂ ایشاں ہمہ ہیچ است ہیچ

ع۔ روئے سخن بسوئے شیفتگان خیالات مخترعہ و معقول خویش ۱۲

هم بصد افسانه و افسون گری   راهزن مردم و دیو و پری

فتنه سگالان خرد دشمنان   دیو نهادان خضر راهزنان

باطن شان دیو و برون آب و رنگ   ظاهر شان صلح و درون جمله جنگ

جلوه فروشان سخن نغز و دست   مغز ندارند چو بی مغز پوست

هوش و خرد دشمن ایمان شان   دین چو یکی گوی به چوگان شان

خود زده گانند جهان رهزنان   سوختگانند و شرر افگنان

مرکز شان آز و هوا و هوس   ما جعل دین همه دنیاست بس

وای که بر دانش و رای و قیاس   دین مبین را نهادند اساس

غافل از آنها که خرد ذو فنون ست   غیب به قرآن صله یومنون ست

غیب چه دانند چه در پرده است   کیست عنان خرد آرد به دست

جوش به صهبا ز رسیدن ازو   رنگ ز گلها و پریدن ازو

جوهر حس آینه دیدانیش   با همه دانش همه نادانیش

خود ز خودش حیله برانگیختن   حیرتی آینه خویشتن

آنچه از آنان که گذشتند پیش   از حکما و عقلا بیش بیش

از قبل طبقه یونانیان   در فرق تخمه تورانیان

از صفت آسوده ساسانیان   در روش جلوه سامانیان

بهره ز دانش کس ایشان نداشت   چیست دانش که کسی آن نداشت

دانش و داد و دل و دین داشتند   داشتنیها نه چنین داشتند

طائر ادراک چو پر بر گشود   آتشش از مغز بر آورد دود

بال کشا رفت چو بالا ترک — ریخت ہماں تیر شہاب از فلک

سجد چپلے آتش دخور پیش برد — نے غلطم آب بہ سنخ خویش برد

غایت ادراک ہمیں ست و بس — عاقبت عقل چنیں ست و بس

کی بدو حق بہ رسیدن رسید — آنکہ بداد در خور دیدن نہ دید

بحثے اگر گویم ازیں داستان — طول شود مختصر این داستان

کار بہ ادراک چو زر گر شدے — وحی چرا خاص پیمبر شدے

تا نہ رسید ابر کرم در فشان — سرد نہ شد آتش زر دشتیاں

نیز نیم منکر رائے و عقول — اول امر است اطیعوا الرسول

چون نکنم انصاف فراموش چون — خواندہ ام آخر افلا تعقلون

تکیہ مکن بر خرد سست اساس — بیشتر اخبار از آں پس قیاس

ورنہ سیل است اساس کسان — قول نبی بہ کہ قیاس کسان

ورنہ بود قول نبی باور ت — باش کہ بر بشنے کنانم درست

واں چہ بود بابہ لب آری سوال — گویم آناں بیش کہ علم الرجال

رحلت و تحقیق و قبائل ببیں! — علت و اسناد و تسلسل ببین

جرح ببیں در پے تعدیل رو — تا بہ بخارا پے تحصیل رو

درج صدف ہا ز خزف بازناں — چیست خزف چیست صدف بازداں

لعل گراں مایہ ز خارا برآر — گنج زر از خاک بخارا برآر

علم حدیث آمدہ علم شگرف — قلزم معنی ست ہر حرف حرف

لہ ما عبدت الشمس والقمر الا بالمقائس ۔ سنن دارمی

ثانی قرآن نبود غیر او | جز بخارا نہ کنی سیر او
چیست بخارا چہ تماشا در وست | تا قدا[1] اخیار محمد از دست
حافظ اقوال شہنشاہ وحی | حامل اسناد ہوا خواہ وحی
گفت ہمان آنکہ نبی گفتہ بود | در رہ دین گوہر[2] جان سفتہ بود
بود سمی محو مسمی شد او | رفت[3] دو دونی حل معمی شد او
صیت کمالش ز عرب تا عجم | بصرہ شدا کنوں بہ بخارا ہم
قدر کمالش کہ نہ داند کسے | شیمہ دریا چہ شناسد خسے
لطف حق است از دگری نیست این | در خور ہر خیرہ سرے نیست این
من کہ گل از پوست برآوردہ ام | بیں کہ بدست ہنر آوردہ ام
تار مرا زمزمہ در کار نیست | زمزمہ من ہم ازیں تار نیست
نرم مرا آمدہ سازے دگر | ساز مرا سوز و گدازے دگر
خون جگر را نہ بود جام و خم | بے بطے می شنوم شور قم
باد می شیراز میالائے لب | بادہ بے شیشہ کن از من طلب
پے غلط از دخل و تصرف مکن | سادہ روش باش تکلف مکن
شمع مشوناں کہ شیت سوز شد | ماہ مت شمع شب افروز شد
سیر بخاری و بخارا بکن | ترک تگ و تاز خدا را بکن
عربدہ با خویش نہ زیبد ہمے | طعنہ بہ ہم کیش نہ زیبد ہمے

ف تجلا [1] ثانی بیثرب کہ محمد از وست منہ الکنہ قال الجامی و یاتی قول فی مصے ۱۲

[2] گوہر اسرار خفی سفتہ بودہ [3] شمع رہ یثرب و بطحا شد او

هرزه مرد هرزه مگو سربسر　　وقت تو خوش باد برین در بنه

ورنه نهی طعنه بأعیان مکن　　وقت مرا باز پریشان مکن

زخمه پریشان به رگ تار بود　　نغمهٔ ساز است نه هنجار بود

راست به قانون اگر ساختم　　رخش ز هنگامه بیدن تاختم

این روش و جلوه جولان ببین　　آنچه بخاطر نرسد آن ببین

فرق گل و خار ز هم داشناس　　گرچه شناسا نبود ناشناس

ذره چو خور آینه سیمای　　قطره به سرمایهٔ دریاستی

شعبده را بال از رشد نگار　　دام نه و دانه نه عنقا شکار

برق نیم گرم روان رفته ام　　پرده باریک چسان رفته ام

آن نی کلک است نه بارنده میغ　　موی شگافی نبود کار تیغ

غنچه مخوان یک چمن آورده ام　　نافه مگو خود ختن آورده ام

شیوه ارباب کمال این بود　　معجزه و سحر حلال این بود

هست اگر چهره زنگی سیاه　　گو که خود آئینه چه دارد گناه

کشت من از خار دگر گلشن است

حسن قبول از تو و سعی از من است

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ طبع اوّل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اما بعد کسی کی سرگذشت یا سوانح عمری لکھنے کی غایت عام طور پر یہ خیال کی جاتی ہے، کہ اس کے پڑھنے والوں میں اپنی زندگی کے نشیب و فراز کا احساس پیدا ہو اور آنے والی نسلیں اس کے مطالعہ سے عبرت پذیر ہو کر ان غلطیوں سے بچیں، جن سے ان کو بچنا لازم ہے لیکن اس عام غایت کے علاوہ ان مقتدایانِ نامدار کی سوانح عمریوں کو ایک خصوصیت خاص حاصل ہے، جن کی سیرتیں اس لئے لکھی گئی ہیں کہ خلق اللہ کے دلوں میں ان کی پیروی کا خیال او ران کی ریس پیدا ہو آنے والی نسلیں انہیں پڑھ کر اپنا چال چلن، رفتار، کردار، عادات، خصائل اعمال ان ہادیوں کے سے بنائیں، جن کو خداوندِ عالم نے دنیا میں نیکی کا نمونہ بنا کر بھیجا تھا، جن کی تخلیق سے مقصود تھا عالم میں توحید پھیلانا، اور فطرتی دین کی تعلیم اور اشاعت کرنی، خالق اور مخلوق کے مابین جو رشتہ غلامی ہے، اس پر متنبہ کرنا، اور آخرت جہاں انسان کو مرنے کے بعد دوسری زندگی ملنی ہے، یاد دلانی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ دنیا میں امن و امان قائم رہے، بنی نوع انسان کی ترقی ہو، مخلوق چین سے خالق کی اطاعت بجا لائے، دنیا میں اوج کمال تک پہنچے اور آخرت میں جو اس کا اصلی ملجا و ماویٰ ہے، اچھے مدارج پائے غرض دینی اور دنیاوی نعمتوں سے

بہرہ اندوز ہونا اس کا لازمی نتیجہ ہے،

اس میں کیا شک ہے، کہ مستند، قابل اعتبار، نتیجہ خیز سوانح عمری لکھنے کی تعلیم اول اول قرآن نے دی، اسی قرآنی تعلیم کا اثر ہے، جو آج کثرت سے قابل اعتبار اور مستند سوانح عمریاں نظر آتی ہیں، اہل مغرب جو آج اس فن میں مشرق کے تارے نظر آرہے ہیں، اسی قرآن کے زلّہ ربا ہیں،

کیا کوئی شخص ایسی سوانح عمری کسی کی دکھا سکتا ہے، جو اس قرآنی تعلیم سے پہلے لکھی گئی ہو اور مستند مانی گئی ہو، یہی وجہ ہے، کہ جس قدر سوانح عمریاں قبل نزول قرآن لکھی گئی ہیں بالکل بے اعتبار، ہزار ہا اغلاط سے مملو ہیں۔

کیا عیسائی دنیا حضرت عیسٰی علیہ السلام کو نہیں مانتی، پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیح کے حالات زندگی اس قدر مخبوط ہیں؟ کیا یہود دنیا میں موجود نہیں؟ کیا وہ موسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے؟ باوجود اس کے حضرت موسیٰ کی سرگذشت کیوں اس قدر بیہودہ قصوں اور خوش گپیوں سے بھری ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے، کہ یہ فن خاص قرآنی تعلیم کا ایک شعبہ ہے، جو ان کو نصیب نہ ہوا،

دیکھو ذوالقرنین، اصحاب کہف وغیرہ کی بابت کس قدر خوش گپیاں تھیں، قرآن نے سب کو اڑا کر سچی مگر با نتیجہ تصویر کھینچ دی

قرآن نے ہم کو صرف مستند اور سچی سوانح عمری لکھنی ہی نہیں سکھائی بلکہ اس کے ساتھ اس کی غایت بھی بتائی، اور یہ بھی تعلیم کی، کہ خدا کی غیر محدود مخلوق میں ہر شخص اس قابل نہیں، کہ اس کی سوانح عمری یا سرگذشت لکھی جائے، اس کے لائق خدا کے چیدہ بندے ہوا کرتے ہیں، آدم، نوح، ابراہیم، اسحٰق، اسمٰعیل،

یوسف، شعیب، لوط، صالح، ذوالکفل، زکریا، یحییٰ، صالح، ایوب، یونس، موسیٰ، ہارون، عیسیٰ، محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام یہ لوگ ایسے ہیں جن کے حالات زندگی قلم بند کئے جائیں۔

حضرت نوح حضرت آدم حضرت یونس کے حالات پڑھو جن پر یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ حالات زندگی لکھنے میں صرف ایک پہلو اختیار کرنا انصاف کے خلاف ہے سچی نکتہ چینی کرنی بھی سوانح عمری لکھنے کا ایک جزء ہے۔

قرآن میں ایک جگہ کئی نبیوں کا ذکر فرما کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا فبھدٰھم اقتدہ یہی ڈھنگ آپ کو بھی چاہیے مختصر لفظوں میں غایت کی طرف اشارہ کر دیا۔

عام لفظوں میں کافہ امت کو مخاطب کر کے فرمایا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ — رسول اللہ کی سیرت میں تمہارے لئے اچھی اقتدا ہے۔

اس حکم عام نے مسلمانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی اور سیرت کا جمع کرنا، اس کا جاننا، اس کی پابندی کرنی لازم کر دیا، اسی عام حکم کی بنا پر محدثین نے (جن کا احسان قیامت تک اہل اسلام ایک لمحہ کے لئے بھول نہیں سکتے) کمال جانفشانی اور انتہا درجہ کی سعی سے جو انسانی طاقت سے ممکن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری اور حالات زندگی کو معتبر سندوں سے جمع کر دیا، اگر محدثین کی جان توڑ سعی نہ ہوتی تو آج ہم اپنے نبی کے سچے اور صحیح حالات زندگی سے بالکل محروم رہتے، اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کی تعمیل سخت مشکل ہوتی، ایسی حالت میں

یا تو اہل عراق کی طرح قیاسی تکے چلاتے یا فرقہ اہل قرآن[1] کی طرح قرآن کے طبعزاد معنی لگاتے، یا یہود و نصاریٰ کی طرح لاکھوں بے سر و پا قصے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عَبْدُ اللّٰہِ یا اِبْنُ اللّٰہِ بنانے کے لئے تصنیف کرتے

محدثین کی جان توڑ سعی یہیں تک محدود نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور جانشینوں کی بھی صحیح صحیح سوانح عمریاں بحکم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین[2] جمع کر دیں، اور آگے ترقی کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل صحابیوں کی سوانح عمریاں

---

[1] یہ ایک نیا فرقہ ہندستان میں قائم ہو گیا ہے، جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل، آپ کی تعلیم اور آپکے اقوال کی مطلقاً پرواہ نہیں کرتا اپنی رائے سے جو معنی چاہتا ہے قرآن کے لگا لیتا ہے، نمونہ کے لئے ہم اہل قرآن کے پرچہ اشاعۃ القرآن سے ایک مثال پیش کرتے ہیں آیہ کریمہ فلما اسلما وتلہ للجبین ح وناديناه ان يا ابراهيم قد صدقت الرويا انا كذلك نجزى المحسنين ان هذا لهو البلاء المبين وفديناه بذبح عظيم کا ترجمہ اس طرح کیا ہے، پھر دونوں آپس میں متفق ہو گئے قربانی دینے پر، تو پھر بھی ابراہیم سلام علیہ اپنی خطا پر آگاہ نہ ہوا یعنی اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ ڈالے اس کو ماتھے کے بل سو رد کر دیا ہم نے اس کے اس باطل خواب خیال کو یعنی ہم نے اس کو یہ ارشاد فرمایا، کہ اے ابراہیم تحقیق کیوں سمجھتا ہے تو ایسے باطل خواب خیال کو سو ہم نے اس کو نگاہ رکھا، کیونکہ تحقیق ہم ہمیشہ اسی طرح محفوظ و مامون رکھتے ہیں جملہ رسل و انبیاء کو اور اس لئے اس کے خواب کو رد کر دیا، کہ یہ باطل خواب و خیال ایک بہت بڑی بھاری غلطی و خطا ابراہیم کی تھی ظاہر و باہر طور پر، اور اس کے بدلے ہم نے اس کو یہ سمجھا دیا، کہ تو صرف دنبہ کی قربانی کیا کر جس کا حکم کتاب اللہ میں موجود ہے، اور وہ ہر طرح صحیح و سالم کامل عمر اچھی موٹی تازی بھی ہوئے انتہی بلفظہ۔ ناظرین اس ترجمہ سے آپ اس فرقہ کی سفاہت کا پتہ لگا سکتے ہیں،

[2] لازم پکڑو میرا طریقہ اور میرے جانشینوں کا جو سیدھی راہ پانے والے ہیں ۱۲ منہ

مختصر طریقے پر لکھ ڈالیں، اس باب میں اصابہ[۲]، اسد الغابہ[۳]، استیعاب[۴] بے بہا کتابیں
ہیں، اور آگے بڑھ کر تابعین کے حالات ضبط کئے و علم جرح، محدثین کی بدولت اب تک یہ
سلسلہ جاری ہے، ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے لکھا ہے کہ علم رجال پر مسلمان جتنا فخر کریں
بجا ہے، نہ ایسی کوئی قوم گذری، اور نہ اب ہے، جس نے مسلمان کی طرح بارہ سو برس
تک کے علماء کے حالات زندگی لکھے ہوں، ہم کو پانچ لاکھ مشہور عالموں کا تذکرہ
ان کی کتابوں سے مل سکتا ہے،

[۱] محدثین کی جماعت میں امام بخاری کو جو خصوصیت حاصل ہے، اس سے کون
واقف نہیں؟ امام بخاری وہ شخص ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث
اور آپ کے اصحاب و دیگر ناموران اسلام کے مستند اور صحیح سوانح عمریوں کے جمع

---

[۱] آگے چل کر جہاں امام بخاری کے ملفوظات کی شرح آتی ہے، جو امام بخاری ہی سے منقول ہے، وہاں امام بخاری کا یہ مقولہ پڑھو گے کہ انسان محدث کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ساتھ آپ کے اصحاب کی سیرتوں سے اور ان کی تعداد اور علمائے امت کے حالات، انکی ولادت و وفیات، ان کے تمدن، جائے سکونت سے آگاہ نہ ہو، امام بخاری کے اس قول سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ محدثین کے لئے فن سیرت میں کمال پیدا کرنا کس قدر ضروری ہے۔

[۲] للحافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ فی ثمان مجلدات ۱۲ [۳] للعلامۃ عز الدین ابن الاثیر الجزری المتوفی سنہ ۶۳۰ھ کتب فی تراجم آلاف خمس ومائۃ من الصحابۃ جمع فیہ کتب اربعۃ کتاب ابن مندۃ و ابی موسی و ابی نعیم و ابن عبد البر وزاد من غیرہا اسماء و ضبط و حقق اشیاء حسنۃ علی انہ من اکثر الکتب الاختلاف فی الاسماء والکنیۃ ۱۲ [۴] للحافظ ابی عمر ابن عبد البر الاندلسی القرطبی المالکی المتوفی سنہ ۴۶۳ھ وہو من احسن کتب المتقدمین فی الصحابۃ واکثرہا فوائد ۱۲

کرنے کا التزام بڑے اہتمام کے ساتھ کیا، اس مہتم بالشان کام کے لئے اپنی زندگی، دولت آسائش، عافیت سب قربان کردی، اس میں جس قدر ان کو کامیابی ہوئی اس سے بچہ بچہ واقف ہے، اسی کا نتیجہ یہ ہے، کہ وہ **امام المحدثین، امیرالمومنین فی الحدیث**[1] کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اور ان کی پرکھی ہوئی حدیثوں اور جانچے ہوئے راویوں پر کمال وثوق کیا گیا، اور ان کی مشہور کتاب جامع صحیح کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا خطاب دیا گیا۔[2]

جفاکشی، محنت، علو ہمتی، استغنا، حزم و احتیاط، صدق و دیانت و تقوی، عدل و انصاف، خدمت خلق، اشاعت علوم کی مجسم تصویر بن کر عالم کو نمونہ دکھا دیا، سب سے بڑی بات یہ کی، کہ اتباع سیرت رسول میں اپنے کو فنا کرکے اہل اسلام کو اتباع سیرت رسول کا وہ سماں پیش کردیا جو کہ خلفائے راشدین اور صحابہ میں پایا جاتا تھا، ان سب کے علاوہ ان کی ذات سے **فقہ الحدیث** کی جس طرح تکمیل اور اشاعت ہوئی ظاہر ہے حیف تھا اگر ایسے شخص کی سوانح عمری نہ لکھی جاتی شکر ہے، کہ اہل قلم نے متعدد زبانوں میں اور مطولاً و مختصراً ایک سو کتابوں میں ان کی سوانح عمری لکھی۔ **عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرنچ** زبانوں کا اب تک مجھے پتہ چل سکا۔

ظلم تھا، اور نہایت ظلم تھا۔ اگر ہماری اردو زبان اس دولت سے محروم رہتی اس لئے کہ باشندگان ہند کے چند ساڑھے چھ کروڑ اردو بولنے والے مسلمان **امام بخاری**[3] پر

---

[1] الفوائد الدراری فی ترجمۃ محمد بن اسماعیل البخاری ۱۲ [2] صرف اسی قدر نہیں، بلکہ اس کی قدر و منزلت نہ سمجھنے والوں کو متبع غیر سبیل المومنین قرار دیا گیا، ۱۲ حجۃ اللہ البالغہ ۱۲

عقیدت رکھتے ہیں اس کے سوا آج کل یہ بھی دیکھا جاتا ہے، کہ بعض کوتاہ بینوں کو جن کے دل و دماغ آبائی تقلید سے خراب ہو چکے ہیں امام صاحب کی تنقیص میں خاص مزا آتا ہے، بعض غلط باتیں جن کی وہ کوئی سند بیان نہیں کر سکتے امام صاحب کی طرف نسبت کرتے ہیں، اور ان کو خوب چمکاتے ہیں، حالانکہ آفتاب پر خاک ڈالنے کا جو نتیجہ ہے ظاہر ہے۔

ایک مدت سے میرے دماغ میں امام المحدثین کی سوانح عمری لکھنے کا خیال جگر لگا رہا تھا لیکن بے بضاعتی اور مواد کی قلت کسی طرح اس طرف قدم بڑھانے کی اجازت نہیں دیتی تھی، ایک بار جناب مولانا ابو الطیب محمد شمس الحق صاحب عظیم آبادی سے اس کا تذکرہ ہوا، علامہ موصوف نے ہمت دلا کر کتابوں کا پشتارہ لگا دیا، اور مواد کے فراہم کرنے کے لئے دور دراز ملکوں میں خطوط بھیجے، نسخ مطبوعہ اور قلمیہ برابر میرے پاس پہنچتے رہتے، علاوہ بریں خاں بہادر خدا بخش صاحب مرحوم سی آئی کا مشہور کتب خانہ ایک غنیمت بارده اور خداداد نعمت تھا۔

میں افسوس سے کہتا ہوں، کہ اس اہم کام کے لئے جس قدر مواد کی ضرورت تھی فراہم نہ ہو سکے تاہم جس قدر مہیا ہو گئے، بہت غنیمت ہے، اور علامہ ابو الطیب[1] کی

---

[1] علامہ ابو الطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی کا کتب خانہ بھی قابل دید ہے، اس کتب خانہ میں علامہ موصوف نے ہر فن کی کار آمد کتابیں فراہم کی ہیں، اور شب و روز اسی دھن میں ہیں، معقول، ادب، لغت، تاریخ کے علاوہ تمام فنون اسلامیہ ان میں بھی فن حدیث کے اس قدر مواد فراہم ہیں، کہ اکثر نامی کتب خانے ان سے خالی ہیں، اکثر نسخ قلمیہ ایسے ایسے نادر موجود ہیں جن سے یورپ کے بڑے بڑے کتب خانے خالی ہیں، ساتھ اس کے آپ مستفیدین اور اہل علم کا بڑی گرم جوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور عاریت دیتے ہیں

علم دوست طبیعت کی برکت وخان بہادر خدابخش مرحوم کے کتب خانہ کا فیض ان دنوں
کا شکریہ کسی طرح فراموش نہیں کیا جاسکتا،

وہ کتب تصنیف جن سے زیادہ تر مدد لی گئی، ان میں انساب سمعانی، طبقات
الحنابلہ، تمہید، العقد المذہب، الفوائد الدراری، تقیید المہمل،
الامام ابن دقیق العید، ثقات ابن حبان خاص قابل ذکر ہیں۔

حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام المحدثین کی سیرت میں اپنی
ایک مستقل تالیف کا پتہ دیا ہے، اسی طرح حافظ ابن الملقن نے العقد المذہب
میں اور علامہ محمد بن اسماعیل امیر الیمانی نے سبل السلام میں، امام المحدثین کی
سیرت میں اپنی اپنی مستقل اور جامع تالیفات کا پتہ دیا ہے لیکن میں ایسی قسمت کہاں
سے لاتا کہ یہ جواہرات میرے ہاتھ لگتے، ان محققین (حافظ ذہبی، حافظ ابن الملقن
علامہ محمد بن امیر اسماعیل) کی شان ہی بتاتی ہے کہ امام بخاری کی سیرت میں یہ
تالیفات کیسی جامع اور بسیط ہوں گی اور کن تحقیقات اور تدقیقات و بسط سے
لکھی گئی ہوں گی

ہاں ایک بے بہا تالیف الفوائد الدراری (مولانا علامہ اسمٰعیل عجلونی، خان
بہادر خدابخش خاں صاحب مرحوم کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئی، جو امام بخاری رح
کے حالات میں ایک مستقل اور جامع تالیف ہے، اور درحقیقت مستقل تالیف ایک
یہی ہاتھ لگی، وہ بھی کتاب مرتب ہونے کے بعد تاہم اس مبارک تالیف سے بہت

بہت کشادہ دلی سے کام لیتے ہیں، منہ ۱۲ افسوس اب اس کتب خانہ سے علامہ مرحوم کے اخلاف میں سے
نہ کوئی فائدہ اٹھانے والا ہے، نہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا، انا للہ ۱۲ عبیداللہ رحمانی عفی عنہ مولانا علامہ [illegible]

کچھ مدد لی گئی،

طبقات الحنابلہ مؤلفہ قاضی ابوالحسین محمد بن محمد جو ۵۲۶ھ ہجری میں تالیف کی گئی ہے، اس کا بھی ایک عتیق نسخہ پٹنہ کے کتب خانہ میں موجود تھا، جو سنہ ۶۲۳ھ میں علامہ ابن الدائم کے نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں بھی امام صاحب کے حالات بہت بسط سے درج ہیں الممام کا ایک عتیق نسخہ علامہ ابو الطیب کے کتب خانہ میں ملا، اس میں بھی امام صاحب کے حالات ملتے ہیں تقیید المہمل مؤلفہ علامہ ابو علی غسانی کا عتیق نسخہ بھی علامہ ابو الطیب کے کتب خانہ میں موجود تھا اس میں امام صاحب کے حالات بہت بسط سے درج ہیں،

کتب مطبوعہ میں مقدمہ فتح الباری ایک جامع تالیف اور ہر حیثیت سے بے مثل ہے، حافظ ابن حجر کا تبحر، ان کی دست نظر، کثرت تالیفات، تالیفات کی مقبولیت اس تالیف کے علو شان کی شاہد ہے، اس کا خاتمہ امام بخاری کی سوانح کے لئے وقف کیا گیا ہے، اور تہذیب التہذیب کا اس پر جس قدر فخر کیا جائے بجا ہے، حیدرآباد سے ۱۲ جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو گئی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ مطبع دائرۃ المعارف کا یہ احسان تمام دنیا کے مسلمانوں پر ہے

ان کے علاوہ تہذیب الاسماء واللغات للنووی، الطبقات الکبری للسبکی، وفیات الاعیان، میزان الاعتدال، ابن خلدون مع مقدمہ، تذکرۃ الحفاظ، معجم البلدان، یاقوت حموی، فتح المغیث، کشف الظنون، حجۃ اللہ البالغہ، تاریخ کامل، تاریخ صغیر امام بخاری، رجال مشکوٰۃ، کتاب الام للشافعی، فتح الباری، عینی شرح بخاری، تراجم بخاری شاہ ولی اللہ

سے زیادہ کام لیا گیا۔ ان کے علاوہ اور جن کتابوں سے مدد لی گئی، ان کا ذکر ان مقامات پر کر دیا گیا ہے۔

میں شکر کرتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا، محدثین اور مؤرخین محققین کی تالیفات سے لیا گیا، جو تنقید الرجال اور تحقیق الروایات کے بانی تھے، اور صحیح و غلط میں امتیاز کے اصول قائم کرنے والے، بیان بالکل سادہ اور انشاپردازی کی رنگ آمیزیوں سے مبرا ہے امام بخاری نے جیسی سادہ اور پاکیزہ زندگی بسر کی اس لحاظ سے امام بخاری کی سوانح عمری کو انشاپردازی کی رنگ آمیزیوں سے بالکل مبرا ہونا لازم تھا ؎

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی　　　قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

بات کا بتنگڑ بنانا، رائی کو پہاڑ بنا کر دکھانا، ایک انشاپرداز کے لئے البتہ کمال ہے لیکن اس مؤرخ کے لئے جو موضوع بحث کا اصلی خط و خال دکھانا فرض جانتا ہے کسی طرح کمال نہیں کہا جا سکتا۔

ہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے، کہ اس کتاب میں کچھ ایسے مضامین بھی ملیں گے جن سے عام لوگوں کو چنداں دلچسپی نہ ہوگی، کیونکہ وہ تاریخی حیثیت سے الگ محدثانہ یا فقیہانہ رنگ کے ہوں گے، میں اس میں مجبور تھا جب امام بخاری کی سوانح عمری لکھنے میں ان کی تالیفات، جودت اجتہاد پر نظر ڈالنی ضروری تھی، تو میں ان باتوں کو کیونکر نظر انداز کر سکتا تھا۔

میں مکرر اپنی بے بضاعتی اور عاجزی کا اعتراف کرتا ہوں، یہ کام نہایت مہتم بالشان تھا، اور میں کسی طرح اس کا اہل نہیں تھا لیکن ؎

آسمان بار امانت نتوانست کشید　　　قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

ایسے شخص کی سوانح عمری یا حالات زندگی قلم بند کرنے جس کے اجتہاد اور تبحر علمی کا عالم میں غلغلہ ہو جس کی صداقت، دیانت جس کی اعجاز نما قوت حافظہ جس کی دقت نظری، اور نکتہ سنجی کا تمام جہان میں چرچہ ہو جس کی تصنیف نے اسلام میں اصح الکتب کا رتبہ حاصل کیا جس کی تالیف پر عمل کرنے والے باستثناء چند بائیس کروڑ نفوس ہوں کس قدر مشکل اور اہم ہے اس کے لئے جیسے دل و دماغ وسعت نظر، کثرت اطلاع، ثاقب رائے کی ضرورت ہے ظاہر ہے "من آنم کہ من دانم" "ایاز قدر خود بشناس"

میں اس تالیف میں جناب **مولوی محمد یعقوب صاحب** صادق پوری[1] رئیس عظیم آباد کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا اس لئے کہ آپ کے دائرہ دولت پر مجھے ایسا اطمینان حاصل ہوا جیسا کہ چاہیئے، آپ نے اپنا کار آمد کتب خانہ میرے حوالہ کر دیا۔

اللہ تعالی آپ کو اور آپ کے صاحبزادوں کو ہر طرح باقبال اور دینی اور دنیوی نعمتوں سے مالا مال رکھے، اور میرے والد[1] مرحوم کی جن کو اس ناچیز تالیف کے مکمل ہو کر شائع ہونے کی بے حد شوق تھا جس کی حسرت وہ دنیا سے لے کر گئے مغفرت فرمائے اور اس ناچیز تالیف کو قبولیت کی صف میں جگہ دے۔

خاکسار

عبد السلام مبارکپوری عفی عنہ

---

[1] ہو خان محمد بن امان اللہ بن حسام الدین المحمدیون کان تلاما للقران خاشعا للہ تعالی حافظا للادعیۃ الماثورۃ متبعا السنن النبویۃ شغفا بها[2] (بقیہ صفحہ ۴۰)

[2] مشتغلا بمطالعۃ کتب الدینیۃ ۱۲

عارفا للہ تلال والحرام جوادا خادما للخالق صابرا شاکرا امرض مدۃ طویلۃ حتی توفاہ اللہ یوم الاحد تاسع عشر شوال من سنۃ الف وثلث مائۃ و سبع وعشرین بعد غروب الشمس حین نادی المؤذن لاذان المغرب اللہ اکبر فلباہ قائلا لا الہ الا اللہ ۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اللہم اغفر لہ وقدس ولد سنۃ ۱۲۵۱ھ کذا وجدت مکتوبا بخطہ ۔

ثم اعلم ان اسمہ عبدی القاسم د اب احمی ایضا کان امن اللہ وکان رئیس القوم وکان طبیبا مرجعا للخلائق توفی سنۃ ۱۲۹۹ھ وقد تلمذ علی الشیخ الشہیر فی الآفاق الشاہ ابی اسحق اللہ ادی وہو من تلامذۃ الشاہ عبد العزیز وہو محمد ناصح وکان من العاملین بالحدیث کذا کتب مولانا عبد اللہ الالہ آبادی رحمہ فی رسالۃ ثم ظفرت فی عظیم آباد برسالۃ لمولانا الشاہ ابی اسحق اللہ ادی الاعظم گڈھی اسمہا نور العینین فی اثبات رفع الیدین واذ فیہا لما اتبعت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لم ابلہ عصیت نعمان او سفیان والزہری ۱۲ منہ

سہ ہو من تلامذۃ الآخر الزائر الالہ آبادی کذا کتب فی رسالتہ نور العینین ۱۲ منہ

عہ فی مکتبۃ مولانا محمد سعید المغلنوری ۱۲ منہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

امام بخاری کا نام ونسب وولادت

محمد نام ابو عبد اللہ کنیت، امام المحدثین اور امیر المومنین فی الحدیث لقب، شجرہ نسب یہ ہے "محمد بن اسماعیل بن المغیرہ بن بردزبہ بن بذدزبہ" اخیر کے دو ناموں سے یہ امر جیسا کہ عموماً مسلم ہے، ظاہر ہے، کہ امام بخاری رح عجمی النسل تھے، بردزبہ کے معنی محدثین نے کسان بتلاتے ہیں، بردزبہ کے والد کا نام صرف علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں بذدزبہ[1] لکھا ہے، ان کے سوا دوسرے تذکرہ نویس امام بخاری کے نسب نامہ کو بردزبہ تک پہنچا کر ختم کر دیتے ہیں

بردزبہ اور ان کے والد بذدزبہ کے حالات سے تاریخی صفحات بالکل ساکت ہیں، صرف اس قدر پتہ چلتا ہے، کہ فارسی النسل تھے، اور اپنا قومی مذہب رکھتے

---

[1] ان کے الفاظ یہ ہیں: بردزبہ بن بذدزبہ بیاء موحدۃ مفتوحۃ ثم ذال معجمۃ مکسورۃ وقیل بدال بردزبہ الاحنف وقیل غیر ذلک ۱۲ الطبقات [2] حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کان بردزبہ فارسیا علی دین قومہ یعنی امام بخاری کے دادا فارسی تھے، اور اپنا قومی مذہب رکھتے تھے، اس بنا پر اکابر محدثین کے اس دعویٰ کو کہ دربار رسالت کا یہ ارشاد لو کان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل

تھے، مغیرہ امام بخاری کے پرداد نے یمان جعفی حاکم بخارا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور بخارا میں آکر بود و باش اختیار کی، اس وقت کا اسلامی دستور تھا کہ جو آدمی جس کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوتا اسی کے قبیلہ کی طرف منسوب ہو جاتا، جس کو اسلام میں نسبت وِلا کہتے ہیں مغیرہ اس عام قانون سے کیونکر مستثنے ہو سکتے تھے، اس لئے وہ خود بھی اور ان کی آنے والی نسلیں حتی کہ امام بخاری بھی جعفی کہلائے،

من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناولہ اور یہ پیشین گوئی امام بخاری پر ایسی ہی کھلی اور واشگاف صادق آئی جس طرح آفتاب نکلنے پر کسی کو دن ہونے میں شبہ نہیں رہتا، گیا تاریخ حقارت اور بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھ سکتی ہے، امام بخاری نے جو اسلامی خدمتیں انجام دیں وہ تاریخی صفحات پر ایسے جلی قلم سے کندہ ہیں، جس کو زمانہ کی گردشیں نہ مٹا سکیں نہ مٹا سکیں گی نہ تاریخ کے اوراق دھوئے جا سکتے ہیں، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمانوں کی وہ جماعت جو یورپ کے بھورے زلفوں کی اسیر ہو چکی ہے، اور دہریت کی کرنجی آنکھوں نے اپنا شیدا بنا لیا ہے اس صحیح اور مستند پیشین گوئی کو نعوذ کہتی ہوئی کیونکہ وہ تو سرے سے رسولوں کی باتوں کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتی ہے، اور نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام بخاری کی ان بے مثل خدمات کو دیکھ کر جس کا چار دانگ عالم میں شہرہ ہے، اور عجمی النسلوں میں بجز امام بخاری کے دوسروں کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا، بعض کوتاہ بین مسلمان اس پیشین گوئی کو امام بخاری پر صادق آنے سے انکار نہ کرتے ہونگے کیونکہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ آفتاب نکلنے پر بھی خدا کی بعض مخلوق کو سجھائی نہیں دیتا تو اگر بخاری کی بے مثل خدمات سے ان کی آنکھیں بے بصیرت ہوں، یا صرف روشنی سے وہ آنکھیں نہ کھول سکیں، تو کون سی تعجب کی بات ہے ۱۲ منہ ؎ اگر ثریا اتنی دور اور بلندی پر بھی دین اسلام ہوگا تو بھی ایک آدمی فارس کا یا فارسی النسل جا کر لا دے گا ۱۲

حافظ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں: ۔ فنسب الیہ (الجعفی) نسبۃ ولاء عملا بمذہب من یری ان من اسلم علی ید شخص کان ولاءہ لہ ولذالک ولاء قیل لہ الجعفی

امام بخاری کا خاندان کبھی غلامی کی طرف منسوب نہیں ہوا، اس لئے ہم کو اس کی نفی کے لئے وہ زحمتیں نہیں اٹھانی پڑیں، جو ہمارے ہم عصر شمس العلماء نعمانی صاحب کو سیرت النعمان لکھتے وقت اٹھانی پڑیں، اور اس کے لئے ان کو کئی صفحے سیاہ کرنے پڑے اور نیز امام بخاری کے سلسلہ نسب میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے جس کی توجیہات میں ہم کو تکلفات باردہ رکیکہ سے کام لینا پڑے، اور قیاسات بعیدہ لگا کر دور از کار رائیں بنانی پڑیں، کہ بعض مورخین نے بجائے بردزبہ امام بخاری کے پردادا کا نام احنف[2] لکھا ہے

امام بخاری کے والد کا نام اسمٰعیل کنیت ابوالحسن ہے، یہ بڑے پایہ کے محدث تھے، امام مالک کے تلمیذ اور ان کے صحبت یافتہ تھے، افسوس علامہ اسماعیل کی کسی تالیف کا اب تک پتہ نہ چل سکا۔

---

[1] جعفی منسوب ہے جعفی ہی کی طرف جس طرح کرسی کی طرف نسبت کرنے میں کرسی ہی ہوتا ہے، جعفی ککرسی ابن سعد العشیرہ ابوحی بالیمن کما فی القاموس، یعنی جعفی یمن کے ایک قبیلہ کے جد کا نام ہے بعض مورخین نے جعفی مقام سکونت کو بھی لکھا ہے، لیکن یہ محقق نہیں ہے،

[2] احنف ایک بہت بڑا عقلمند آدمی گذرا ہے، تب لوگ کسی کو بڑا عقلمند پاتے، اس کو احنف کہنے لگتے، جس طرح بڑے سخی کو حاتم کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے، کہ بردزبہ نہایت عقلمند آدمی تھے اس وجہ سے لوگ احنف بھی کہتے ہوں گے، لیکن اصل نام بردزبہ تھا الاحنف جل مشہور بالعقل فضرب بہ مثل ۱۲ حاشیہ دارمی

اسماعیل نے حماد بن زید، امام مالک، ابو معاویہ اور دیگر اعیان زمانہ سے حدیثیں روایت کیں، عبداللہ بن مبارک کی صحبت اور تربیت میں رہے اہل عراق اور احمد بن حفص و نصر بن الحسین وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں، امام بخاری نے خود اپنے والد کا تذکرہ تاریخ کبیر میں لکھا ہے، اور نیز ان کا ترجمہ حافظ ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ اسمعیل بن ابراھیم والد البخاری یروی عن حماد بن زید و مالک وروی عنہ العراقیون

علامہ اسماعیل بڑے پاکیزہ نفس اور نہایت محتاط تھے، احمد بن حفص بیان کرتے ہیں، کہ میں اسماعیل کی وفات کے وقت ان کی خدمت میں حاضر تھا، اس وقت آپ نے فرمایا، کہ میں اپنے حاصل کردہ مال میں ایک درم بھی مشتبہ نہیں پاتا ابن حفص کہتے ہیں فتصاغرت الی نفسی عند ذلک، یعنی یہ سن کر میرا نفس نہایت ذلیل ہو گیا[1]

امام بخاری میں علاوہ دیگر فضائل اور مفاخر کے ایک فخر اور فضل یہ بھی تھا، کہ باپ اور بیٹے دونوں محدث اور صاحب فضل تھے، یہ فخر اہل اسلام میں چیدہ لوگوں کو حاصل ہوا۔

امام بخاری کی والدہ بڑی عابدہ اور صاحب کرامات تھیں، خدا سے دعا کرنا رونا، عاجزی کرنا ان کا حصہ خاص تھا، امام بخاری کی آنکھیں صغر سنی پر خراب ہو گئی تھیں، بصارت جاتی رہی، اطبا علاج سے عاجز آگئے امام بخاری کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا، کہ وہ فرما رہے ہیں کہ تمہارے

---

[1] مقدمہ قسطلانی ۱۲ [2] تقیید المہمل لابی علی غسانی ۱۲

رونے اور دعا کرنے سے تمہارے بیٹے کی آنکھیں اللہ نے درست کر دیں" وہ کہتی ہیں کہ جس شب کو میں نے خواب دیکھا اسی کی صبح کو میرے بیٹے (محمد) کی آنکھیں درست ہوگئیں، روشنی پلٹ آئی اور وہ بینا ہو گئے" افسوس بینائی جانے کی کیفیت اور اس کا سبب مفصل معلوم نہ ہو سکا، لیکن بعد پلٹنے کے اس بینائی کی قوت اس درجہ پہنچی، کہ چاندنی راتوں میں تاریخ کبیر کا مسودہ لکھا، ابو علی غسانی کے الفاظ یہ ہیں:۔ کان محمد بن اسمٰعیل قد ذھب بصرہ فی صباہ وکانت لہ والدۃ متعبدۃ فرأت ابراھیم خلیل الرحمن صلوات اللہ علیہ فی المنام فقال لھا ان اللہ تبارک وتعالیٰ قد رد بصر ابنک بکثرۃ دعائک وبکائک قالت فاصبحت وقد رد اللہ علیہ بصرہ۔

زمین کے جس خطہ میں امام بخاری کی ولادت ہوئی، علاقہ خراسان کا مشہور و معروف شہر بخارا ہے۔ بخارا، علاقہ ماوراء النہر کے شہروں میں ایک قدیم اور بڑا وسیع و شاندار شہر ہے، فتوحات اسلامیہ سے پہلے یہ شہر ملوک سامانیہ کا دار السلطنت تھا، دریائے جیحون سے دو روز کی مسافت پر نہایت مسطح اور ہموار زمین پر آباد ہے، چھتیس میل کی وسعت میں اس کی شہر پناہ ہے، اس شہر سے بیکندہ دو فرسخ، سمرقند ۳۰ فرسخ، مرو بارہ[۱۲]

ؒ علامہ سبکی کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری کی بینائی دوبارہ جاتی رہی تھی، ایک بار بچپن میں جس کا ذکر عموماً مؤرخین امام بخاری کے والدہ کے تذکرہ میں ان کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، دوسری بار طالب علمی کے سفر میں جب ان کو دھوپ اور شدت گرمی میں اکثر قطع مسافت کے اتفاقات پیش آئے، چنانچہ اسی طالب علمی کے زمانہ میں جب وہ خراسان پہنچے، تو کسی نے یہ تدبیر بتائی کہ سر کے بال منڈوا کر سر پر گل خطمی کا ضماد لگائیں، یہ تدبیر کارآمد ہوئی، اور بینائی پلٹ آئی ۱۲ (طبقات)

سه بالکسر و فتح الکاف و سکون النون ۱۲

منزل اور خوارزم پندرہ منزل پر آباد ہے، اس شہر کے آباد و بارونق و شاندار ہونے کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے، کہ حافظ شیرازی نے اپنے محبوب کے وصل کے کابین کے لئے اسی شہر کو منتخب کیا ہے

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

بخارا کب فتح ہوا؟[1] اور مسلمانوں کا قبضہ اس پر کب سے ہے؟ مؤرخین اس میں مختلف الاقوال ہیں، علامہ حموی نے معجم البلدان میں کئی قول نقل کئے ہیں، ایک قول یہ ہے، کہ حضرت عثمان رض خلیفہ سوم کے صاحبزادہ سعید نے امیر معاویہ کے زمانہ خلافت ۵۵ھ میں فتح کیا، جو امیر معاویہ رض کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے، دوسرا قول یہ ہے (جس کو علامہ ابن اثیر نے بھی تاریخ کامل میں لکھا ہے، کہ قتیبہ بن مسلم نے حجاج کی سلطنت ۸۹ھ یا ۹۰ھ میں فتح کیا، بہر حال اس پر مؤرخین کا اتفاق ہے، کہ بنی امیہ کے زمانہ میں اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، اور آج تک ہے،

علامہ یاقوت حموی، حذیفہ بن الیمان صحابی کے واسطہ سے بخارا کے وصف میں ایک طویل حدیث بھی روایت کرتے ہیں جس سے بخارا کی انتہا درجہ کی فضیلت

---

[1] خطہ ماوراء النہر میں بخارا کی زرخیزی ضرب المثل ہے، علامہ یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں، "ولا شک انہا مدینۃ قدیمۃ نزہۃ کثیرۃ البساتین واسعۃ الفواکہ جیدتہا" یعنی بے شبہ بخارا ایک قدیم شہر ہے، جو نہایت پر فضا ہے، اور باغات و پھلدار درختوں اور عمدہ میوہ جات سے آباد ہے، علامہ موصوف نے کتاب الصور کے مصنف کا جو مقولہ نقل کیا ہے، اس سے بھی اس شہر کی شانداری کا پتہ چلتا ہے "واما نزہۃ بلاد ما وراء النہر فانی لم ار ولا بلغنی فی الاسلام بلدا احسن خارجا من بخارا" ۱۲ معجم البلدان ص ج ۲۔

ثابت ہوتی ہے، اس فضیلت کی بنا پر حذیفہ نے یہ تمنا کی تھی، کہ کاش میرے ہاتھ پر فتح ہوتا، اس حدیث کو ایک طویل سند کے ساتھ (جس میں بہت سے واسطے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن اس حدیث کا محدثین کے طریقہ پر ثابت ہونا مشکل ہے،

محمد بن اسماعیل جو آگے چل کر امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث، سید الفقہا کے القاب سے ممتاز ہونے والے تھے، جن کے وجود سے سنن نبویہ نئی زندگی پانے والی تھی، اسی خطہ بخارا سے بتاریخ ۱۳ ماہ عید الفطر ۱۹۴ھ ہجری میں بعد نماز جمعہ ماہ عید کی طرح نمودار ہوئے، جامی ؎

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند   نوبت آخر بہ بخارا زدند

امام بخاری کا بیان ہے، کہ اپنا سنہ ولادت میں نے اپنے والد کے ہاتھ کا لکھا ہوا پایا۔

امام بخاری کے علاوہ بہتیرے اہل کمال سرزمین بخارا سے نکلے، ابو علی بن سینا جو فلسفہ یونان اور طب و منطق کا معلم ثانی کہا جاتا ہے اسی سرزمین میں پیدا ہوا اور منصب وزارت تک پہنچ کر ۴۲۸ھ میں وفات پائی (یاقوت حموی)

سن رشد، تعلیم و تربیت، شیوخ و اساتذہ

امام بخاری کے والدین کے حالات اگرچہ مختصر ہی طریقے سے بھی معلوم کرنے کے بعد یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ امام بخاری کی تعلیم و تربیت کس انداز کے ساتھ ہوئی ہوگی علامہ قسطلانی نے کسی محدث کا یہ جملہ امام بخاری کی تربیت میں نہایت جامع نقل کیا ہے

فقد ربي في حجر العلم حتى ربا و	یعنی آپ نے علم کی گود میں پرورش پائی، یہاں
ارتضع ثدي الفضل فكان فطامه	تک کہ بڑھے، اور علم و فضل کے پستان سے شیر
على هذا اللبا	پایا، اور اسی پر فطامؔ واقع ہوا

آپ کے والد اسماعیل کی وفات اس وقت ہوئی، جب کہ آپ صغیر السن تھے اس وجہ سے امام بخاری کی پرورش کی متکفل ان کی والدہ ہوئیں، جب آپ نے ہوش سنبھالا، تو خود آپ کے دل میں حفظِ حدیث و تحصیلِ فنونِ اسلامیہ اور تنقید احادیث کا شوق پیدا ہو گیا، اور کیوں نہ ہوتا، یہ تو پدر بزرگوار کی میراث تھی، محمد بن ابی حاتم وراق کہتے ہیں :-

سمعت البخاري يقول الهمت	یعنی میں نے خود امام بخاری کو فرماتے سنا، کہتے
حفظ الحديث وانا في المكتب	تھے کہ مجھے اس وقت حفظ حدیث کا
	شوق دیا، جب کہ میں مکتب ہی میں تھا،

وراق کہتے ہیں، میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ کے دل میں جس وقت حفظ احادیث کا شوق دیا گیا، آپ کی عمر اس وقت کیا تھی، آپ نے فرمایا

عشر سنين او اقل	دس برس یا اس سے بھی کم۔

اسی سن سے آپ محدثین کے حلقہ درس میں شامل ہونے لگے،

اسی اثنائے تحصیل میں ایک روز یہ واقعہ پیش آیا، کہ علامہ داخلی (جو بخارا میں اس وقت بڑے پایہ کے محدث تھے، جن کی درس گاہ بڑی بارونق اور مشہور تھی) حسب معمول

لہ مقدمہ فتح الباری ۱۲ ۲ـہ ابو جعفر محمد بن ابی حاتم، امام بخاری کے کاتب اور صحیح بخاری کے راوی بھی ہیں ۱۲ ۳ـہ مقدمہ فتح الباری ۱۲ ـــہ دودھ چھڑانا

درس دے رہے تھے، امام بخاری بھی درس میں شامل تھے، علامہ داخلی نے ایک حدیث کی سند یوں بیان کی "سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم" امام بخاری نے عرض کیا کہ

ان ابا الزبیر لم یرو عن ابراہیم   یعنی ابوالزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی ہے

امام بخاری کا یہ مطلب تھا کہ حدیث کی سند میں آپ غلطی کرتے ہیں، اس صداقت سے علامہ داخلی چونک پڑے اور برہمی کے ساتھ کچھ ڈانٹ کے الفاظ فرمائے، امام بخاری نے نہایت متانت سے عرض کیا کہ "اگر آپ کے پاس اصل ہو تو اس کی طرف مراجعت فرمائیے" علامہ داخلی گھر میں تشریف لے گئے اور اصل کو ملاحظہ فرمایا، تو امام بخاری کے قول کو تسلیم کر لیا اور اپنی غلطی پر متنبہ ہو گئے، لیکن سند کی تصحیح باقی رہ گئی تھی منصف مزاج محدث نے بڑا انصاف یا یوں کہو کہ امتحاناً اس سند کی تصحیح کا سوال امام بخاری پر ہی پیش کر دیا، مجھ سے یا یہ کہ فرمایا

کیف ھو یا غلام؟   لڑکے صحیح سند کس طرح ہے؟

امام بخاری نے برجستہ عرض کیا، صحیح سند یہ ہے "الزبیر وھو ابن عدی عن ابراہیم" علامہ داخلی نے قلم لے کر کتاب کی تصحیح کر لی، اور ندامت کے لہجے میں فرمایا: بے شک "لڑکے تمہارا قول صحیح تھا، غلطی میری ہی تھی" کسی نے امام بخاری سے پوچھا کہ جس وقت علامہ داخلی کی آپ نے غلطی پکڑی تھی آپ کا کیا سن تھا؟ فرمایا گیارہ برس۔

جس طرح امام بخاری کے دل میں دس ہی برس کے سن سے حفظ حدیث کا شوق پیدا ہوا اور ہمیشہ ترقی کرتا گیا، اسی طرح اس کے ساتھ ہی یہ شوق بھی نشوونما پاتا گیا کہ صحیح حدیثوں کو غیر صحیح سے الگ کریں، حدیثوں کے علل کو پہچانیں، رواۃ حدیث کے حالات سے واقفیت پیدا کریں، ان کی عدالت، قوت ضبط، دیانت، صدق، طرز معاشرت، جائے سکونت، سنہ ولادت، سنہ وفات، باہم لقاء وغیرہ سے کامل آگاہی حاصل کریں، سلسلہ

روایات کو ایک دوسرے سے ملا کر ان کی جانچ پڑتال کریں، اور ان کے اتصال و انقطاع پر عبور حاصل کریں، اور فنون حدیثیہ کو درجۂ تکمیل تک پہنچائیں، حدیثوں سے مسائل کا استنباط کریں، اور آیات قرآنیہ کو احادیث پر تطبیق دیں، غرض ان باتوں کی طرف پہلے ہی سے میلان تھا، اور جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا تھا، ان باتوں کا خیال دل میں راسخ ہوتا جاتا تھا وہ شیوخ بخارا جن کی درس گاہیں امام کے زمانۂ ابتدائے تحصیل میں نہایت ممتاز تھیں، اور وہ بڑے پایہ کے محدث اور مرجع خلائق گنے جاتے تھے، ان میں محمد بن سلام بیکندی، محمد بن یوسف بیکندی، عبداللہ بن محمد مسندی، ابراہیم بن الاشعث وغیرہ خاص امتیاز رکھتے ہیں، امام صاحب کا دامنِ تحصیل ابتدائً انہیں اساتذہ کی فیاضیوں کا ممنون ہوا۔

محمد بن سلام بیکندی، عبداللہ بن مبارک، ابن عیینہ کے شاگرد ہیں، امام مالک کا زمانہ پایا ہے، علوم اسلامیہ کی تحصیل اور اشاعت میں اسی ہزار درم صرف کئے، ایک بار شیخ کی درس گاہ میں ان کا قلم ٹوٹ گیا تو پکار دیا کہ فی قلم ایک اشرفی دیا جاوے گا، قلم آنا شروع ہوئے اور سینکڑوں قلم اسی وقت خرید لئے، امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم نے ابن سلام بیکندی سے پانچ ہزار صرف موضوع حدیثیں روایت کیں، ۲۲۵ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ)

عبداللہ بن محمد مسندی ان کو احادیث مسندہ کے ساتھ خاص شغف تھا، اسی وجہ سے ان کو مسندی کہا جاتا ہے، ابن عیینہ، فضیل بن عیاض، جعفر ابن سلیمان کے تلمیذ ہیں، ۱۲۰ھ میں ولادت ہے، ۲۲۹ھ میں وفات پائی، احمد بن سیار کہتے ہیں عرف بالضبط والاتقان

یہ یمان جعفی کے پوتے ہیں، جن کے ہاتھ پر امام بخاری کے دادا
مسلمان ہوئے تھے، (تذکرۃ الحفاظ)

ابراہیم بن الاشعث بخارا کے رہنے والے ہیں فضیل بن عیاض، ابن عیینہ کے تلمیذ
ہیں، ابن حمید (جن کی مسند حمیدی مشہور ہے) ان کے شاگرد ہیں۔

امام صاحب نے ان سے بہت بڑا ذخیرہ فنون حدیثیہ کا حاصل کر لیا، اور سولہ
برس کے سن تک اپنے وطن کے ان شیوخ سے جو قابل وثوق اور قابل اخذ روایت تھے
فارغ ہو چکے تھے، عبداللہ بن مبارک کی کتابوں کو (جن کو مدت سے دست برد زمانہ
نے ناپید کر دیا ہے) ازبر کر چکے تھے، اہل الرائے کے اقوال و مسائل اجتہادیہ سے
کامل آگاہی حاصل کر لی تھی، ان کے شیوخ و اساتذہ کے دلوں میں ان کا سکہ جم چکا تھا
اکثر وہ شیوخ بھی جو اپنے وقت کے امام فن تھے، آپ کے حلقہ درس میں پہنچ جانے
سے مرعوب ہو جاتے، اور حدیث بیان کرنے میں تامل کرتے، کہ مبادا محمد بن اسمٰعیل
کے سامنے کوئی غلطی ہو جائے[1]، امام کے سامنے اپنی کتابیں پیش کرتے، کہ وہ اس کی غلطیوں
کی تصحیح فرمائیں، کوئی کہتا بین لنا اغلاط شعبۃ یعنی شعبۃ الشاک کی غلطیاں ہم سے
بیان کر دیجیے[2]

انہیں ایام کا (جس وقت تک امام بخاری تحصیل حدیث کے لئے رحلت
نہیں فرمائی تھی) ایک واقعہ یہ ہے، جس کو علامہ سلیم بن مجاہد بیان کرتے ہیں، کہ ایک روز
میں محدث وقت محمد بن سلام بیکندی کی خدمت میں حاضر ہوا، محدث صاحب نے
فرمایا اس سے پہلے تم آتے، تو ایک لڑکا ایسا دیکھتے، جس کو ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں، یہ سن

---

[1] ثقات ابن حبان ۱۲ [2] مقدمہ قسطلانی ۱۲ مقدمہ فتح الباری ۱۲

کہ مجھے حیرت ہوئی، اسی وقت ان کی تلاش میں چلا، اتفاقاً مجھ سے ملاقات ہو گئی، میں نے کہا لڑکے تمہارا ہی دعوے ہے، کہ مجھے ستر ہزار حدیثیں از بر ہیں، امام صاحب نے کہا ہاں! بلاشبہ مجھے اس قدر حدیثیں یاد ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور صرف حدیثوں کی یاد پر موقوف نہیں ہے، جس حدیث کی نسبت سوال کروگے، خواہ مرفوع ہو یا موقوف (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہو یا صحابہ و تابعین کا) ان میں اکثر رواۃ کی وفات، جائے سکونت اور دیگر حالات کا پتہ دے سکتا ہوں، اور جو قول یا فعل صحابی یا تابعی کا روایت کروں گا، اس کے ساتھ یہ بھی بتا سکتا ہوں، کہ ان کا یہ قول و فعل کس آیت یا حدیث سے ماخوذ ہے[1]

ایک[2] بار محمد بن سلام بیکندی نے (قبل سفر) امام بخاری سے کہا، کہ تم میری کتاب کو دیکھ جاؤ، اور جو غلطی اس میں پاؤ اس کی تصحیح کر دو، کسی نے علامہ بیکندی سے براہ تعجب پوچھا، کہ یہ کون نوجوان لڑکا ہے؟ سائل کا مطلب یہ تھا، کہ آپ شیخ وقت امام فن ہو کر ایک نوجوان لڑکے سے فرما رہے ہیں، کہ میری کتابوں کو اس غرض سے دیکھو، کہ اس کی غلطیاں نکال دو، علامہ موصوف نے جواب میں فرمایا۔

هذا الذی لیس مثله — کہ اس کا کوئی ثانی نہیں ہے

علامہ بیکندی فرمایا کرتے، کہ جب محمد بن اسمٰعیل میرے حلقہ درس میں آتے ہیں تو میں متحیر ہو جاتا ہوں، اور حدیث بیان کرنے میں مجھے خوف معلوم ہوتا ہے، کہ مبادا محمد بن اسمٰعیل کے سامنے غلطی نہ کر جاؤں، حافظ ابن حجر نے علامہ بیکندی کے الفاظ یہ نقل کئے ہیں کلما دخل علی محمد بن اسمٰعیل تحیرت ولا ازال خائفا منه یعنی

---

[1] مقدمہ فتح الباری ۱۲ [2] مقدمہ قسطلانی ۱۲

یخشی ان یخطی بحضرتہ۔

یہ سب اقوال محمد بن سلام بیکندی کے اس وقت کے ہیں جس وقت تک امام بخاری کی تحصیل شیوخ وطن (بخارا) کے شیوخ تک محدود تھی، اور امام بخاری نے اپنے وطن سے علوم اسلامیہ کے لئے رحلت نہیں فرمائی تھی، کیونکہ امام بخاری نے جب اپنے وطن سے رحلت فرمائی، تو اس کے بعد علامہ بیکندی کو امام بخاری سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا[1]

علوم اسلامیہ کی طلب میں امام بخاری کی رحلت (سفر) اور اس کی تفصیل

رحلت محدثین کی اصطلاح میں وہ سفر ہے، جو حدیث یا حدیث کی اسناد عالی حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کو اس سفر کے ساتھ جیسا غیر معمولی شغف تھا، اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، ایک ایک حدیث کے لئے یا صرف اس کی جانچ کے لئے ایک ایک مہینہ کے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے، اور جب تک سنکر یاد نہیں کر لیتے یا تحقیق نہیں کر لیتے چین نہیں آتا، چند واقعات رحلت کے لکھ دینے ضروری ہیں جس سے اس زمانہ کے شوق پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔

عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں، کہ ایک صحابی مدینہ سے سفر کر کے مصر میں فضالہ بن عبید کے پاس (جو ایک دوسرے صحابی ہیں) پہنچے اور ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ اپنی اونٹنی کو گھاس کھلا رہے ہیں۔ فضالہ نے دیکھتے ہی معمولی سلام و مصافحہ کے بعد مرحبا، خوش آمدید کہا، یہ سنکر صحابی مذکور نے فضالہ سے کہا۔

[1] مقدمہ فتح الباری ۱۲

"لم آتك من اجل" میں آپ کے پاس ملاقات کی غرض سے نہیں آیا
بلکہ اس غرض سے آیا ہوں، کہ آپ اور میں دونوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے ایک حدیث سنی تھی، مجھے امید ہے، کہ آپ کو یاد ہوگی، آپ بھولے نہ ہوں گے فضالہ
نے پوچھا "ماھو" وہ کونسی حدیث ہے، صحابی مذکور نے کہا کذا کذا فلاں حدیث ہے[1]
جابر بن عبداللہ (ایک جلیل القدر صحابی ہیں) کہتے ہیں، کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی ایک حدیث بواسطہ پہنچی، جس کو بالمشافہہ میں نے آپ سے نہیں سنا تھا،
اس کی تحقیق کے لئے ایک اونٹ خریدا، اور اس پر پالان کس کر ایک ماہ کا سفر قطع کر کے
ملک شام میں داخل ہوا، عبداللہ بن انیس صحابی کے دروازے پہنچ کر دربان سے
کہا، کہ اندر خبر کردو، کہ "جابر دروازے پر کھڑا ہے" دربان نے خبر کی، حکم ہوا، کہ دریافت
کرو، کون جابر؟ کیا جابر بن عبداللہ؟ جابر نے کہا ہاں! عبداللہ بن انیس یہ سن کر
بہت جلدی میں کپڑے سنبھالتے ہوئے نکلے، سلام اور معانقہ کے بعد جابر نے پوچھا
کہ "تمہاری روایت سے مجھے ایک حدیث دربارہ قصاص پہنچی ہے، جس کو میں نے
خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا ہے، مجھے خوف ہے، کہ مبادا
میری یا تمہاری موت آجائے، اور اس دولت سے محرومی رہ جائے، یہ سنکر عبداللہ بن
انیس نے وہ حدیث بیان کردی[2]۔
دہیث[3] بن عبداللہ المعافری کہتے ہیں، کہ ایک دفعہ ایک انصاری صحابی سفر کر
کے مسلمہ بن مخلد کے پاس پہنچے، اتفاقاً اس وقت مسلمہ نیند سے سو رہے تھے، انصاری
صحابی نے کہا، مسلمہ کو جگا دو، لوگوں نے جگانے سے انکار کیا، لیکن بالآخر انصاری کے
اصرار پر جگائے گئے، آواز سنکر مسلمہ مرحبا کہتے ہوئے باہر آئے، اور عرض کیا، سواری

[1]،[2] تدریب الراوی ۱۲ [3] تدریب الراوی ۱۲

سے اتر پڑے انصاری نے کہا جب تک تم عقبہ بن عامر کو نہ بلاؤ گے، میں سواری سے نہ اتروں گا، مجھے ان سے ایک سخت ضرورت ہے، مسلمہ نے عقبہ بن عامر کو بلایا جب عقبہ آئے تو انصاری نے کہا، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے من وجد مسلما علی عورۃ فسترہ فکانما احیی موؤدۃ من قبرہا عقبہ نے کہا ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ آپ ایسا فرماتے تھے[1]،

ابو العالیہ کہتے ہیں، ہم لوگ بصرہ میں جن حدیثوں کو سنتے، پھر مدینہ انہیں کی تحقیق کے لئے سفر کرتے، کہ صحابہ کی زبان سے بلا واسطہ سنیں"

ابراہیم بن ادہم جو بہت بڑے بزرگ اور مانے ہوئے صوفی ہیں، فرماتے ہیں،

ان اللہ یرفع البلاء عن ھذہ الامۃ برحلۃ اصحاب الحدیث	یعنی اللہ تعالیٰ اس امت سے بلاؤں کو اصحاب حدیث کی رحلت کی برکتوں سے اٹھا لیتا ہے،

یحییٰ بن معین بڑے پایہ کے محدث ہیں، فرماتے ہیں:-

لاتونس رشدا من رجل یکتب فی بلدہ ولا یرحل۔	یعنی کبھی ایسے شخص کو راہ یابی نہیں ہوسکتی جو اپنے ہی شہر میں حدیثیں لکھا کرے اور سفر نہ کرے

ان سے قطع نظر کرکے دیکھو، تو قرآن پاک خود اس مبارک سفر کے لئے تاکید مزید کر رہا ہے،

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ (توبہ)	یعنی کیوں نہیں سفر کیا، ہر جماعت سے چند لوگوں نے، تا سمجھ پیدا کریں دین میں اور ڈراویں اپنی قوم کو جب پلٹ کر آویں۔

---

[1] تدریب الراوی ۱۲ [2] تدریب الراوی ۱۲

محدثین نے رحلت کے لئے یہ شرط لگائی ہے:۔

واذا عزم علی الرحلۃ فلا یترک فی	یعنی جب رحلت کا قصد ہو، تو اپنے وطن کے
بلدہ من الرواۃ الا و یکتب عنھم ما	رواۃ سے جس قدر حدیثیں مل سکیں، ان کو
تیسر من الاحادیث وان قلت	حاصل کر لو۔

امام صاحب کو جب اس سفر کی نوبت آئی، تو وہ ایسا وقت ہے، کہ فتوحات کی کثرت، اور اسلامی مقبوضات کی وسعت سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین دور دراز ملکوں میں پھیل چکے ہیں، حاملین حدیث دور دور کے بلاد و امصار میں اپنا فیض جاری کر رہے ہیں، حرمین کو اس وجہ سے کہ علوم اسلامیہ کے اصلی مرکز و مہبط وحی ہیں، البتہ ایک خاص امتیاز ہے، تاہم صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت دوسرے دوسرے ملکوں میں سکونت پذیر ہو گئی ہے، اس وجہ سے ایسے شخص کو جس نے علوم اسلامیہ کے شوق میں آنکھیں کھولی ہوں، اسی کی دھن میں نشوونما پائی ہو، ایک طول طویل، نامحدود سفر کے لئے تیار ہونا لازم تھا،

اس کام کے لئے ایسا ہی مضبوط حوصلہ، ایسی ہی عالی ہمتی، وسعت دماغی اور کشادہ دلی کی ضرورت تھی، جیسی خداوند عالم نے فطرۃ امام بخاری میں ودیعت رکھی تھی، سفر کے مصائب سے تنگ دل نہ ہونا، ناقوں پر فاقے کھینچنے پر بھی حوصلہ کا پست نہ ہونا، سواری نہ ہونے کی حالت میں پاؤں میں چیتھڑے باندھ کر پا پیادہ سفر کرتے رہنا، سخت سے سخت مشکلات میں پیشانی پر بل نہ آنے دینا، ساگ پتوں پر گذارہ کی نوبت پر بھی دل کا ولولہ اور جوش کم نہ ہونا، دل میں جو آتش شوق بھڑکی ہوئی ہے، ہزاروں مشکلات جھیلنے پر بھی نہ بجھنا، صعوبات سفر کو راحت سمجھنا، اس کام کے لئے اپنی دولت اور اپنی زندگی کو نذر

کردیا کسی معمولی دل ودماغ، حوصلہ اور ہمت والے آدمی کا کام نہ تھا یہی وہ اوصاف ہیں جنہوں نے امام بخاری کو اگلے ائمہ کے رجو امام بخاری سے زمانہ میں کہیں مقدم تھے ہم طبقہ بنادیا، اور نحن الآخرون السابقون کے معنے ظاہر کردیئے۔

قتیبہ بن سعید ثقفی فرمایا کرتے، اگر امام بخاری صحابہ میں ہوتے، تو خدا کی بڑی نشانی ہوتے، لیکن عام خیال یہ ہے، کہ اگر امام بخاری تابعین میں بھی ہوتے تو بھی خدا کی بڑی نشانی ہوتے، ان کی جانفشانی اور اس کے ساتھ سیلان ذہن، بلند حوصلگی تو حافظہ نے ان کو بڑے بڑے ائمہ کا ہم پلہ بنادیا۔

امام بخاری کے متعدد اساتذہ ایسے ہیں، جو امام مالک اور امام ابو حنیفہؒ کے شیوخ کے ہم طبقہ ہیں، مثلاً

امام بخاری (۱) محمد بن عبداللہ انصاری (۲) حمید (۳) انس صحابی رضہ

امام بخاری (۱) مکی بن ابراہیم (۲) یزید بن ابی عبید (۳) سلمہ بن الاکوع الصحابی رضہ

امام بخاری (۱) علی بن عیاش (۲) حریز بن عثمان (۳) عبداللہ بن بسر الصحابی رضہ

امام بخاری (۱) ابو نعیم (۲) الاعمش (۳) الصحابی المخضرم

امام بخاری (۱) عبیداللہ بن موسیٰ (۲) معروف (۳) ابوالطفیل عن علی رضہ

امام بخاری (۱) خلاد بن یحییٰ (۲) عیسےٰ بن طہمان (۳) انس رضہ

امام بخاری (۱) عصام بن خالد (۲) حریز بن عثمان (۳) عبداللہ بن بسر الصحابی رضہ

ع مثلاً امام ابو حنیفہؒ کا جو سلسلہ روایت، سلسلۃ الذہب اور بہت ہی اعلیٰ سمجھا جاتا ہے، وہ یہ ہے،

امام ابو حنیفہ (۱) حماد بن ابی سلیمان (۲) ابراہیم (۳) علقمہ (۴) عبداللہ بن مسعود الصحابی رضہ

رسالہ مناقب شافعی از امام رازی۔

اسی طرح کے چند سلسلوں کو لکھ کر محدثین لکھتے ہیں "کان البخاری سمع شعبۃ ومن کان فی طبقتہ" یعنی گویا امام بخاری نے شعبہ اور ان کے ہم طبقہ سے حدیث لی، جو امام مالک و امام ابو حنیفہ کے اساتذہ تھے۔

مکی بن ابراہیم یزید بن ابی عبید اور جعفر صادق کے شاگرد ہیں، سترہ تابعیوں سے اخذ روایت کرتے ہیں، ساٹھ حج کئے، حافظ الحدیث الثقہ ان کا مشہور وصف ہے، امام بخاری اور ابن معین کے شیخ ہیں ۲۱۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ خلاصہ

علی بن عیاش ان کی نسبت محدثین کا احد الاثبات مشہور مقولہ ہے ۲۰۵ھ میں وفات پائی، لیث و حریز بن عثمان کے شاگرد ہیں، امام بخاری امام احمد و ابن معین کے شیخ ہیں،

ابو نعیم فضل بن دکین "الحافظ العلم، ثقہ، تیقظان، عارف بالحدیث" ان کے مشہور اوصاف ہیں، اعمش کے شاگرد ہیں، ۲۱۹ھ میں وفات پائی،

عبید اللہ بن موسیٰ ۲۱۳ھ میں وفات پائی، حافظ الحدیث صاحب المسند کہے جاتے ہیں، ابن جریج اور ہشام بن عروہ کے شاگرد ہیں،

عصام بن خالد الحمصی ۲۱۵ھ میں وفات پائی، حریز بن عثمان کے شاگرد ہیں امام نسائی فرماتے ہیں "ثقہ"

خلاد بن یحییٰ السلمی مسعر اور مالک بن مغول کے شاگرد ہیں، ۲۱۷ھ میں وفات پائی، ائمہ حدیث امام احمد، ابو داؤد فرماتے ہیں "ثقہ"

امام بخاری اپنی عمر کے سولھویں برس تک اپنے ہی ملک کے اساتذہ سے تحصیل

کرتے رہے، وطن سے فارغ ہو کر پہلے آپ نے ملک حجاز کا قصد کیا جو علوم اسلامیہ کا ماویٰ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن تھا، جہاں وحی اتری، جبریل آئے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن اور اسلام کا مرکز تھا،

امام بخاری کے کاتب ابن ابی حاتم وراق بیان کرتے ہیں، کہ امام صاحب فرماتے ہیں، کہ جب میں عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی تصنیفات کو ازبر کر چکا، اور اہل الرائے کے کلام کو خوب سمجھ چکا، تو میں نے حجاز کا سفر کیا، میری عمر اس وقت سولہ برس کی تھی،[1]

وراق کی روایت سے ثابت ہے، کہ پہلی رحلت امام صاحب کی ۲۱۰ھ میں ہوئی، اور ابتدائے سماعت ۲۰۲ھ یا ۲۰۵ھ ہجری ہے، اس قلیل زمانہ میں امام صاحب نے اپنے ہی وطن میں وہ فضل و کمال حاصل کیا، جو بڑے تعجب کی نگاہ سے

---

[1] اہل الرائے کا اثر عراق عجم کی ہوا میں سرایت کر گیا تھا، اس لئے ابتدائی تعلیم میں اہل الرائے کے اقوال ان کے طرز اجتہاد کا سیکھنا لازم تھا، امام بخاری نے ابتدا ہی میں اس کی طرف توجہ کی، اور ان کے طرز استدلال و تخریج سے واقف ہو گئے وہ فرماتے ہیں: "وفہمت کلام ہؤلاء" لیکن ان کی بلند ہمت کچھ اور ہی دولت حاصل کرنا چاہتی تھی، عبداللہ بن مبارک کی تصنیفات، اور محدثین کی صحبت نے ان کی نظر میں اسے بہت حقیر دکھایا، اے اہل تحقیق کجا مائل رائید و قیاس، شہواراں زچنیں صید محقر گیرند،
آخر ان کی بلند ہمت طبیعت نے کلام اہل الرائے سے اس طرح کنارہ کشی کی، کہ اسے صریح الفاظ میں بھی یوں ناپسند کرتے اور فرماتے "وفہمت کلام ہؤلاء" اس نفرت کی خاص وجہ یہ تھی کہ امام صاحب کے خیال میں جیسا کہ واقع میں بھی یہی ہے، کہ اہل الرائے کے قیاسی انہماک نے اشاعت احادیث میں بہت بڑا نقصان پہنچایا، منہ [2] مقدمہ فتح الباری ۱۲

دیکھا جاتا تھا، اور اہل کمال کے نزدیک پایہ وثوق و اعتماد رکھتا تھا، جو بڑے بڑے اماموں کو تازیست نصیب نہ ہوا، سولہویں برس ۲۱۰ھ ہجری میں اپنی والدہ کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچے، اس سفر میں آپ کے بڑے بھائی احمد بھی ساتھ تھے، آپ کی والدہ اور بھائی نے حج سے فراغت کر کے وطن کا قصد کیا، لیکن امام صاحب نے مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی، اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر علوم اسلامیہ کے شوق میں والدہ و بھائی کی مفارقت کی اصلاً پرواہ نہ کی تحصیل کے لئے مکہ کے شیوخ کی درس گاہوں میں حاضری شروع کی

اس وقت مکہ میں جن کی درس گاہیں ممتاز تھیں، اور جو لوگ مرجع خلائق اور امام فن سمجھے جاتے تھے، ان میں امام ابوالولید احمد بن الازرقی، عبداللہ بن یزید، اسماعیل بن سالم الصائغ، ابوبکر عبداللہ بن الزبیر، علامہ حمیدی خاص امتیاز رکھتے تھے، ان کے علاوہ دوسرے شیوخ جن کا قیام مکہ میں تھا، اور جن سے امام بخاری نے استفادہ کیا، ان کی تفصیل اس مختصر میں گنجائش نہیں رکھتی

مکہ کے بعد مدینہ کا رخ کیا، جہاں اطراف عالم سے لوگ سفر کر کے آتے اور علوم نبویہ سیکھ کر جاتے، اور جس کی طرف ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا یوشک ان یضرب اکباد الابل الخ

عمر عزیز کے اٹھارہویں برس ۲۱۲ھ میں مدینہ پہنچے، مدینہ میں اس وقت جو لوگ درس دیتے تھے، ان میں ابراہیم بن المنذر، مطرف بن عبداللہ، ابراہیم بن حمزہ، ابوثابت محمد بن عبیداللہ، عبدالعزیز بن عبداللہ الادیسی اور ان کے اقران خاص کر قابل ذکر ہیں۔

[1] مقدمہ فتح الباری ۱۲

مدینہ کے بقیہ شیوخ کی تفصیل کے لئے وسیع میدان چاہیئے، یہ اس کا فرض ہے جو امام بخاری کے شیوخ کے لئے مستقل کتاب لکھے، اسی سفر میں انہوں نے مدینہ میں اپنی تاریخ کبیر کا مسودہ چاندنی راتوں میں لکھا، بالاتفاق مورخین نے ملک حجاز (جس میں مکہ، طائف، جدہ، مدینہ شامل ہیں) میں ان کی مدت اقامت چھ برس بتائی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ یہ مدت اقامت علی الاتصال (یعنی ایک سفر میں) نہیں ہے۔

بصرہ کا قصد کیا، جو وسعت علم، اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے بہت ترقی پر تھا۔

بصرہ پہنچ کر امام ابو عاصم النبیل، صفوان بن عیسٰے، بدل بن المحبر، حرمی ابن عمارہ، عفان بن مسلم، محمد بن عرعرہ، سلیمان بن حرب، ابو الولید الطیالسی، امام عارم، محمد بن سنان اور ان کے معاصرین و اقران سے استفادہ کرتے رہے بصرہ کا سفر امام صاحب نے چار بار کیا ہے، امام صاحب کا مقولہ ہے "و رحلت الی البصرۃ اربع مرات"

لہ مقدمہ فتح الباری ۱۲ ٢ے اگرچہ ہم عصر نعمانی صاحب نے سیرت النعمان میں علوم اسلامیہ کے اعتبار سے بصرہ اور کوفہ کو حرمین کا ہمسر بتایا ہے، لیکن یہ بات کبھی ممکن نہیں، نہ واقعات اس کی شہادت دے سکتے ہیں، کوفہ کے خیال نے ہم عصر مذکور کو کچھ ایسا گرویدہ بنایا، کہ ان کو اپنے منصب (منصب مورخ) کا بھی خیال نہ رہا، اور بعض افاضل کا یہ مقولہ نہایت صحیح ثابت ہوا ہے فی المثل اگر کوفہ دلش بردہ است * از دگراں جیست کہ آزردہ است
اس کی مزید تفصیل حصہ ثانیہ میں آتی ہے ۱۲ منہ

بصرہ کے بعد کوفہ کا سفر ہے، کوفہ کا سفر بھی آپ نے بہ کرات ومرات کیا ہے، اسی طرح بغداد کی رحلت بھی، وراق نے امام بخاری کا مقولہ بغداد اور کوفہ کے سفر کے بارے میں یوں نقل کیا ہے، ولا احصی کم دخلت الی الکوفۃ و بغداد مع المحدثین[1] کوفہ کے چند مشاہیر شیوخ کے نام امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں یہ گنائے ہیں، عبداللہ بن موسیٰ، ابونعیم، احمد بن یعقوب، اسمٰعیل بن ابان، الحسن بن ربیع، خالد بن مخلد، سعید بن حفص، طلق بن غنام، عمر بن حفص، عروہ، قبیصہ بن عقبہ، ابوغسان، یہ مشاہیر کوفہ ہیں، جن پر امام بخاری نے بعد تحقیق وثوق کیا اور جن سے روایتیں لیں۔

بغداد خلافت عباسیہ کا دار السلطنت تھا، سلطنت کی علمی[2] قدر افزائی نے بغداد کو مرجع علوم بنا دیا تھا، اور ہر طرف سے اہل کمال جمع ہو گئے تھے، اس وجہ سے بغداد کا سفر بھی بہ کرات ومرات اختیار کیا، بغداد کے شیوخ میں امام احمد بن حنبل محمد بن عیسی الصباغ، محمد بن سائق، سریج بن النعمان وغیرہ قابل ذکر ہیں، علامہ ابو علی غسانی تقیید المہمل میں لکھتے ہیں، کہ امام بخاری سب سے پچھلی بار جو بغداد سے رخصت ہونے لگے (جو امام صاحب کا بغداد کا آٹھواں سفر تھا) اور امام احمد بن حنبل سے ملنے گئے، تو امام موصوف نے دردناک لہجہ میں حسرت سے فرمایا۔

اتترک الناس والعصر والعلم وتصیر الی خراسان[3] — آپ آدمی واہل زمانہ اور علم کو چھوڑ کر خراسان جاتے ہیں۔

---

[1] مقدمہ فتح الباری ۱۲ [2] اس کی تفصیل کسی قدر آگے آتی ہے ۱۲ [3] خراسان پر کوفہ کی رائے دنیا میں کا اثر سب طرح چھا گیا تھا۔ ۱۲ اقوال الرجال سے تخریج فروعات فقہیہ ہی معراج ترقی اور اصلی

جب امام بخاری پر ابو طاہر حاکم بخارا نے ایک بہتان لگا کر بخارا سے نکلوانے کی تدبیر کی، تو امام بخاری امام احمد بن حنبل کا مقولہ یاد کر کے افسوس کرتے تھے، اور فرماتے "الآن اذکرہ" اب مجھے امام احمد کا مقولہ یاد آتا ہے۔ علامہ ابو علی غسانی کی روایت سے معلوم ہوا کہ بغداد کا سفر امام صاحب نے آٹھ بار کیا

شام کا سفر کیا، اور وہاں پہنچ کر علامہ یوسف فریابی، ابو نصر اسحٰق بن ابراہیم، آدم بن ابی ایاس، ابوالیمان الحکم بن نافع، حیوۃ بن شریح، اور وہاں کے معاصرین سے تکمیل کی،

مصر پہنچے، اور عثمان بن صائغ، سعید بن ابی مریم، عبداللہ بن صالح، احمد بن صالح، احمد بن شبیب، اصبغ بن الفرج، سعید بن ابی عیینہ، سعید بن کثیر بن عفیر، یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر اور ان کے اقران سے تکمیل کی،

جزیرہ کا سفر کیا، اور احمد بن عبدالملک الحرانی، احمد بن یزید الحرانی، عمرو بن الخلف، اسماعیل بن عبداللہ الرقی وغیرہ سے استفادہ کیا،

خراسان کے اقطاع میں مرو، بلخ، ہرات، نیشاپور، رے، جبال خراسان یہ سب امام بخاری کی قدیم رحلت گاہیں، اور بخارا کے مضافات سمرقند اور تاشقند وغیرہ یہ تو امام بخاری کے وطن ہی ہیں۔

مرو میں علی بن حسن بن شقیق، عبدان، محمد بن مقاتل اور ان کے اقران سے حدیثیں لیں۔

دین سمجھا جانے لگا، اس کے خلاف کرنے والوں سے مزاحمت کی جاتی، اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بمقابلہ بغداد خراسان کو گویا مادی نااس سے خارج کیا، ۱۲ تفیہیم المہمل۔

بلخ میں مکی بن ابراہیم یحیی بن بشر محمد بن ابان حسن بن شجاع یحییٰ بن موسےٰ قتیبہ اوران کے معاصرین سے امام بخاری نے زیادہ روایتیں لیں۔

ہراۃ میں جاکر احمد بن ابی الولید الحنفی سے اور نیشاپور میں یحیی بن یحیی بشر بن الحکم اسحٰق بن راہویہ محمد بن رافع اوران کے اقران سے استفادہ کیا

رے میں ابراہیم بن موسیٰ سے، واسط میں حسان بن حسان حسان بن عبدالصمد سعید بن عبداللہ اوران کے اقران سے تحصیل کی۔

اس مختصر سی تفصیل کے بعد حاکم جیسے محدث لکھتے ہیں:۔

فقد رحل البخاری الی ھذہ البلاد المذکورۃ فی طلب العلم واقام فی کل مدینۃ علی مشائخھا قال وانما سمیت من کل ناحیۃ جماعۃ من المتقدمین لیستدل بہ علی عالی اسنادہ	امام بخاری ان تمام شہروں میں طلبِ علم کے لئے گئے اور وہاں اقامت کی، میں نے تو صرف ان کی سند عالی کی دلیل کے طور پر کچھ متقدمین کے نام گنائے ہیں۔

خطیب بغدادی کے الفاظ یہ ہیں:۔

رحل البخاری الی محدثی الامصار وکتب بخراسان والجبال ومدن العراق کلھا وبالحجاز والشام ومصر وورد بغداد دفعات۔	امام بخاری نے ان تمام شہروں کے محدثین کی طرف سفر کیا، اور خراسان وجبالِ خراسان اور عراق کے تمام ملکوں اور حجاز وشام ومصر میں حدیثیں لکھیں، بغداد متعدد دفعات گئے۔

جعفر بن محمد بن حطان کہتے ہیں، میں نے امام بخاری کو فرماتے سنا،

کتبت عن الف شیخ من العلماء	ایک ہزار سے زاید اساتذہ سے میں

وزیادۃ ولیس عندی حدیث   نے حدیثیں لکھیں اور بغیر سند کے کوئی
الا ذکرا سنادہ[1]   حدیث یاد نہیں رکھتا

مؤرخین نے اس زیادتی کی مقدار اتنی بتائی ہے، جس میں حسب بیان علامہ
کرمانی صحیح بخاری میں ۲۸۹ شیوخ ہیں، اور پہلا طبقہ علمائے تبع تابعین کا ہے لیکن
یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے، کہ امام بخاری فرمایا کرتے، کہ میں نے انہیں شیوخ سے
حدیثیں لی، جو ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل تھے، اور اعمال کو جزو ایمان کہتے
تھے، جیساکہ صحابہ سے لے کر علمائے تابعین کا خیال تھا،

تاج الدین سبکی طبقات کبری میں امام صاحب کی رحلتوں میں جزیرہ جانے
کی نفی کرتے ہیں، اور یہ لکھتے ہیں، کہ امام بخاری جزیرہ کے شیوخ سے بواسطہ روایت
کرتے ہیں، لیکن علامہ موصوف کا یہ قول امام نودی اور حافظ ابن حجر کی تحقیق کے
خلاف ہے۔

علل حدیث کی شناخت میں کمال

محدثین کی اصطلاح میں علت حدیث کہتے ہیں ان وجوہات اور
اسباب کو جو نہایت خفی اور غامض ہوتے ہیں، ساتھ اس کے حدیث کی صحت اور
قبولیت میں قادح ہوتے ہیں، حالانکہ حدیث ظاہر میں ہر طرح صحیح اور سالم ہوتی ہے
یہ علم علوم حدیثیہ میں نہایت دقیق اور مشکل سمجھا گیا ہے، اس کے لئے دنیا[2]
موالسید انقادر رواۃ پر عبور حاصل کرنے کے علاوہ ہر ہر راوی کے الفاظ حدیث اور

---

[1] مقدمہ فتح الباری ۱۲   [2] فتح المغیث ۱۲

حدیثوں کا احاطہ بھی ضروری ہے محدثین بالاتفاق کہتے ہیں:۔

ومعرفۃ هذا من اغمض انواع	یعنی یہ علم نہایت غامض اور ادق اور بڑا
العلوم وادقها واشرفها وانما	شریف ہے، اس فن میں کلام کرنے کی
یتمکن من اشکام فیہ اهل الحفظ	قدرت انہیں محدثین کو ہے، جن کی سمجھ
التام والفهم الثاقب والخبرۃ	روشن تھی، جن کی قوت حافظہ میں کمال
الکاملۃ ولهذا لم یتقید للتکلم	تھا، جن کو خبرت کاملہ تھی، جیسے علی بن
فی هذا النوع الا جمع قلیل من	مدینی، امام احمد، امام بخاری، امام ابوزرعہ
المحدثین کعلی بن مدینی واحمد	اور حبان کے ہم پایہ تھے۔

والبخاری وابی زرعۃ ومن حذا حذوهم[1]

حاکم کہتے ہیں، حدیث کی تعلیل میں تین مجموعی قوتوں کا کمال ہے الحفظ والفہم، والمعرفۃ اس فن کا اور علوم حدیثیہ سے اعلیٰ واشرف ہونا اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے، کہ علی بن مدینی فرمایا کرتے، مجھے کسی حدیث کی علت معلوم ہو جانا، اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے، کہ میں ایسی بیس حدیثیں لکھوں، جو مجھے معلوم نہ ہوں

حقیقت امر یہ ہے، کہ جو حدیث ظاہر میں موصول معلوم ہوتی ہو، اس کے چھپے ہوتے ارسال وانقطاع کو جاننا، یا ظاہر میں مرفوع ہے لیکن یہ پتہ لگانا کہ در اصل یہ حدیث موقوف ہے، فلاں راوی نے مرفوع کر دیا ہے، یا کسی حدیث کا دوسرے میں اختلاط کا پتہ لگانا، یا کسی راوی کے وہم کو معلوم کر لینا نہایت مشکل

---

[1] شرح جرجانی ۱۲ [2] فتح المغیث ۱۲

امر ہے، رواۃ کے موالید، وفیات، تاریخی واقعات، سلسلہ شاگردی استاذی، رواۃ کی رحلت، ان کی سکونت، شاگرد، استاذ کا لقاء وعدم لقاء، ایک حدیث کی متعدد سندوں کا پتہ، جب تک ان امور میں مہارت تام نہ ہو کسی طرح اس فن میں دخل نہیں ہو سکتا،

امام بخاری نے بڑی دستگاہ جس فن میں حاصل کی، وہ علل حدیث کی واقفیت ہے، حافظ احمد بن حمدون کہتے ہیں کہ مجھے عثمان بن ابی سعید بن مروان کے جنازہ میں امام بخاری کے ساتھ شرکت کا اتفاق ہوا، میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی کو جو امام فن ہیں دیکھا، کہ امام بخاری پر اسماء رواۃ اور علل حدیث کے سوالات پیش کرتے ہیں، اور امام بخاری اس سرعت اور تیزی سے جواب دیتے ہیں جیسے کوئی قل ھو اللہ احد کی سورہ پڑھتا ہو،

ابو احمد اعمش کہتے ہیں کہ میں ایک روز نیشاپور میں محمد بن اسمٰعیل کی خدمت میں حاضر تھا، کہ امام مسلم آئے، اور انہوں نے ایک معلق حدیث کے ابتدائی الفاظ پڑھ کر یہ سوال پیش کیا، کہ آپ کے پاس اس حدیث کی سند ہو، تو آپ اس معلق حدیث کو متصل کر دیجئے، اور حدیث کا بھی صرف اشارہ کر دیا، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں عبید اللہ بن عمر عن ابی الزبیر عن جابر قال بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سریۃ ومعنا ابو عبیدۃ الحدیث بطولہ عبید اللہ بن عمر تابعی ہیں، ان کے نیچے کے رواۃ کا تذکرہ سوال میں چھوڑ دیا گیا، گویا اس سوال کے مقاصد یہ تھے، آیا امام بخاری کو اس حدیث کا علم ہے یا نہیں اگر ہے تو ان کے پاس اس کی سند بھی ہے یا نہیں، اگر سند بھی ہے، تو معلل یا صحیح، اگر معلل

لہ، ص۳ مقدمۃ الفتح

ہے، توامام بخاری کو اس کی علت کا علم ہے یا نہیں، امام صاحب نے اسی وقت اس طرح حدیث کو مسند اور متصل الاسناد پڑھ دیا حدثنا ابن ابی ادیس حدثنی اخی عن سلیمان بن بلال عن عبید اللہ فذکر الحدیث بتمامہ

اسی مجمع کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے، کہ ایک شخص نے ایک حدیث مع سند پڑھی (حجاج بن محمد عن ابن جریج عن موسی بن عقبۃ عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کفارۃ المجلس اذا قام العبد ان یقول سبحنک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک امام مسلم نے یہ حدیث سنکر امام بخاری کو مخاطب کرکے عرض کی، کیا اس حدیث کی سند اس سے بڑھ کر دنیا بھر میں ہے؟ امام بخاری نے فرمایا:۔

"نعم لکنہ معلول" ہاں سند تو اچھی ہے، لیکن معلول ہے

امام مسلم سننے کے ساتھ ہی کانپ اٹھے، اور کہا لا الہ الا اللہ آپ مجھے اس کی علت بتادیجئے، امام بخاری نے فرمایا:۔

"استر ما ستر اللہ" جس پر اللہ نے پردہ ڈالا، تم بھی اس پر پردہ ڈالو۔

یہ حدیث شاندار ہے، لوگ ایسے ہی (عن حجاج بن محمد عن ابن جریج عن موسی بن عقبۃ عن سہیل بن ابی صالح) روایت کرتے ہیں، امام مسلم نے دوبارہ لغایت لجاجت

۱؎ مقدمہ فتح الباری ۱۲ ؎ محدثین کا قاعدہ تھا، کہ علوم حدیثیہ کی باریکیاں بآسانی نہیں بتاتے تھے، جب تک طالب کا شوق اور گرویدگی درجہ کمال کو نہ پہنچ جائے، بالخصوص جب کہ طالب کے شوق کا اندازہ کرنا مقصود ہوتا، ایک بار ایک محدث نے اپنے شاگرد سے ایک حدیث بیان کی، تو فرمایا، لو ہم نے تم کو بآسانی بتادیا ۱۲ صحیح بخاری ۱۲

امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دے کر اس حدیث کی علت کا سوال کیا، اور قریب تھا کہ رونا شروع کریں، امام بخاری نے درخواست منظور کر لی، اور فرمایا:۔

اکتب ان کان ولابد — اگر ضروری سمجھتے ہو تو اس حدیث کی سند غیر معلول لکھو۔

امام صاحب نے اپنی غیر معلل سند سے اس حدیث کو یوں روایت کیا،

حدثنی موسی بن اسمٰعیل حدثنا وهیب حدثنا موسی بن عقبة عن عون بن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کفارة المجلس الحدیث

امام مسلم نے اس سند کو سن کر فرمایا:۔

لا یبغضک الا حاسد واشهد ان لیس فی الدنیا مثلک — یعنی آپ سے وہی شخص بغض رکھے گا، جو آپ کا حاسد ہے، اور میں شہادت دیتا ہوں، کہ آپ جیسا آج دنیا کے پردہ پر کوئی نہیں۔

احمد بن حمدون قصار[1] اس واقعہ میں اس قدر زاید بیان کرتے ہیں، کہ امام مسلم نے جب یہ سند (ابن جریج عن موسی بن عقبة عن سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرة) امام بخاری کے سامنے پیش کی، تو امام صاحب نے اس معلول سند کا سلسلہ دو طریقوں سے (۱) محمد بن سلام حدثنا مخلد بن یزید اخبرنا ابن جریج (۲) احمد بن حنبل و یحیی بن معین قالا حدثنا حجاج بن محمد عن ابن جریج بیان کر کے فرمایا الا انه معلول یعنی گو کہ ابن جریج تک اس سند کے طرق مسند ہیں لیکن پھر بھی یہ حدیث معلول ہے

امام مسلم نے اور زیادہ اصرار کیا، کہ ضرور اس سند کی علت پر مجھ کو آگاہی ہونی چاہیئے، امام صاحب نے سکوت فرمایا، لیکن جب امام مسلم کا شوق اور شوق کے

[1] مقدمہ فتح الباری ۱۳

ساتھ اصرار حد سے متجاوز ہو چلا، تو امام صاحب نے اس سند کی علت اس طرح بیان کی کہ موسیٰ بن عقبہ کی کوئی حدیث سہیل سے مسند نہیں آئی کسی راوی نے غلطی سے اس کو مسند مرفوع کردیا ہے، درحقیقت اس سند سے یہ حدیث موقوف آئی ہے پھر اس کا موقوف ہونا ذیل کی دوسری سند سے ثابت کیا حدثنا موسی بن اسماعیل حدثنا وھیب قال حدثنا سھیل عن عون بن عبد اللہ قوله یعنی یہ امر بسند صحیح ثابت ہے، کہ سہیل نے عبداللہ بن عون کا قول روایت کیا ہے (کسی نے غلطی سے اس کو مرفوع روایت کردیا)

امام بخاری کے اس غامض اور دقیق فن (علل حدیث) میں کمال دستگاہ رکھنے پر امام ترمذی کی وہ شہادت کافی ہے، جو انہوں نے اپنی بیش بہا تصنیف کتاب العلل میں دی ہے

امام ترمذی لکھتے ہیں، کہ جامع ترمذی میں جس قدر میں نے حدیثوں کی علتیں بیان کی ہیں، یا رجال یا تاریخ میں کلام کیا ہے، اکثر حصہ اس کا امام بخاری کی تاریخ سے لکھا ہے، اور زیادہ تر علل میں نے خود اپنے استاذ بخاری سے بالمشافہہ سیکھے ہیں، ہاں بعض بعض علتیں امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی اور ابو زرعہ سے بھی سیکھیں لیکن زیادہ تر امام بخاری ہی سے، دارمی اور ابو زرعہ سے بہت کم امام ترمذی فرمایا کرتے

لم ار احدا اعلم بالعلل والاسانید من محمد بن اسماعیل البخاری	میں نے علل اور اسانید میں امام بخاری سے بڑھ کر ماہر کسی کو نہیں دیکھا[۳]

ایک دفعہ امام بخاری شیخ وقت علامہ فریابی کی مجلس میں موجود تھے شیخ نے

---

[۱] مقدمہ فتح الباری ۱۲ [۲] کتاب العلل صفحہ ۳۴۵ - [۳] مقدمہ فتح الباری ۱۲

ایک حدیث بیان کی جس کی سند یہ تھی (سفیان عن ابی عروہ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ) حاضرین مجلس سے کسی نے بھی سفیان کے اوپر کے راویوں کو نہیں سمجھا، اس لئے کہ سب کنیت کے ساتھ مذکور تھے، امام بخاری نے اسی وقت عرض کیا، "ابو عروہ" معمر بن راشد" ہیں، "ابو الخطاب" قتادہ بن دعامہ" ہیں، "ابو حمزہ" انس بن مالک" ہیں، یہ کہہ کر عرض کیا، کہ سفیان ثوری کا قاعدہ ہے، کہ مشہور راویوں کو کنیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔[1]

جرح رواۃ میں احتیاط

کسی راوی پر جرح کرنا نہایت خطرناک امر ہے، اسی واسطے صوفیوں کی ایک بڑی جماعت اس کو سخت معیوب جانتی ہے، لیکن یہ ان کی سادہ لوحی ہے، کیونکہ ضرورت کے وقت اگر سچا عیب دیانت کے ساتھ نہ کہہ دیا جائے، تو دنیا سے عدل وانصاف اٹھ جائے، اور دنیا سخت مظالم میں گرفتار ہو جائے، پس جس طرح عیوب پر پردہ ڈالنا ہمارا فرض ہے، اسی طرح دیانت کے ساتھ ضرورت کے وقت سچا عیب ظاہر کرنا بھی ضروری ہے، جن لوگوں نے جرح سے کنارہ کشی اختیار کی، اور لوگوں کو روکا، وہ لوگ جرح کو غیبت میں داخل کرتے ہیں، اور آیت لا یغتب بعضکم بعضا پڑھتے ہیں، اور کبھی اس جملہ کا اعادہ کرتے ہیں اعراض الناس حفرۃ من حفر النار وقف علیها المحدثون والحکام[3] یہ خیال ایک حد تک صحیح ہو سکتا ہے لیکن یہ سب اسی

---

[1] مقدمہ فتح الباری ۱۲ [2] الطبقات الکبریٰ ۱۲ [3] لوگوں کی آبرو جہنم کا گڑھا ہے جس پر حکام اور محدثین کھڑے ہیں ۱۲

کو ذات کے لئے ہے، جب کوئی شخص بلا وجہ بلا ضرورت اور بلا اجازت شریعت ایسا کرے لیکن جب ضرورت شرعی داعی ہو تو محمود ہے نہ مذموم، جب ہم دیکھتے ہیں، کہ قطع نظر ان لوگوں کے جن کو مسلمانوں سے بغض اور عداوت ہے مسلمانوں ہی کی ایک جماعت جو بظاہر نہایت پارسا اور صوفیوں کے رنگ میں تھی، نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرنا ثواب جانتی تھی، عبدالکریم وضاع نے باوجود مسلمان ہونے کے خود تسلیم کیا کہ چار ہزار حدیثیں اس کے موضوعات سے ہیں۔

وضع کے بعد تساہل، غلط فہمیاں، بے احتیاطیاں، توہمات، قلت حافظہ ہے، تو اگر محدثین ان کا واضع ہونا، متساہل ہونا بے احتیاط ہونا ضعیف الحافظہ، غیر عادل ہونا، کاذب ہونا، واہم ہونا نہ بیان کرتے، تو آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح اقوال اور آپ کی سچی حدیثوں کا نیز صحابہ و تابعین کے صحیح آثار کا پتہ چلنا امر محال تھا حاملین حدیث نے اس کی علت خود بیان فرمائی ہے،

وجوز ذلك صيانة للشريعة فانه لو لم يجز لما تميز الصادق من الكاذب والفاسق من العادل والمغفل من الضابط واختلطت الاحاديث الصحيحة بالسقيمة وقامت الملاحدة والزنادقة من كل جانب للافساد في الشريعة وقد قال الله تعالى يا ايها الذين امنوا ان جاءكم فاسق بنبا فتبينوا

جرح رواۃ شریعت کی حفاظت کے لئے جائز رکھی گئی ہے، کیونکہ اگر جرح و قدح رواۃ جائز نہ ہو تو جھوٹا سچے سے فاسق عادل سے، بیدار مغز غافل سے، قوی الحافظہ ضعیف الحافظہ سے متشدد متساہل سے الگ نہیں ہو سکتے، اور احادیث صحیح غیر صحیحہ سے مل کر گڈمڈ ہو جاتیں، اور ملحد و زندیق لوگ ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوتے، اور دین میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو جاتا خود اللہ پاک نے

۱ے شرح جرجانی ۱۲ ۲ے سورہ حجرات ۱۲

جب دنیاوی معاملات میں واشھدوا ذوی عدل منکم کا حکم ہے تو دینی معاملات جو نہایت خطرناک ہیں، ان کے لئے کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے

جرح رجال کی بنا اگرچہ[1] اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں پڑ چکی تھی، اور خوارج وروافض وغیرہ پیدا ہو چکے تھے، حدیثوں کے لینے میں احتیاط شروع ہو گئی تھی، خود صحابہ سے بہت سی جرحیں ثابت ہیں لیکن اس وقت تک سلسلہ حدیث میں زیادہ وسائط پیدا نہیں ہوئے تھے، اس لئے چنداں ضرورت نہ ہوئی آگے چل کر وسائط بڑھے، اور ہوی پرست فرقے پیدا ہو گئے:

اس لئے اکابر تابعین حسن بصری، طاؤس، ایوب سختیانی، عبداللہ بن عون سلیمان تیمی، امام مالک، یحیی بن سعید، شعبہ وغیرہ جو ارکین فن حدیث ہیں، و نیز ان کے بعد کے محدثین، جن کا تقوی و دیانت مسلم ہے، بہ نیت ذب عن الرسول و عن الاسلام و نصیحۃ للمسلمین اس طرف متوجہ ہو گئے، رجال کی دیکھ بھال بڑی سختی سے شروع کی اور اس کے لئے اصول و ضوابط مقرر کئے. مثلاً معاصر کی جرح معاصر کے حق میں فلاں حالت میں مقبول اور فلاں حالت میں غیر مقبول ہے، وغیرہ۔

اس میں کیا شبہ ہے، کہ قرآن میں جہاں حکم دیا ہے ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا یہ بھی حکم دیا گیا ولا یغتب بعضکم بعضاً جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ضرورت اور اضطرار کے وقت جرح جائز ہے، اور جس قدر ضرورت ہو اس سے تل برابر بیش ناجائز، جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ جرح نہایت خطرناک امر ہے، جس میں نہایت دیانت، راست بازی و تقوی اور سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

---

[1] فتح المغیث شرح الفیہ ۱۲ [2] فتح المغیث ۱۲

ابن خلادؒ نے امام یحییٰ بن سعید قطان سے پوچھا کیا آپ کو ان لوگوں سے خوف نہیں ہے، جن کی حدیثیں آپ نے ترک کر دیں، کہ قیامت کے دن آپ کے فریق ہوں؟ ابن قطان نے فرمایا کہ "ان کا مدعی ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاصمت سے اچھا ہے، اگر میں باوجود علم کے کہ یہ شخص بددیانت، کاذب، متساہل ہے، روایت لوں، تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا فریق بناؤں،

امام بخاری نے جو احتیاط جرح رجال میں اختیار کی، وہ اعلیٰ درجہ کی دیانت اخلاص، تقویٰ پر دلالت کرتی ہے، جرح رجال میں ان کا طریقہ یہ ہے، کہ ایسے الفاظ سے جرح کی جائے، کہ کوئی شخص جرح کرنے والے پر مواخذہ نہ کر سکے، چنانچہ ان کی جرحیں ترکوہ، انکرہ الناس، المتروک، الساقط، فیہ نظر، سکتوا عنہ وغیرہ الفاظ کے ساتھ ہوا کرتی ہیں، وضاع، کذاب جیسے الفاظ سے جرح بہت قلیل آپ سے ثابت ہوئی، بہت سخت جرح امام بخاری کی منکر الحدیث ہے، امام بخاری کی یہ اصطلاح ہے، کہ جب وہ منکر الحدیث بولتے ہیں، تو اس سے روایت حلال نہیں ہے قال ابن القطان قال البخاری کل من قلت فیہ منکر الحدیث لا یحل الروایۃ عنہ۔

ایک دفعہ کسی نے آپ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا، جس میں تدلیس کے ہونے کا گمان تھا، آپ نے فرمایا یا ابا فلان ترانی ادلس یعنی کیا تم کو گمان ہے، کہ میں تدلیس کرتا ہوں حالانکہ میں نے اسی تدلیس کے شبہ پر ایک شخص کی

۱؎ حاشیہ الفیۃ العراقی تحفۃ الباقی ۱۲ ۲؎ فتح المغیث ۱۲ ۳؎ اس حکایت کو صرف علامہ عجلونی نے الفوائد الدراری میں لکھا ہے ۱۲

دس ہزار حدیثیں ترک کر دیں، اور اسی قدر نہیں، بلکہ اس سے زائد ایک اور دوسرے شخص کی تمام حدیثوں کو نظر انداز کر دیا جس میں مجھ کو تامل (نظر) تھا، اسی واقعہ سے خیال کیا جا سکتا ہے، کہ آپ کو مواضع التہم سے کس قدر نفرت اور پرہیز تھا۔

علامہ عجلونی نے امام بخاری کے احتیاط اور تہمت کے محل سے دور رہنے کی ایک حکایت نقل کی ہے

امام صاحب کو اپنے تحصیل علوم کے زمانے میں ایک دفعہ دریا کا سفر پیش آیا، آپ جہاز میں سوار ہوئے تو آپ کے پاس ایک ہزار اشرفیاں بھی تھیں، ایک شخص نے جہاز والوں سے امام صاحب کی خدمت میں حسن عقیدت ظاہر کیا، اور آپ کے ساتھ اس نے نہایت خلا ملا رکھا، اس خدمت گذاری کی وجہ سے امام صاحب کا میلان خاطر بھی اس کی جانب ہو گیا، شدہ شدہ اس کا یہ انجام ہوا، کہ آپ نے اپنی ان اشرفیوں کی اسے اطلاع دے دی۔

ایک روز ان کا یہ رفیق سو کر اٹھا، اور رونا چیخنا، کپڑے پھاڑنا، سر پیٹنا شروع کر دیا، لوگ یہ دیکھ کر متعجبانہ حیرت کے لہجے میں پوچھنے لگے کیا ہوا؟ لوگوں کے اصرار پر اس نے کہا میرے پاس ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی تھی، وہ گم ہو گئی، لوگ کشتی والوں کے پیچھے پڑ گئے، اور ایک ایک کی تلاشی لی جانے لگی، امام صاحب نے چپکے سے آہستہ اشرفیوں کی تھیلی سمندر میں پھینک دی، شدہ شدہ امام صاحب کی بھی تلاشی لی گئی، جب کسی کے پاس سے تھیلی برآمد نہ ہوئی، تو اہل جہاز نے اس کو سخت ملامت کی۔

لوگ جہاز سے اترے، تو وہ رفیق تنہائی میں ان سے ملا، اور پوچھا کہ فرمائیے

لہ مقدمہ فتح الباری ۱۲

آپ نے اشرفیوں کی وہ تھیلی کیا کی؟ امام صاحب نے فرمایا میں نے سمندر میں پھینک دی، اس نے پوچھا، کہ آپ کے دل نے اس قدر رقم کثیر کا ضائع ہونا کیونکر گوارا کیا؟ امام صاحب نے فرمایا، کہ تمہاری عقل کہاں ہے، کیا تم نہیں جانتے، کہ میری تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی طلب میں ختم ہو گئی اور میری ثقاہت دنیا میں مشہور ہے، تو کیا میرے لئے سرقہ کا اشتباہ اپنے اوپر لینا کس طرح مناسب تھا جس دولت (ثقاہت اور اعتبار) کو میں نے تمام عمر میں حاصل کیا، اس کو چند اشرفیوں کی وجہ سے کھو دیتا؟

امام صاحب کے ایک شیخ حدیث ہیں، جن کا نام ہے مسدد امام صاحب ان کی نسبت فرماتے ہیں۔

مسدد کاسمہ مسدد لاابالی	یعنی مسدد (صاحب راستی) اسم بامسمی ہیں
ان یکون کتبی عندہ اوعندی	میری کتابیں میرے پاس رہیں، خواہ ان کے مجھے کسی طرح کا کھٹکا نہیں

اس مقولہ سے معلوم ہوا کہ کتب حدیثیہ کے استحفاظ میں اسی قدر احتیاط سے کام لیتے جس طرح اخذ روایت میں، اور ہر شخص کے پاس اپنی کتابوں کا رہنا پسند نہ فرماتے

اخلاق وعادات اور طرز معاشرت

امام بخاری کو اپنے والد علامہ اسماعیل کے ترکہ سے بڑی دولت ہاتھ لگی تھی، علامہ اسماعیل کی تجارت کوئی معمولی تجارت نہ تھی لیکن جس طرح عام تاجر دل

سلہ صحیح بخاری ۱۲ سلہ مقدمہ فتح الباری ۱۲

کا قاعدہ ہے کہ بہتیری بد احتیاطیاں اپنی غفلت یا اہل کاروں کی سستی یا غلطی سے ایسی واقع ہوتی رہتی ہیں، جن سے ایک محتاط آدمی کو پرہیز لازم ہے، اور اس طرح حاصل کردہ دولت مشتبہ خیال کی جاتی ہے، علامہ اسماعیل کی تجارت ان بد احتیاطیوں سے پاک رہی اسماعیل کا اپنی وفات کے وقت ابوحفص سے جو ان کے خاص تلامذہ میں تھے یہ فرمانا کہ میں اپنے مال میں ایک درہم بھی حرام یا مشتبہ نہیں پاتا، اور یہ سنکر ابوحفص کا چوکنا ہونا بتلاتا ہے، کہ امام اسماعیل نے معمول سے زیادہ احتیاط کی تھی، اور مواقع اشتباہ سے بہت دور رہتے تھے اسمٰعیل کا وفات کے وقت یہ کہنا اس غرض سے تھا، کہ میرا وارث (جو آیندہ تمام دنیا کا امام بننے والا تھا، اور جس کو امام المحدثین کا خطاب ملنے والا تھا) اس کو مشتبہ خیال کرکے اس سے دست برداری نہ کرے، بلکہ اپنی مشکلات میں اس سے مدد لے یہ مال بالکل طاہر اور ہر طرح طیب ہے،

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں، امام بخاری نے اس مال کو مضاربت میں[1] (جو تجارت کی ایک صورت ہے) لگا دیا تھا، اور اس طرح وہ بالکل فارغ البال ہو کر علم نبوی کی خدمت میں مصروف ہوئے، اور خدائے پاک نے ہر طرح کے استغنا سے بہرہ ور کر رکھا تھا،

مزاج میں انتہا درجہ کی مروت اور رحم دلی خدا نے عطا کی تھی، ایک دفعہ[2] ایک مضارب (شریک تجارت) پچیس ہزار درہم دبا بیٹھا، آپ کے خاص

[1] مضاربت کہتے ہیں، اس تجارت کو جس میں ایک شخص کا مال یا زر ہو، اور دوسرے کی محنت ہو، اور نفع میں حسب قرار داد نصف یا ربع یا ثلث وغیرہ کی شرکت ہو ۱۲ منہ [2] ص ۳ مقدمہ فتح الباری

عہ مقدمہ فتح الباری ۱۲

تلامذہ (محمد بن ابی حاتم وغیرہ) نے عرض کیا، کہ قرضدار آمل پہنچ گیا ہے اس سے روپیہ وصول کر لیجیئے، آپ نے فرمایا، کہ ہم کو مناسب نہیں کہ قرضدار کو پریشانی میں ڈالیں

محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں، کہ قرضدار کو ہماری اس تحریک کی خبر پہنچی، تو خوارزم چلا گیا، پھر ہم نے عرض کی (کہ اب بھی بعید نہیں ہے) آپ حکومت سے مدد لیجئے، اور گورنر کی طرف سے ایک خط حاکم خوارزم کے نام لکھوا لیجئے (قرضدار بات کی بات میں گرفتار ہو سکتا ہے، امام صاحب نے فرمایا، میں حکومت سے ایک خط کی طمع کروں گا، تو حکومت میرے دین میں طمع کرے گی، اس طرح میں حکومت کا ممنون منت بننا نہیں چاہتا، نہ اپنا دین دنیا کے عوض بیچنا چاہتا ہوں،

آخر امام بخاری کے بہی خواہوں نے بلا اطلاع آپ کے ایک خطابی سلمہ کاشانی سے (جو اس وقت آمل کا گورنر تھا) لکھوا کر قرضدار کو گرفتار کرانا چاہا، جب اس کی خبر امام صاحب کو پہنچی، تو بہت رنجیدہ ہوئے، اور فرمایا، کہ تم مجھ سے زیادہ میرے خیر خواہ نہ بنو، اسی وقت ایک خط کسی شاگرد کے نام خوارزم لکھا، کہ میرے قرضدار سے کچھ تعرض نہ کیا جائے، قرضدار خوارزم سے چھوٹا، تو مرو کا قصد کیا، لیکن دوسرے تاجروں سے مڈھ بھیڑ ہو گئی، اور حکومت کو بھی اس معاملہ کی خبر ہو گئی، حکومت کی جانب سے سختی ہوئی، تو امام بخاری کو اس کا افسوس ہوا، اور بکراہت قرضدار سے یہ طے کیا کہ پچیس ہزار میں سے سال میں دس درم دے دیا کرے، وراق کہتے ہیں، اس قرض کا آخر انجام یہ ہوا، کہ امام بخاری تک ایک حبہ بھی نہیں پہنچا،

اس تجارت (مضاربت) کی آمدنی سے سرتاسر امام بخاری کا مقصد تھا

خلق خدا کو نفع پہنچانا، جس قدر اہل علم اور طلبہ رہتے، اس سے ان کی خبر گیری کی جاتی شیوخ و محدثین کی مدد کی جاتی، مہینے میں اپنی آمدنی کا پانسو درہم فقرا اور مساکین محدثین اور طلبہ پر صرف کرتے، طلبہ کے قلوب علوم نبویہ کی تحصیل کے لئے پرچاتے اہل علم کے ساتھ کثیر الاحسان رہتے، کھانے پینے کے تکلفات اور عیش پسندی سے بہت دور رہتے، جفاکشی کی عادت طبیعت ثانیہ بن گئی تھی

محمد بن ابی حاتم امام بخاری کے کاتب کہتے ہیں، کہ ایک بار طالب علمی کے زمانہ میں آدم بن ابی ایاس کے پاس جانے میں راہ خرچ چوک گیا، تو کئی روز گھاس کی پتیاں کھا کر گذار دیئے، اور مطلق کسی کو نہ اس کی خبر کی نہ سوال کیا۔

ابوالحسن یوسف بن ابی ذر بخاری کہتے ہیں، کہ ایک دفعہ امام بخاری علیل ہو گئے، ان کا قارورہ طبیبوں کو دکھایا گیا، طبیبوں نے قارورہ دیکھ کر کہا، یہ قارورہ ان درویشوں کے قارورہ سے مشابہ ہے، جو روٹیوں کے ساتھ نانخورش کا استعمال نہیں کرتے، اور جن کا گذران صرف خشک روٹیوں پر ہے، علاج بھی بالاتفاق یہی تجویز ہوا، کہ ان کو روٹیوں کے ساتھ نانخورش دیا جائے، آپ سے پوچھا گیا، تو معلوم ہوا کہ چالیس برس سے نانخورش نہیں کھایا ہے، عرض کیا گیا، کہ اطبا نے آپ کے علاج میں نانخورش تجویز کیا ہے، آپ نے یہ سنکر علاج سے انکار کر دیا، ان کے شیوخ اور دیگر اہل علم نے مجبور کیا، تو روٹیوں کے ساتھ شکر کھانی منظور کی،

حقیقت امر یہ ہے کہ جو شخص احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دھن میں یوماً بجرد دی و یوماً بالعقیق ہو، اس کو کھانے اور پینے کے تکلفات سے کیا تعلق

لہ، ۲ہ مرقاۃ شرح مشکوۃ ۱۲، ۳ہ، ۵ہ طبقات کبری ۱۲

کبھی جبال خراسان میں دکھائی دے رہا ہے، تو کبھی کوہ لبنان پر مقیم ہے کبھی بصرہ کا سفر درپیش ہے، تو کبھی کوفہ میں درس دیتا نظر آتا ہے، کبھی مسجد نبوی میں بین المحراب والمنبر صحیح حدیثوں کا مجموعہ تیار کر رہا ہے، کبھی کسی شیخ کے پاس جانے میں خرچ چوک گیا ہے، تو بھوک کی تکلیف کو جنگل کی پتیوں سے دفع کرتا ہے، اور تین روز متواتر گھاس پات پر گذارہ کر کے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے کا شرف حاصل کرتا ہے، جو ان کو غزدہ ذات الخبط[1] میں پیش آیا تھا، کبھی مجلس درس میں کئی روز تک دکھائی نہیں دیتا، تفتیش کرنے پر معلوم ہوتا ہے، کہ بجز لنگی سارے کپڑے فروخت ہو چکے ہیں، حیا نے دامن پکڑ رکھا ہے، اس لئے حجرے سے باہر نکلنا مشکل ہے، کبھی مسافر خانہ کی تیاری میں معماروں کے آگے اینٹیں اور گارہ پہنچانے میں مشغول ہے، منع کرنے پر ھذا الذی ینفعنی کہہ رہا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کا شوق دل میں جوش زن ہے، جو مسجد نبوی کی تیاری اور غزدہ احزاب کے روز خندق کھودنے میں پیش آیا، جن موقعوں میں خود بنفس نفیس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کل صحابہ رضی اللہ عنہم مٹی اور پتھر کے اٹھانے میں مشغول تھے، اور جوش مسرت میں فرماتے ؎

ھذا الحمال، لا حمال خیبر ھذا ابر ربنا واطھر

یہ بوجھ جس کو ہم اٹھاتے ہیں، خیبر کے خرموں اور کھجوروں کے بوجھ نہیں ہیں، خدا کی قسم یہ

---

[1] غزدہ ذات الخبط کو غزدہ سیف البحر بھی کہتے ہیں، ایک چھوٹا سا لشکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے ساحل کی طرف زیر ماتحتی ابوعبیدہ بن الجراح بھیجا تھا، اس لشکر کو اس سفر میں دیر لگ گئی، رسد ختم ہو گئی، تو درخت کی پتیوں پر گذارہ کرنے لگے ۱۲ صحیح بخاری

بوجھ اس سے کہیں زیادہ اچھے اور نفع بخش ہیں

کبھی واعدوالھم ما استطعتم بہ من قوۃ ومن رباط الخیل کی تعمیل میں مستغرق ہے، اور تیر اندازی کی مشاقی کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں جارہا ہے، کبھی نماز کے اندر کسی آیت یا سورہ کے پڑھنے میں اس قدر شغف[1] ہے کہ موذی جانور کے نیش زنی کی حس تک نہیں، فراغت پانے پر دیکھا جاتا ہے تو نیش کا اس قدر ضرب ہے، کہ نیش زدہ عضو متورم ہو گیا ہے،

مزاج میں خدا ترسی بہت تھی، اسی طرح رحم دلی، انصاف پسندی یہ سب اوصاف گویا خلقی تھے، عبداللہ بن محمد الصیارفی کہتے ہیں، کہ میں ایک دفعہ محمد بن اسماعیل (امام بخاری) کی خدمت میں ان کے مکان پر حاضر تھا، آپ کی لونڈی آئی اور آپ کی طرف سے نکل چلی، اس کے پاؤں کی ٹھوکر سے دوات الٹ کر روشنائی گر گئی، امام بخاری نے غصہ سے فرمایا، کیف تمشین، کس طرح چلتی ہے، شوخ لونڈی نے جواب دیا، اذا لم یکن طریق کیف امشی، راستہ نہ ہو تو کیوں کر چلوں، امام صاحب یہ جواب سنکر بجائے غصہ ہونے کے فرماتے ہیں جا میں نے تجھے آزاد کر دیا، صیارفی کہتے ہیں میں نے عرض کیا اغضبتک یا ابا عبد اللہ آپ کو تو اس نے غصہ لانے کی بات کی، آپ نے بجائے غصہ کرنے کے آزاد کر دیا امام صاحب نے فرمایا رضیت نفسی بما فعلت جو اس نے کیا میں نے اپنے نفس کو اس پر راضی کر لیا، گویا امام بخاری نے بجائے لونڈی کی تنبیہ کرنے کے

---

[1] اسید بن حضیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی ہیں، غزوہ تبوک کی واپسی میں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا تھا ۱۲ [2] مقدمۃ الفتح ۱۲

اپنے نفس کی تنبیہ کی،

ایک دفعہ ابوحفص نے جو امام بخاری کے والد (اسماعیل) کے تلمیذ خاص تھے، کچھ مال امام بخاری کی خدمت میں بھیجا، بعض تاجروں نے شام کو آکر پانچ ہزار نفع دے کر خریدنا چاہا، امام صاحب نے فرمایا، آج آپ تشریف لے جائیں میں صبح اس کی بات پختہ کروں گا، صبح ہوئی، تو دوسرے تاجر پہنچے، انہوں نے بجائے پانچ ہزار کے دس ہزار نفع دے کر خریدنا چاہا، امام صاحب نے پچھلے تاجروں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا، کہ میں نے بوقت شب اس تاجر کو جو میرے پاس آیا تھا، مال دینے کی نیت کر لی تھی، چنانچہ وہ مال پہلے تاجر کے حوالہ کر دیا، اور پانچ ہزار کے اضافہ کی مطلق پروا نہ کی، اور فرمایا لا احب ان انقض نیتی میں اپنی نیت توڑنی پسند نہیں کرتا، اصل غرض یہ تھی نفس کو ایثار پر مستعد رکھنا، اور مال کی محبت سے، جو نہایت مذموم صفت ہے دور رکھنا، کہ ع آخر ایں صفرا بسودا می کشد

حفص بن عمر الاشقر کہتے ہیں، کہ ہم لوگ بصرہ میں حدیث لکھتے تھے، ہمارے ساتھ امام بخاری بھی کتابت حدیث میں شریک تھے، امام بخاری کو ہم نے کئی روز کتابت حدیث میں شریک نہ پایا، تلاش کی، تو اپنے حجرہ میں عریاں ملے، دریافت کرنے سے معلوم ہوا، کہ خرچ بالکل چوک گیا ہے، بدن کے کپڑے بھی فروخت ہو چکے ہیں، بالآخر ہم نے چندہ کیا، اور آپ کے لئے پارچے تیار کرائے، تو اس وقت سے ہمارے ساتھ کتابت میں شریک ہوئے" ایسی حالت گذر جانے پر بھی کسی سے اپنی حاجت پیش نہ کی (تونگری بدل است نہ بمال) ۔

ایک روز ابو معشر ضریر (نابینا) سے فرمایا" اے ابو معشر مجھے معاف کر دو"

لہ ص ۲ ، ص ۳ مقدمۃ الفتح ۱۲

بو معشر نے متحیر ہو کر پوچھا صاحب یہ کیا؟ اور کس بات کی معافی؟ امام بخاری نے کہا کہ آپ نے ایک روز ایک حدیث بیان فرمائی تھی، میں نے آپ کو دیکھا، کہ آپ بہت خوش ہیں، اور فرط مسرت سے سر اور ہاتھوں کو ہلا رہے ہیں، یہ دیکھ کر مجھے مسکراہٹ آگئی تھی" ابو معشر نے عرض کیا" انت فی حل رحمک اللہ" آپ پر خدا رحم کرے آپ سے کسی طرح کی باز پرس نہیں'

ایک[1] دفعہ ایک شخص نے مسجد میں آپ کی ریش مبارک سے ایک تنکا نکال کر وہیں مسجد میں ڈال دیا، جب تک لوگ آپ کی خدمت میں حاضر رہے اور باتیں کرتے رہے، آپ کی نگاہ برابر اس تنکے کی طرف تھی، لوگوں کی نظر بچا کر آپ نے وہ تنکا اٹھا کر آستین میں رکھ لیا اور مسجد سے باہر ڈال دیا، یہ آداب مسجد اور اس کا احترام ہے، جس چیز سے داڑھی ستھری صاف اور محفوظ رکھی جائے، اس سے مسجد کو بھی صاف رکھنا چاہیے۔

✓ مزاج میں بہت بڑی احتیاط تھی غیبت سے نہایت کنارہ کش رہتے فرماتے "ما اغتبت منذ علمت ان الغیبۃ حرام" یعنی جب سے مجھے علم ہوا کہ غیبت کرنی حرام ہے اس وقت سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔

فرماتے تھے، کہ مجھے امید ہے، کہ میرا کوئی خصم (مدعی) قیامت کے دن نہ ہوگا، وراق کہتے ہیں، میں نے کہا آپ پر لوگ تاریخ کے بارے میں دھبہ لگاتے ہیں کہ اس میں لوگوں کی غیبت ہے۔ اور غیبت حرام ہے، آپ نے فرمایا، تاریخ میں جو کچھ ہے متقدمین کے اقوال منقول ہیں ولہ نقلہ من عند انفسنا ہم نے اپنی جانب

---

1. مقدمۃ الفتح ۱۲ 2. الطبقات الکبری و مقدمۃ الفتح ۱۲

سے کوئی بات نہیں کی

امام صاحب کا ایک بے نظیر وصف ان کی بے تعصبی ہے، جب ہم صحیح بخاری کا مطالعہ کرتے ہیں جو امام صاحب کی ایک ایسی تالیف ہے، جس میں انتہا سے زیادہ احتیاط اور تشدد برتا ہے، اسی احتیاط کا ایک انتہائی درجہ یہ تھا، کہ صحت کے یقین ہونے پر بھی استخارہ کے بعد جامع صحیح میں حدیث کو داخل کرتے تو جامع صحیح کی سندوں میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں، جو مذہب اہل سنت کے خلاف تھے، امام صاحب نے ان سے روایت کرنے میں کچھ تامل نہیں کیا، اگرچہ خود ان کے مذہب سے اختلاف رکھتے تھے،

لیکن یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے، کہ یہ بے تعصبی اور انصاف پسندی وہیں تک محدود تھی، جہاں تک انکے روایت میں اشتباہ نہ پیدا کرتی، چنانچہ محدثین کا یہ قاعدہ ہے، کہ اہل ہوی (رافضی، خارجی، معتزلی وغیرہ) سے اسی وقت تک روایت لینا جائز ہے، جب تک وہ اپنی بدعت کی ترویج پر زور نہ دیتا ہو، اور نہ اس کے مذہب میں جھوٹ بولنا جائز ہو، اور نہ جھوٹ کا کسی حالت میں معتقد ہو، تم دیکھو گے، ایسے راوی صحیح بخاری میں موجود ہیں، جن کی نسبت لکھا ہے رمی بالتشیع باوجود اس تہمت تشیع کے امام صاحب نے ان سے روایت اخذ کی، اور اس روایت کو صحیح بخاری میں داخل فرمایا، تم کو ایسے بھی بہت راوی کتب رجال میں ملیں گے، جن کی نسبت لکھا ہے، کہ امام بخاری نے ان سے تشیع اور رفض کی تہمت سے ترک کر دیا، بات اس میں اسی قدر ہے، کہ شیعوں کی ایک جماعت کذب کی مجوز ہی نہیں، بلکہ معتقد ہے، اسی لئے ان سے امام صاحب

نے احتراز کیا، کیونکہ ایسے لوگوں کی روایتوں پر کسی طرح اعتماد نہیں[1] ہو سکتا
جہاں جرح میں احتیاط تھی، رواۃ حدیث کے اوصاف بیان کرنے میں بھی
کمال احتیاط تھی، ان کے واقعی اوصاف اور سچی توثیق بیان کرنے میں دریغ نہ کرتے

سنن کی پابندیاں

حدیثوں کا سلسلہ سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتا ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رض جس قدر آپ کے اقوال وافعال و تقریرات
کے شیدا اور شیفتہ تھے، اس کا اندازہ قیاس سے باہر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے صحابیوں کی صحبت تابعین نے پائی اور اسی رنگ میں رنگے گئے، ان میں
بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کی قریب قریب وہی گرویدگی رہی جس کو
انہوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھی تھی، یہ سلسلہ محدثین پر چل
کر ختم ہوتا ہے، اگرچہ ہم یہ دعویٰ تو کر نہیں سکتے، کہ آپ کے صحابیوں میں جس قدر شیفتگی

---

[1] چنانچہ شیعوں کی ایک بڑی جماعت کذب کو عین ایمان جانتی ہے، وہ کتاب جس سے بڑھ کر شیعوں کے یہاں معتبر کتاب نہیں ہے (اصول کافی) اس میں اس قسم کی روایات موجود ہیں جن میں ائمہ شیعہ نے عملاً کذب کی تعلیم کی، جہاں کسی طرح کا خوف وہراس نہیں تھا، بلکہ شیعوں کے اصول میں اختلاف روایات ائمہ کی تطبیق کا ایک بہت بڑا چلتا ہوا قاعدہ (ہذا محمول علی التقیہ) ہے جس سے کسی روایت پر اعتماد نہیں ہو سکتا، ہر بوالہوس اپنی ہوس کی پابندی میں جس روایت کو اپنی خواہش کے خلاف پائے گا، بول اٹھے گا، ہذا محمول علی التقیۃ، چنانچہ استبصار میں شاید ہی کوئی ایسا مقام ہوگا، جہاں محمول علی التقیہ نہ کہا گیا ہو ۱۲ منہ

اور جوش تھا، اسی پیمانہ اور انداز کا جوش کل تابعیوں میں، اور ان کے بعد کل محدثین تک برابر قائم رہا، تاہم محدثین کو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ان پر عمل کرنے کے ساتھ ایسی ہی شیفتگی اور گرویدگی تھی جس کا بیان آج نادرات سے شمار کیا جاتا ہے، امام احمد حنبل فرماتے ہیں:۔

ما کتبت قرأت حدیثا الا عملت	یعنی کوئی حدیث میں نے ایسی نہیں پڑھی جس
به حتی مربی ان النبی صلی اللہ	پر میں نے عمل نہیں کیا، حتی کہ جب میں نے
علیہ وسلم احتجم واعطی الحجام	یہ پڑھا، کہ آپ نے پچھنی لگائی اور حجام کو
دینارا فاحتجمت واعطیت الحجام	ایک اشرفی دی، تو میں نے بھی پچھنی لگائی، اور
دینارا۔ (تدریب)	حجام کو ایک اشرفی دی۔

وکیع بن جراح ایک بڑے پایہ کے محدث تھے، وہ فرمایا کرتے:۔

اذا اردت ان تحفظ حدیثا	اگر حدیث یاد کرنا چاہو تو اس پر عمل
فاعمل به	کرو (تدریب)

علامہ ابراہیم بن اسماعیل محدث فرماتے ہیں:۔

کنا نستعین علی حفظ الحدیث	حدیثوں کے یاد کرنے کا ذریعہ ہم
بالعمل	عمل کو بناتے تھے،

اس لئے اصول کی کتابوں میں جہاں طالب حدیث کے آداب مذکور ہوتے ہیں، وہاں ایک ادب یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے

علامہ سیوطی تدریب میں فرماتے ہیں "طالب حدیث کو لابدی ہے کہ عبادات فضائل اعمال وآداب کے بیان میں جو احادیث سنے ان پر عمل کرے، یہ حدیث

کی زکوٰۃ ہے اور حدیثوں کے یاد ہونے کا باعث" حدیثوں کی اس عملی پابندی کی وجہ سے اور بھی محدثین کو دینی امور میں قیاس اور رائے لگانے سے نفرت اور دوری ہوتی گئی انسان کے صفحۂ دل پر "فالرای لیل والحدیث نہار" کا مضمون نقش کالحجر ہو گیا، وہ بات بات پر طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متلاشی ہوتے اور . . . کسی ایسے امر کو جس کی صحت ان کو معلوم ہوگئی، ترک کرنا نہیں چاہتے،

تیر اندازی باوجود اس کے کہ علماء کا فن نہیں ہے، لیکن چونکہ احادیث میں اس کی سنیت وارد ہے، امام بخاری تیر اندازی کی مشاقی کے لئے سوار ہوکر برابر میدان میں تشریف لے جاتے تھے، اور اس قدر مشاق ہو گئے تھے، کہ آپ کا تیر کبھی نشانہ سے خطا نہ کرتا، وراق کہتے ہیں، کہ میں نے کبھی امام بخاری کا تیر خطا کرتے ہوئے نہیں دیکھا، حالانکہ میں مدتوں ان کی صحبت میں رہا، ہاں ایک دفعہ کا واقعہ ہے، کہ ہم لوگ فربر سے تیر اندازی کے لئے نکلے، اور تیر اندازی شروع ہوئی، اتفاقاً امام بخاری کا تیر ایک پل (جو کسی نہر پر بنا ہوا تھا) کی میخ پر جا کر ایسا بیٹھا، کہ پل کو نقصان پہنچا، آپ فی الفور سواری سے اتر کر پل کے پاس تشریف لے گئے اور تیر کو میخ سے نکالا، اور ہم کو آواز دی، ہم قریب پہنچے، تو آپ نے افسوس سے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا "ابو جعفر وراق، تم اس پل کے مالک کے پاس جاؤ، اور کہو کہ ہم سے تمہارا پل خراب ہو گیا ہے، اگر تم اجازت دو، تو تمہارا پل جیسا تھا بنادیں، یا تمہاری خوشی ہو، تو ہم سے اس کی قیمت لے لو، اور ہمارا قصور معاف کر دو" پل کے مالک حمید بن الاخضر نے کہلا بھیجا، کہ "امام بخاری کو میرا سلام ہو اور عرض کر دو، کہ کچھ مضائقہ نہیں میرا کل مال اور ساری دولت آپ پر قربان ہے، آپ کچھ متردد نہ ہوں" امام بخاری

یہ سنکر نہایت بشاش ہوئے، اور اس خوشی میں انہوں نے سو درم غربا اور مساکین کو تقسیم کئے، اور پانچ سو حدیثیں روایت کیں۔[1]

شہر بخارا کے باہر ایک مہمان سرا بنوایا تھا، تعمیر کے وقت جو مزدور معماروں کو اینٹیں پہنچاتے ان میں خود امام بخاری بھی شامل تھے، اپنے سر پہ اینٹیں رکھ کر لے جاتے اور معماروں کو دیتے، ایک شاگرد نے ازراہ دلسوزی ایک روز عرض کیا، کہ آپ کو اس محنت کی کیا ضرورت ہے، امام بخاری نے فرمایا۔

یعنی الذی ینفعنی۔ یہ وہ کام ہے، جو مجھ کو نفع دے گا[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق میں اپنے ہاتھوں سے خندق کھودتے تھے بلکہ کوئی سخت چٹان نکل آتی تھی، تو آپ ہی اپنے دست مبارک سے اس کو سر کرتے اور مسجد نبوی کی تعمیر میں اپنے دست مبارک سے صحابیوں کے ہمراہ پتھر اور اینٹیں ڈھوتے عمار رضی اللہ عنہ قوی تھے، دو دو اینٹیں لے جاتے تھے، تو اس پر آپ کا پیار اور لطف خاص ہوتا، اور اس مزدوری کے کام میں کبھی کبھی جوش بڑھ جاتا تو رجز کے اشعار پڑھنے لگتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے،

اللهم لا عيش الا عيش الآخرة　　فاغفر الانصار والمهاجرة

هذا الحمال لا حمال خيبر　　هذا ابر ربنا واطهر

اور صحابیوں کے رجز یہ تھے ؎

اللهم لولا انت ما اهتدينا　　ولا تصدقنا ولا صلينا

اس رجز کے کئی اشعار ہیں، اور صحاح میں یہ واقعات بڑی تفصیل سے

---

[1] مقدمۃ الفتح ۱۲ [2] ایضا

مذکور ہیں، یہ سنت امام بخاری کیونکر چھوڑ سکتے تھے،

وراق کہتے ہیں، "جب جہانسرا طیار ہوگیا، توآپ نے دعوت مادبہ کی"

ابو عبداللہ حاکم اپنی مسلسل سند سے بیان کرتے ہیں، کہ امام بخاری رمضان میں جب لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، تو بڑی ہلکی پڑھتے، پورے مہینہ میں ایک ختم کرتے تھے، اور خود تنہا نصف شب سے سحر تک پڑھتے، اور تین روز میں ایک ختم کرتے، اور پھر صبح سے لے کر افطار کے وقت ایک ختم روزانہ کرتے، اس حساب سے کل ختم قرآن رمضان شریف کے اکتالیس ہوتے، فرمایا کرتے تھے، کہ ہر ختم قرآن پر ایک دعا قبول ہوتی ہے" اس میں کیا شک ہے، کہ رمضان کے دنوں میں قرآن نازل کیا گیا، اور شهر رمضان الذی انزل فیه القران صاف فرمادیا گیا اور یہ بھی بہ تواتر ثابت ہے، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبرئیل رمضان میں قرآن کا دور کیا کرتے تھے، اس واسطے خدا کے بندوں کو رمضان میں قرآن سے شغف بڑھ جاتا ہے،

امام بخاری کا یہ معمول ہمیشہ کا تھا، کہ پچھلی شب کو تیرہ رکعتیں نماز پڑھتے ان میں وتر ایک رکعت پڑھتے، آپ نے فرمایا کہ "میں نے دربار الٰہی میں دو باتوں کی درخواست کی، خدا نے دونوں اسی وقت منظور کرلیں، اس سے مجھے خوف ہوا، کہ ایسا نہ ہو، کہ میری مزدوریوں کا بدلہ یہیں مل جائے، اور آخرت گھاٹے میں رہے، اس لئے میں نے درخواست کرنی ترک کردی، امام بخاری کا قول ہے، کہ میں نے جب کوئی دنیا کی بات کا ذکر کیا، تو پہلے اللہ کی حمد و ثنا کرلی، اس کے بعد ذکر کیا"

لہ تاشہ یہ کل مضامین مقدمہ فتح الباری اور الطبقات الکبریٰ سے لئے گئے ۱۲

اور فرماتے تھے، کہ انسان کو ایسی حالت میں رہنا چاہیے، کہ اگر وہ دربار الٰہی میں سوال کرے تو اس کا سوال رد نہ کیا جائے" یہ ایک نہایت جامع جملہ امام بخاری کے ملفوظات میں ہے، جس کی شرح نہایت طویل ہے، خلاصہ یہ ہے، کہ حلال روزی کھانا چاہیے، سچ بولنا چاہیے، اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے، اس کے ساتھ اخلاص اور محبت پیدا کرنا چاہیے، اس سے کبھی غفلت نہ کرنا چاہیے،

طبیعت نہایت جفاکش اور محنتی واقع ہوئی تھی، جو کام خود کر سکتے تھے، کبھی اس میں دوسروں سے مدد لینا پسند نہ کرتے،

وراق کہتے ہیں کہ کتاب التفسیر لکھتے وقت رات میں پندرہ بیس بار اٹھتے اور چراغ جلا کر حدیثوں پر نشان دیتے، حالانکہ میں ان کے پاس موجود ہوتا تھا، میں نے ایک روز عرض کی، کہ آپ مجھے کیوں نہیں جگا دیتے؟ میں چراغ جلا دیا کروں، یا جو کام ہو مجھے فرمائیے، جواب میں آپ نے فرمایا۔

انت رجل شاب فلا احب ان افسد علیک نومک

تم جوان آدمی ہو، میں تمہاری نیند خراب کرنا نہیں چاہتا۔

سلاطین اور امرار کی مخالطت سے دوری

سلاطین اور امرار کی مراسلت اور مخالطت سے دور رہتے تھے، ان کی جاو بے جا خوشامدوں اور تعریفوں سے پرہیز کرتے، ان کا یہ خیال تھا، کہ ان کی صحبت میں کبھی دین میں استقامت باقی نہیں رہ سکتی، ان کی رعایت میں ایک سچا دیندار کہاں سے کہاں

لہ مقدمہ فتح الباری والطبقات الکبریٰ ۱۲ لہ تہذیب التہذیب ۱۲

کھسک جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا، تو تم آج فقہ کی کتابوں میں کا باب بیع کی اس قدر کثرت نہ پاتے، امام بخاری کا یہ اپنا اجتہاد نہ تھا، یہ حدیث نبوی ؐ کی تعمیل تھی، امام صاحب کے ملفوظات میں ہے، کہ امرا کی صحبت میں علم کی ذلت ہے، اور ان کی خوشامد میں دین کا نقصان،

سعید خالد بن احمد ذہلی سلطنت طاہریہ کی طرف سے بخارا کا گورنر تھا، اس نے امام بخاری کی خدمت میں جب امام المحدثین نے تکمیل کے بعد شہر بخارا میں مسند درس پر

لہ مشکوٰۃ کتاب العلم ۱۲ سے مقدمۃ الفتح ۱۲ سے خلفائے عباسیہ کی حکومت سب سے پہلے خراسان میں ضعیف ہوئی، یہاں ملوک طاہریہ کا ایک خاندان قائم ہو گیا، جس کا پایہ تخت نیشاپور اور بوشنج قرار پایا، ملوک طاہریہ کو خلفائے عباسیہ کا خود سر گورنر سمجھنا چاہیئے، یہ لوگ خلفائے بغداد سے منحرف نہ تھے لیکن ان کے خاندان میں پے در پے ولایت کا ہونا خاندان کی قوت کا ثبوت دیتا ہے جس سے خلفائے عباسیہ کی کمزوری ضرور لازم آتی ہے۔

ملوک طاہریہ کی بنیاد یوں پڑی، کہ طاہر بن حسین جس نے خلیفہ مامون الرشید عباسی کے بھائی امین الرشید کو قتل کیا تھا، گو بظاہر مامون کا بہی خواہ تھا، لیکن مامون اپنی عالی ظرفی کو کیا کرتا، کہ وہ اپنے بھائی کے قاتل کو کسی طرح دل سے پسند نہیں کرتا تھا، مامون نے اپنے دلی خیالات کو بہت چھپایا، لیکن طاہر پر ظاہر ہو ہی گیا، اور وہ کسی طرح خراسان کی گورنری کا پروانہ لے کر مامون کی خدمت سے الگ ہو گیا

خراسان پہنچ کر طاہر نے ایک روز مامون کا نام خطبہ جمعہ میں نہیں لیا، اور یہی ابتدائی بغاوت تھی، لیکن اتفاق سے وہ دوسرے ہی دن مر گیا، اور اس کے بعد طلحہ بن طاہر، علی بن طلحہ، عبداللہ بن طاہر، طاہر بن عبداللہ، محمد بن طاہر بن عبداللہ پے در پے یہ پانچ والی خلفائے بغداد کے حکم سے مقرر ہوتے رہے، اور برابر مطیع فرمانبردار رہے ۱۲ منہ

متمکن ہو کر درس دینا شروع کیا، اور طالبین حدیث اور شائقین علوم کی جماعت فیض یاب ہونے کے لئے جوق جوق چلی آرہی تھی، عالم میں ایک شہرت مچی ہوئی تھی) یہ درخواست بھیجی، کہ آپ حریم شاہی میں تشریف لاکر مجھے اور شاہزادوں کو صحیح بخاری اور تاریخ کا درس دیں، امام صاحب نے صاف انکار کردیا، اور دکھا دیا، کہ امام مالک جیسے علم کے قدردان اب بھی دنیا میں موجود ہیں جن کو دنیا کی مخالفت کی بالکل پرواہ نہیں، نہ زر و مال، اور دنیاوی جاہ وجلال کی طمع، جس کی معرفت درخواست بھیجی تھی امام صاحب نے اسی کے ذریعہ کہلا بھیجا، کہ میں حرم شاہی میں جاکر خوشامدی بننا نہیں چاہتا، اس میں علم کی بے قدری ہے، پھر اس نے درخواست کی، کہ بہتر اگر آپ حریم شاہی میں تشریف لانا نہیں پسند کرتے، تو شاہزادوں کے لئے خاص وقت دیں جس میں عام خلقت کی شرکت نہ ہو، آپ نے فرمایا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے، اس میں عام وخاص سب کا حق مساوی ہے، میری درس گاہ اور مسجد کا دروازہ ہر وقت اور ہر شخص کے لئے کھلا ہوا ہے، جس کو شوق ہو آکر مستفید ہو، کسی کے لئے روک ٹوک نہیں ہے، میں کبھی ایسی درخواست منظور نہیں کرسکتا، اگر ناخوش ہو، تو میرا درس بزور روک دو،

لیکون لی عند الله عذر ۔ تا مجھے خدا کے دربار میں عذر رہوا

اس صاف اور بے لاگ جواب سے والی بخارا کو سخت رنجش پیدا ہوئی اور آپ کے خارج البلد کرنے کی فکر میں ہوگیا لیکن امام بخاری کا سکہ تمام مسلمانوں پر ایسا جما ہوا تھا، کہ وہ بزور سلطنت کچھ نہ کرسکا، آخر چند لوگوں کو اس بات کے لئے مقرر کیا، کہ کوئی الزام امام صاحب پر ایسا قائم کیا جائے جس سے عام لوگوں کو آپ

بے برہمی پیدا ہوئی چنانچہ ایک جھوٹا اتہام لگا کر شہر چھوڑ دینے کا حکم دیا جس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ،

امام المحدثین کی شہرت اور مسلمانوں کا اشتیاق

امام المحدثین زمین کے جس خطہ میں تشریف لے جاتے مسلمانوں کا اس قدر ہجوم ہوتا، کہ ہمارے الفاظ اس کے بیان کے لئے کافی نہیں ہو سکتے،

لوگ ان کے فضل و کمال، بے نظیر فقاہت، خداداد حافظہ، تبحر فی العلم کے خلاف قیاس حکایات سن سنکر دیکھنے کی تمنا کرتے، جہاں پہنچتے اس قدر ہجوم ہوتا، کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی۔

تکمیل کے بعد جب بخارا کا قصد کیا، اور بخارا والوں کو آپ کی تشریف آوری کی خبر پہنچی تو سارا شہر استقبال کے لئے امڈ آیا، شہر سے باہر تین میل تک خیمے استادہ ہو گئے، کوئی آدمی قابل تذکرہ شہر میں باقی نہ رہا، شہر میں بڑی شان و شوکت سے لائے گئے، اور ان پر اشرفیاں، روپے، مٹھائیاں نثار کی گئیں

امام مسلم فرماتے ہیں، کہ جب نیشاپور والوں نے آپ کے نیشاپور تشریف لانے کی خبر پائی تو اہل شہر نے دو دو منزل تین تین منزل سے جا کر ان کا استقبال کیا اور شہر میں اس شان و شوکت سے لائے گئے، کہ امام مسلم کہتے ہیں میں نے وہ شان و تزک آج تک نہ کسی حاکم کا دیکھا، نہ کسی اہل علم کا، محمد بن منصور کہتے ہیں کہ صرف گھوڑے سوار چار ہزار تھے، پیادہ پا چلنے والوں، گدھے سواروں، خچر سواروں کا اندازہ نہ تھا[1]

[1] الفوائد الدراری ۱۲

ایک بار بغداد تشریف لے گئے، جو بنی عباس کا دار الخلافت تھا، عباسیوں کی قدردانی نے بغداد کو علوم اسلامیہ کا مرکز بنا رکھا تھا، اہل بغداد نے آپ کی شہرت سن کر ان کے کمالات علمیہ، خداداد حافظہ کی جانچ کا سامان نہایت وسیع پیمانہ پر پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔ بصرہ والوں کو ان کے بصرہ پہنچنے کی خبر معلوم ہوئی، تو ایک عجیب ہنگامہ مچ گیا۔[1]

یوسف بن موسیٰ مروزی کہتے ہیں، میں بصرہ کی جامع مسجد میں ایک بار موجود تھا، ایک نقیب کو پکارتے سنا، علم والو! محمد بن اسماعیل بخاری پہنچ گئے، لوگ ان کی تعظیم کو ٹوٹ پڑے، میں بھی لوگوں کے ساتھ ساتھ تھا، میں نے امام بخاری کو ایک نوجوان آدمی دیکھا آپ کی داڑھی کے بال بالکل سیاہ تھے، وہ ایک ستون کے پیچھے نفل پڑھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہو گئے، تو لوگوں نے گھیر لیا، اور تمام لوگوں کی ٹکٹکی بندھ گئی، اہل بصرہ نے درخواست کی، کہ آپ ہمارے لئے مجلس املا قائم کریں، آپ نے منظور فرمایا، نقیب نے دوبارہ جامع بصرہ میں پکارا، علم والو! امام بخاری سے مجلس املا کی درخواست کی گئی تھی، انہوں نے منظور کر لی ہے، کل فلاں مقام پر مجلس املا قائم ہوگی، صبح ہوتے ہی فقہا، متکلمین، محدثین حفاظ کی بڑی بڑی جماعتیں جوق جوق آنا شروع ہوئیں، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں ہزاروں، ہزار کا مجمع ہو گیا!! امام بخاری املا کے لئے منبر پر رونق افروز ہوئے قبل اس کے کہ حدیثوں کا لکھنا شروع کریں، آپ نے فرمایا:

اہل بصرہ! آپ لوگوں نے مجھ سے درخواست کی، کہ میں آپ لوگوں کے

---

[1] اس کی تفصیل آگے آتی ہے ۱۲

لئے مجلس املا قائم کردں، میں نے منظور بھی کرلیا، میں ابھی کمسن جوان ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تمہارے شہر بصرہ کی حدیثوں کو جو تمہارے پاس نہیں ہیں، بیان کردں، اس پر بصرہ والے متعجب ہوئے، اوران کا اشتیاق دوبارہ ہوگیا، نگاہیں اشتیاق میں اٹھنے لگیں، کہ آواز آئی، اور پہلی حدیث کا املا یوں شروع ہوا

حدثنا عبد الله بن عثمان بن حبلة بن رواد العتکی ببلدکم قال ثنا ابی عن شعبة عن منصور وغیرہ عن سالم بن ابی الجعد، عن انس بن مالک ان اعرابیا جاء الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال یارسول الله الرجل یحب القوم الحدیث

(اس حدیث کو لکھا کر آپ نے فرمایا) بصرہ والو! یہ حدیث تمہارے پاس منصور کے واسطے سے نہیں ہے، بلکہ دوسرے واسطے سے ہے[1]

یوسف بن موسیٰ کہتے ہیں، کہ ایک مجلس کامل آپ نے اسی طریقہ پر لکھائی، ہر حدیث کے بعد فرماتے تھے، بصرہ والو! تمہارے پاس یہ حدیث اس سند سے نہیں پہنچی، تمہارے پاس یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہے

یہ بصرہ وہ شہر ہے، جسے حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں آباد کرایا تھا، وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے نہایت ممتاز تھا، بصرہ اور کوفہ یہ دونوں شہر اسلامی علوم کے دار العلم خیال کئے جاتے تھے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے ہم پایہ کہنا، تو نہایت جسارت ہے، اور نہ ایسا ہونا کبھی ممکن ہے تاہم اسلامی علوم کے اعتبار سے یہ دونوں شہر ایک زمانہ میں بہت بلند پایہ تسلیم کئے گئے ہیں۔

[1] مقدمۃ الفتح ۱۲

علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حافظ حدیث کا لقب دیا ہے، اور ان کے مستقل ترجمے لکھے ہیں، ان میں مسرق بن الاجدع، امام حسن بصری، قتادہ، شعبہ بن حجاج، محمد بن سیرین، فنِ حدیث اور تعبیر کے امام اسی بصرہ کے رہنے والے یا نزیل تھے،

رائے وتدبیر، عقل وفراست، ذہانت وطباعی امام بخاری کے وہ مشہور اوصاف ہیں، جن کو موافق ومخالف سب نے تسلیم کیا ہے، امام قتیبہ بن سعید کہا کرتے تھے "میں نے مدتوں علماء کی خوشہ چینی کی ہے، لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا محمد بن اسمٰعیل جیسا جامع شخص نہیں دیکھا" امام بخاری اپنے زمانے میں (باعتبار عقل ودانش، فہم وفراست کے) ویسے ہی تھے، جیسے خلیفہ عمر بن الخطاب اپنے زمانہ میں"

امام بخاری کی ذہانت عموماً ضرب المثل ہے، یہاں تک کہ جب ان کا اجمالی ذکر بھی آجاتا ہے، تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کی جاتی ہے، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے تاہم اس فقرہ کو نہ چھوڑ سکے،

وکان رأساً فی الذکاء رأساً فی العلم	یعنی آپ ذکاوت اور علم میں سب سے فائق تھے،

یہ بات عموماً رائج ہے، کہ ہمارے مؤرخین تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے حالات میں ان کی تیزی ذہن، قوت حافظہ، بے نیازی، تواضع، قناعت، زہد، اتقا وغیرہ اس قسم کے اوصاف لکھتے ہیں، لیکن عقل، رائے، فراست، تدبیر،

لہ معجم البلدان یاقوت حموی ۱۲

کا ذکر نہیں کرتے، گویا یہ باتیں دنیا داروں کے ساتھ مخصوص ہیں، اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے، کہ علماء کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا" اور یہ بالکل سچ ہے، حالانکہ سچ پوچھیے، تو علماء میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے، اسلام بخلاف اور مذہبوں کے دین کے ساتھ دنیوی انتظامات کا بھی متکفل ہے۔

خلفائے اولین کے حالات پڑھو، سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانرواؤں میں کون شخص ان کا ہم پایہ کہا جاسکتا ہے؟ بس اسی خصوصیت کے اعتبار سے امام المحدثین تمام فرقوں کے علماء میں ممتاز ہیں، کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے گو سلاطین اور امراء سے کوسوں الگ رہتے، شاہی تعلقات سے انتہا درجہ متنفر رہتے تھے لیکن تمام عمارت سلطنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ قوانین آپ نے احادیث و آثار سے مستنبط کرکے بتلائے، صحیح بخاری کے وہ حصے جن میں معاملات کا بیان ہے، کتاب السیر تک غور سے پڑھو، اور باریک نگاہ سے دیکھو، حقیقت امر یہ ہے، کہ جو نکات اور اعلیٰ ترین قوانین شرعیہ امام المحدثین نے صحیح صحیح حدیثوں سے استخراج اور استنباط کرکے صحیح بخاری میں ذکر کئے ہیں، تمدن کی جان، اور سلطنت کی روح رواں ہیں

اور حق یہ ہے، کہ امام المحدثین ہی کی خداداد فقاہت کا یہ کرشمہ تھا۔

---

[1] اورنیٹل جیوگریفیکل ڈکشنری مطبوعہ لندن ۱۸۹۴ء میں ٹومس ولیم بیل صاحب لکھتے ہیں کہ امام بخاری مشہور محقق گذرے ہیں، مذہب اسلام کے متعلق ان کا مجموعہ احادیث جو صحیح بخاری کے لقب سے مشہور ہے تمام احادیث میں سب سے بڑا مستند سمجھا جاتا ہے، منقول ہے کہ تقریباً مصنف اور ان چھوٹے

ہم دیکھتے ہیں، کہ جو قومیں آج ترقی پر ہیں جن کا ستارۂ اقبال اوج پر تاباں ہے، امام المحدثین کے قوانین مستنبطہ کو گو گردا عمر سے بھی زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں، جیسے جیسے تجربہ ان کو بتاتا جاتا ہے، ان کا شغف بڑھتا جاتا ہے اور جس قدر ان قوانین کی پابندی کی جاتی ہے سلطنت پر امن ہوتی جاتی ہے اور تمدن ترقی پذیر۔

معقول و منقول میں تطبیق دینی، قوانین اسلامیہ کو قوانین عقلیہ کے مطابق کر کے دکھانا، آج اعلیٰ درجہ کا کمال سمجھا جاتا ہے، قوم کی قوم اس کی طرف متوجہ ہے علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن حزم نے اس موضوع پر مستقل تصنیفیں لکھی ہیں اسلامی میگزینوں نے تو آج اس کا ٹھیکہ لیا ہے، اور حقیقت میں یہی ایک موضوع ہے جو علم کلام کی روح رواں ہے، اور اسلام کی کمال خوبی اسی میں ہے کہ اس کے قوانین، قوانین عقل کے خلاف نہیں، امام المحدثین کو یہ موضوع ہزار برس سے بھی پہلے خیال میں آیا تھا، چنانچہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب شرح تراجم ابواب میں لکھتے ہیں:۔

وکثیرا ما یستخرج الاداب المفہومۃ بالعقل من الکتاب والسنۃ بنحو

جوم آر۔ اے۔ ایس مطبوعہ لندن ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۹ امام بخاری اور ان کی صحیح کے متعلق اسی قسم کی شہادتیں حسب ذیل کتابوں میں بھی موجود ہیں (۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اول صفحہ ۸۔۷۸۵، ۷۸ (۲) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد نہم صفحہ ۳۲۴ طبع چہارم دہم (۳) ایضاً جلد ۴ صفحہ ۷۸۔۷۷ (۴) انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۵ (۵) نووی کا مقدمہ منتخاب صحیح بخاری پر (۶) ہیوز کی ڈکشنری آف اسلام صفحہ ۲۱۲۔

من الاسناد لال والعادات الكائنة فی زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم ومثل ھذا الا یدرکہ حسنۃ الا من مارس کتب الاداب واجال عقلہ فی میدان اداب قومہ ثم طلب لھا من السنۃ اصلا

جہاں مورخین اور تذکرہ نویس امام المحدثین کے اور کمالات کا ذکر کرتے ہیں وہاں قوت حافظہ کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ علیحدہ عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں ان کی قوتِ حافظہ کے واقعات محدثین میں ضرب المثل ہیں

جب وہ صغیر السن تھے، تو ان کے اساتذہ اس خداداد قوت کو دیکھ کر کہتے "یہ ہونہار لڑکا ہے"[1] ایک روز احمد بن حفص نے آپ کے چہرہ کو دیکھ کر کہا "ھذا یکون لہ صیت" ان کا ڈنکہ بجے گا، ایسے ہی ایک روز سلیمان بن حرب نے بھی کہا

امام ترمذی کہتے ہیں کہ ایک روز امام بخاری، عبداللہ بن منیر کے پاس بیٹھے تھے، جب امام بخاری اٹھے، تو عبداللہ بن منیر نے فرمایا۔

یا ابا عبد اللہ جعلک اللہ زین ھذہ الامۃ — اے ابو عبداللہ خدا تم کو اس امت کی زینت بنائے۔

امام ترمذی کہتے ہیں، خدا نے عبداللہ بن منیر کی دعا سن لی، اور حقیقت میں امام بخاری کو اس امت کے لئے موجب افتخار بنایا"

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں، کہ امام بخاری ہمارے ساتھ شیوخ بصرہ کی

---

[1] تا ۔۔۔ یہ سب مضامین الفوائد الدراری سے ماخوذ ہیں ۱۲ ۔۔۔ بعض ایم وکسر السین ذ ۔۔۔ البد آخرہ دار، مقدمۃ الفتح ۱۲

درس گاہوں میں شامل ہوتے لیکن لکھنے سے کوئی تعلق نہ تھا اس حالت میں کچھ دن گذر گئے، تو ہم نے ان کو سمجھانا شروع کیا، کہ آپ ناحق اپنا وقت ضائع کرتے ہیں جب ہماری باتوں کو سنتے سنتے گھبرا گئے، تو فرمانے لگے

قد اکثرتم علی — تم لوگ حد سے متجاوز ہو چلے۔

اچھا تم نے جو لکھا ہے، پیش کرتے جاؤ، لوگوں نے اپنے اپنے لکھے ہوئے اجزا نکالے اور پڑھنا شروع کئے، جب لوگ سنا کر فارغ ہو چکے تو امام صاحب نے پندرہ ہزار حدیثیں ان اجزا کے علاوہ پڑھ کر سنا دیں، اور ہمارے لکھے ہوئے اجزاء بھی سب دہرا گئے، یہاں تک کہ ہم نے اپنے اپنے لکھے ہوئے اجزاء کی تصحیح آپ کے حفظ سے کر لی،

ابو سجستانی کہتے ہیں[1]۔ کہ ہم لوگ امام سلیمان بن حرب کی درس گاہ میں حاضر ہوتے، اور ہمارے ساتھ محمد بن اسماعیل (بخاری) ہوتے، وہ صرف سن لیا کرتے لکھتے نہ تھے، بعض لوگوں نے اعتراض کیا، کہ یہ کیوں نہیں لکھتے تحقیق کے بعد معلوم ہوا، کہ جب بخارا جاتے ہیں، تو یہاں (مکہ) کی لکھی ہوئی حدیثیں قلم بند کرتے ہیں مجلس درس میں قلم بند کرنے کا دستور نہیں۔

سلیمان بن حرب[2] اپنے وقت کے بڑے پایہ کے امام، حافظ حدیث اور مکہ کے قاضی ہیں، شعبہ، جریر بن حازم جیسے ائمہ فن کے شاگرد ہیں، یحییٰ قطان

---

[1] الفوائد الدراری ۲۰ [2] خلیفہ مامون عباسی نے قاضی یحییٰ سے پوچھا، کہ تم نے بصرہ میں کس کو چھوڑا، قاضی صاحب نے منجملہ اور مشائخ کے سلیمان بن حرب کا نام لیا اور بڑی تعریف کی، خلیفہ نے ان کو مکہ کا قاضی مقرر کر دیا ۱۲ تہذیب التہذیب،

محمد بن جعفر جیسے لوگ ائمہ جرح و تعدیل ان کے قدیم تلامذہ ہیں، حافظہ اس غضب کا تھا، کہ دس ہزار حدیثیں روایت کیں، اور ہاتھ میں کتاب نہ تھی۔

ابو حاتم کہتے ہیں، کہ میں ایک بار شہر بغداد میں ان کی درس گاہ میں حاضر ہوا، تو حاضرین درس کا تخمینہ چالیس ہزار تھا، ۲۲۴ھ میں وفات پائی، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں، باوجود اس فضل و کمال کے امام بخاری سے فرماتے۔

یبین لنا اغلاط شعبۃ مجھے شعبہ کی غلطیوں پر متنبہ کر دیا کرو

کسی نے حافظ ابو العباس الفضل بن العباس سے (جو فضلک کے ساتھ مشہور ہیں اور نہایت بلند پایہ محدث ہیں) پوچھا، کہ دو شخصوں (امام ابو زرعہ اور امام بخاری) میں سے بڑا حافظ حدیث کون ہے؟ ابو العباس نے کہا، مجھ کو محمد بن اسماعیل بخاری سے ملاقات نہیں، مطلب یہ تھا کہ جس کو میں نے دیکھا ہی نہیں، اس کے علم و فضل کا اندازہ کیونکر کر سکتا ہوں، اور دوسرے ذی علم کے ساتھ اسے نسبت کیونکر دے سکتا ہوں (علامہ فضلک امام نسائی کے شیخ اور قعنبی کے شاگرد ہیں، ۲۷۰ھ تک زندہ رہے)

علامہ فضلک کہتے ہیں، کہ اتفاقاً حلوان اور بغداد کے درمیان میں مجھ سے اور امام بخاری سے ملاقات ہو گئی، میں اپنے عزم کو فسخ کر کے امام صاحب کے ہمراہ ہو لیا، اور ایک منزل تک برابر ساتھ رہا، اور بڑی سعی کی، کہ امام کے سامنے ایسی حدیث پیش کر دوں، جس کو وہ نہ جانتے ہوں، آخر میں تھک گیا، اور مجھے اس میں کامیابی نہ ہوئی، لیکن ابو زرعہ کے سامنے ان کے سر کے بالوں کی تعداد میں ایسی حدیثیں گن دے سکتا ہوں، جن کو وہ نہیں جانتے۔

ھ خلاصہ ۱۲

امام ابوزرعہ بہت بڑے پایہ کے امام ہیں، امام ترمذی، امام نسائی، ابن ماجہ کے شیخ ہیں، اور امام المحدثین کے معاصر، ۲۶۴ھ میں وفات پائی،

امام احمد کہتے ہیں "ما جاوز الجسر احفظ من ابی زرعۃ" بغداد دارالخلافت کے پل سے ابوزرعہ سے بڑھ کر احفظ کوئی نہیں گذرا، صرف قرآن کے باب میں دس ہزار حدیثیں یاد تھیں،

ابوالطیب حاتم بن منصور وہ شخص ہیں، کہ قوت حافظہ کے بارے میں ان کی اور حافظ ابوزرعہ کی محدثین نظیر دیا کرتے ہیں، وہ فرمایا کرتے،

محمد بن اسماعیل آیۃ من آیات اللہ فی بصرہ ونفاذہ فی العلم

یعنی امام بخاری بصیرت علمی اور علوم میں تبحر کی وجہ سے خدا کی ایک نشانی ہے۔

اس خداداد حافظہ اور ذکاوت اور کمال بصیرت کی وجہ سے آپ کے شیوخ آپ کا بہت احترام کرتے، بعض شیوخ ان کے سامنے درس دینے سے رکنے لگے،

عہ شرح الفیہ، شرح بخاری، کتب تواریخ، مقدمۃ الفتح، تمییز المشکل، تہذیب الاسماء، طبقات کبریٰ للسبکی، طبقات حنابلہ، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں وغیرہ ان کے علاوہ بہت سی کتابوں میں امام المحدثین کی قوت حافظہ وبصیرت کی جانچ کا ایک واقعہ لکھا ہے، جو امام صاحب کو دارالخلافت بغداد میں پیش آیا تھا، اس امتحان کا قصد علمائے بغداد نے اس وجہ سے کیا تھا، کہ امام صاحب کی قوت حافظہ اور بصیرت فی الحدیث کے عجیب وغریب قصے اسلامی دنیا میں نہایت زور شور سے پھیل چلے تھے، اور شہرت پکڑتے جاتے تھے،

امام المحدثین دارالخلافت بغداد میں پہنچے، جو ان دنوں خلفاء بنی عباس

عہ مقدمہ فتح الباری ۱۲

کی علمی قدر دانیوں کی وجہ سے اسلامی علوم کا مرکز بنا ہوا تھا، بغداد کی علمی ترقی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے، کہ خلیفہ ہارون اور مامون جیسے جامع کمالات اور شائق علوم بغداد کی علمی ترقی کو اوج کمال تک پہنچانے والے تھے،

مسلم بن ابراہیم کہتے ہیں، کہ میں نے آٹھ سو شیوخ سے فنِ حدیث حاصل کیا اور باوجود شیوخ کی اس کثرت کے میں پل اتر کر نہیں گیا، یعنی ایک ہی شہر (بغداد) میں آٹھ سو اساتذۂ حدیث ان کو ایسے مل گئے، جو شیخ کا لقب حاصل کر چکے تھے متکلمین، محدثین، فقہاء تمام اطراف عالم سے سمٹ کر بغداد میں جمع ہو گئے تھے اور بنی عباس کی خلافت کو ایک معتدبہ زمانہ گذر چکا تھا علوم اسلامیہ پر کیا موقوف ہے، بغداد تمام اہل کمال کا ملجا و ماوی تھا

ایک مرتبہ صرف ان طبیبوں کا شمار کیا گیا، جن کو سند طبابت عطا کی گئی تھی تو ان کی تعداد نو سو تھی، مزید برآں وہ اطبا اس شمار سے خارج ہیں، جو بوجہ شہرت فضل و کمال امتحان سے مستثنیٰ رہے، یا جن کو سرکار خلافت میں تعلق حاصل تھا، خدا کو علم ہے، کہ ایسے طبیب کتنے ہوں گے، اور ان کی تعداد نو سو کے عدد کو کہاں تک بڑھا دیتی، تب س کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، کہ جس شہر میں نو سو سے زیادہ سند یافتہ طبیب ہوں گے، اس میں کتنے محدث ہوں گے، اور کس قدر ادیب و مہندس،

سنہ امام بخاری کا بانِ شہرت دار الخلافت بغداد میں تشریف لے جانا کوئی معمولی بات نہ تھی، امام صاحب کے حفظ، اتقان، مبصریت، ذکاوت کی جانچ کے لئے گویا تمام دار الخلافہ کے محدثین نے اتفاق کر کے یہ ترکیب سوچی، کہ سو حدیثوں کو لے کر اس طرح الٹ پلٹ کیا، کہ ایک حدیث کی سند دوسری حدیث کے متن ہی ملا

دی، اسی طرح پوری سو حدیثوں کی سند اور متن کو خلط ملط کر کے دس آدمیوں کے حوالہ کیا، اور ایک مجمع عام میں امتحان کی ٹھہری، شہر بھر کے اہل کمال جمع ہوئے شہر امڈ آیا، ایک آدمی نے دس حدیثوں میں سے ایک حدیث پڑھی، امام صاحب نے فرمایا لا ادری مجھے نہیں معلوم، پھر دوسری حدیث پڑھی، امام صاحب نے وہی لا ادری فرمایا، یہاں تک کہ پہلے شخص نے اپنی غت ربود کی ہوئی دسوں حدیثوں کو سنا دیا، اور امام صاحب وہی لا ادری کا جملہ دہراتے رہے۔

دوسرا کھڑا ہوا، اس نے بھی ایک دو کر کے اپنی دسوں حدیثوں کو پیش کیا، اسی طرح یکے بعد دیگرے دسوں نے مل کر سو حدیثوں کو پورا کیا، اور امام صاحب کا وہی ایک جملہ لا ادری کل حدیثوں کے جواب میں تھا، جب اس طرح سو حدیثیں پوری ہو چکیں، تو مجمع میں جو لوگ امام صاحب سے ناواقف اور اس فن سے نابلد تھے، ان کی باہم چشمک ہونے لگی، اور یہ خیال خام ان کے دلوں میں پکنے لگا، کہ امام بخاری عاجز رہ گئے، اور ان کے حافظہ، بصیرت اور کمالات علمی کے جس قدر افسانے سنے گئے ہیں، غلط ہیں، لیکن جو لوگ آپ کے فضل و کمال سے کسی قدر واقف تھے، بول اٹھے فہم الرجل، امام ہماری اس ترکیب کو سمجھ گئے،

امام المحدثین اسی وقت کھڑے ہو کر پہلے سائل کی طرف مخاطب ہوئے اور اس کے سوالات کی پہلی حدیث پڑھ کر فرمایا۔

اما حدیثک الاول فبھذا الاسناد خطأ وصوابہ کذا۔ — یعنی تمہاری پہلی حدیث جس سند سے تم نے بیان کی تھی غلط تھی اس کی اصل سند یہ ہے

اسی طرح دوسری حدیث تیسری حدیث یہاں تک کہ دسوں حدیثوں کو اسی کی ترتیب سے پڑھ کر غلط کو صحیح سے الگ کر دیا، اسی طرح دوسرے تیسرے چوتھے حتیٰ کہ دسوں سائلین کی پوری سو حدیثوں کو بہ ترتیب سوال پڑھ کر سنا دیا، اور ان کی سندوں کو صحیح کر دیا، اس خداداد حافظہ، ذکاوت و تبحر کو دیکھ کر اہل بغداد حیرت میں آ گئے، اور آپ کے کمالات کا سب کو ایسا ہی یقین ہو گیا جیسا کہ آفتاب نکلنے پر دن کا۔

صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں فبہر الناس عند ذلک واذعنوا لہ" مبصرین فن اور اہل کمال کے نزدیک غلط سندوں کو صحیح کر کے بتا دینا اگرچہ بڑا کمال ہے، لیکن سب سے زیادہ تعجب خیز بات اس امتحان میں یہ ہوئی کہ ان سو غلط اسنادوں کو جو سوالوں میں پیش کی گئی تھیں، امام المحدثین نے ایک ہی بار سنا تھا لیکن جس ترتیب سے سنا تھا اسی ترتیب سے ان سب کو پڑھ کر دہرا دیا، اور فرمایا کہ تمہاری یہ سب سندیں ان متنوں کے ساتھ غلط ہیں، فلاں متن کی فلاں سند صحیح ہے، اور فلاں متن کی فلاں سند،

اسی طرح جب امام بخاری سمرقند پہنچے، اس وقت سمرقند میں چار سو محدث ایسے کامل الفن موجود تھے، جو مرجع خلائق خیال کئے جاتے تھے امام المحدثین کی مبصریت اور تبحر علمی کی خبر ان کو پہلے سے پہنچ چکی تھی، اور ان کے کان اس صدا سے بھر چکے تھے، اہل سمرقند نے اتفاق کر کے نو دن تک بڑا مجمع کیا، اور امام المحدثین کے مغالطہ دینے میں ساری قوت صرف کر ڈالی، اہل شام کی حدیثوں کو عراقیوں

۱؎ یعنی لوگ حیرت میں ہو گئے، اور امام بخاری کے کمالات کا یقین ہو گیا ۱۲ ؎ مقدمۃ الفتح ۱۲

کی اسانید میں، اور اہل عراق کی سندوں کو شامیوں کی حدیث میں ملا دیا، حجاز کے متنوں کو یمنیوں کی سندوں میں خلط ملط کر کے امام المحدثین پر پیش کیں، لیکن امام المحدثین نے ساری غلطیوں کی قلعی کھول دی، اور نہ کہیں سندیں چوکے نہ متن میں، آخر اہل سمرقند عاجز آ گئے، اور آپ کے خداداد حافظہ اور بصیرت کے آگے ان کے سر خم ہو گئے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں "فما استطاعوا (اهل سمرقند) مع ذلك ان يتعلقوا عليه بسقطة لا فی اسناده ولا فی متن" امام المحدثین خود فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت انس صحابی کے شاگردوں کا شمار کیا، تو تین سو شاگرد حضرت انس کے ایک لمحہ میں مجھے یاد آ گئے"

وراق کہتے ہیں، کہ ایک روز امام بخاری نے رات میں احادیث شمار کرنی شروع کیں، تو دو لاکھ حدیثوں کو شمار کیا، جو انہوں نے اپنی مختلف تصانیف میں داخل کی تھیں، اور فرمایا، کہ اگر مجھ سے کہا جائے، تو میں ابھی بیٹھ کر صرف ایک نماز کے متعلق دس ہزار حدیثیں روایت کر سکتا ہوں[1]،

وراق کہتے ہیں، کہ امام بخاری نے کتاب الہبہ لکھی، جس میں انہوں نے پانسو حدیثیں روایت کیں، حالانکہ وکیع کی کتاب الہبہ میں صرف دو یا تین حدیثیں مسند ہیں، اور ابن المبارک کی کتاب الہبہ میں صرف پانچ یا چھ"

ابو بکر کلوذانی کہتے ہیں "میں نے محمد بن اسماعیل جیسا آدمی نہیں دیکھا جس کتاب کو اٹھا کر ایک نظر دیکھتے یاد کر لیتے[2]"

---

[1] الفوائد الدراری ۱۲ [2] مقدمہ فتح الباری ۱۲

درس وافتاء اور بقیہ زندگی

جس بات نے مسلمانوں کو اس پر مجبور اور آمادہ کیا، کہ امام المحدثین کو مسند درس پر بٹھا کر ان سے استفادہ کریں، وہ قوتِ اجتہاد میں کمال اور علم رجال سے کامل واقفیت فنِ حدیث کے نکات سے کمال آگاہی تھی، اور حدیثوں کے علل غامضہ (جس کے قریب تک بڑے بڑے ماہرین فن کے ذہن نہیں پہنچ سکتے تھے) میں تبحر تھا، ان کے علاوہ خداداد حافظہ، اور ذکاوت وفقاہت نے اس پر اور بھی رنگ چڑھا دیا تھا، کہ آپ کے حافظہ سے لوگ کتابوں کی صحت کرتے، فقاہت کے عجیب وغریب کارنامے صحیح بخاری کے تراجم الابواب سے واضح ہیں، اس کا اجمالی بیان حصہ دوم میں آتا ہے۔

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں، کہ اہل علم بخاری کے پیچھے پڑتے، یہاں تک کہ ان کو روک کر مجبور کرتے، اور راہ میں بٹھا کر ان سے حدیثیں لکھتے، اور ہزاروں ہزار کا مجمع ہو جاتا، حالانکہ ابھی آپ سبزہ آغاز بھی نہ ہوئے تھے، وکان شابا لم یخرج وجھہ۔

ابوبکر بن الیاس الاعین کہتے ہیں، کہ ہم نے امام بخاری سے امام فریابی کے دروازہ پر حدیث لکھی، حالانکہ وہ بہت کم سن تھے، امام فریابی کی وفات ۲۱۲ھ ہے اس حساب سے امام بخاری کا سن اس وقت سترہ خواہ اٹھارہ برس کا ہوگا، اس کم سنی پر بھی لوگ امام المحدثین کو درس دینے پر مجبور کرتے تھے، اور بڑی سعی اور سفارش

لہ طبقات کبریٰ ۱۲ ؂ تہذیب الاسماء واللغات ۱۲

کی جاتی تھی، کہ امام بخاری مسند درس کو مزین فرما دیں لیکن امام المحدثین انکساری کو راہ دیتے،

امام المحدثین کے شاگرد وراق محمد بن ابی حاتم کہتے ہیں، کہ مجھ سے امام المحدثین نے فرمایا کہ میں درس دینے کے لئے اس وقت تک نہیں بیٹھا جب تک صحیح حدیثوں کو سقیم سے امتیاز نہیں کرلیا، اور اہل الرائے کی کتابوں کو بالاستیعاب مطالعہ نہیں کرلیا، اور بصرہ کی کل حدیثوں کا استقصا نہیں کرلیا، صحیح حدیثوں کو سقیم سے امتیاز کرنا جیسا مشکل امر ہے مخفی نہیں، اس کے لئے کتنے فنون کی تکمیل ضروری ہے، علم تاریخ، انساب، موالید، وفیات، حدیثوں کے علل غامضہ پر عبور، مراتب جرح وتعدیل کی شناخت، اور قوت اجتہادیہ میں کمال، انہیں کمالات کی وجہ سے امام المحدثین کے شیوخ عامۃ امام المحدثین سے حدیث لینے کی لوگوں کو ترغیب دیتے، امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں:۔

یا معشر اصحاب الحدیث انظروا	یعنی اے جماعت حدیث والو دیکھو اس نوجوان
الی ھذا الشاب واکتبوا عنہ	(امام بخاری) سے فن حدیث لو، کیونکہ اگر یہ جوان
فانہ لو کان فی زمن الحسن	امام حسن بصری کے زمانہ میں بھی ہوتا تو وہ بھی اس
البصری لاحتاج الیہ لمعرفتہ	کے علم کے محتاج ہوتے، اس وجہ سے کہ اس
بالحدیث وفقھہ۔	کو حدیث وفقاہت میں بصیرت کاملہ ہے،

جب امام المحدثین نے درس دینا شروع کیا، اور اس کے درس کی شہرت ہوئی، تو درس گاہ پر اس قدر ہجوم ہوتا، کہ تل دھرنے کی جگہ نہ ملتی، امام المحدثین نے مختلف مقامات میں درس دیا ہے، کبھی بصرہ، کبھی بغداد، کبھی بخارا، لیکن اخیر عمر میں

برابر بخارا میں درس دیتے رہے۔[1]

امام المحدثین کے تلامذہ کا سلسلہ غیر محدود نظر آتا ہے، دنیائے اسلام کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے، جہاں آپ کے تلامذہ کا اثر سلسلہ یہ سلسلہ نہ پہنچا ہو، امام فربری کہتے ہیں، کہ امام المحدثین سے بلاواسطہ نوے ہزار محدثین نے صرف صحیح بخاری سنی، امام المحدثین کی درس گاہ میں امام صاحب کے قدیم شیوخ آکر زانوئے تلمذ تہ کرتے، اور امام المحدثین کی تقریریں ضبط کرتے، محدثین و مورخین نے ان تلامذہ کی فہرست علیحدہ قائم کی ہے، جو پہلے امام المحدثین کے شیوخ تھے، اور جب امام المحدثین نے مسند درس کو مزین کیا، تو ان لوگوں نے تلمذ اختیار کیا اور برابر امام المحدثین سے استفادہ کرتے رہے، اور ان کے حلقہ درس میں آکر حاضری دیتے رہے[2]

عبداللہ بن محمد المسندی، عبداللہ بن منیر اسحاق بن احمد السرماری، محمد بن خلف، ابن قتیبہ وغیرہ بڑے پایہ کے لوگ ہیں، اور خود بڑے صاحب کمال ہیں لیکن امام صاحب کے نکات حدیثیہ اور تدقیقات فقہیہ کے ضبط سے ان کو چارہ نہ تھا،

سینکڑوں امام المحدثین کے وہ اقران جن کو امام المحدثین سے ہمسری کا دعوی تھا لیکن امام المحدثین کے فضل و کمال کو مان کر ان کے حلقہ درس میں آکر مستفید ہوتے، امام ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، ابراہیم الحربی، ابوبکر بن ابی عاصم، موسی بن ہارون

---

[1] بغداد، بصرہ، بخارا، حجاز کے علاوہ طرطوس، بلخ بھی امام بخاری کے درس کے ممنون ہیں ۱۲، مقدمہ قسطلانی تقیید المہمل، طبقات الکبری ۱۲

[2] مقدمہ فتح الباری ۱۲

جمال، محمد بن عبد اللہ مطین، اسحاق بن احمد بن زیرک الفارسی، ابوبکر محمد بن اسحٰق ابن خزیمہ، قاسم بن زکریا، محمد بن عبد اللہ الحضرمی صاحب المعارف محمد بن قتیبہ ابوبکر الاعین جیسے لوگ علم الرجال، فن تاریخ، فن حدیث، فن تعدیل و جرح کے امام مانے جاتے ہیں، علامہ ذہبی نے ان کے مستقل تراجم لکھے ہیں، امام المحدثین کی تحقیقات کے دلدادہ تھے، حلقہ درس میں آکر امام صاحب کی تقریروں کو لکھتے امام المحدثین کے وہ تلامذہ جن کی آج عالم میں بڑی شہرت ہے، جو فنون اسلامیہ کے رکن مانے جاتے ہیں، جن کی روایتوں اور حدیثوں پر اسلامی مسائل کا بڑا دار و مدار ہے امام مسلم بن حجاج صاحب الصحیح امام ابو عبد الرحمٰن نسائی صاحب سنن المجتبیٰ، امام عیسیٰ ترمذی صاحب الجامع، امام محمد بن نصر مروزی صاحب تالیفات امام دارمی، امام ابن خزیمہ فقیہ صاحب الصحیح وغیرہ ہیں، یہ تلامذہ بڑے بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ ہیں، خاتمہ میں مشہور تلامذہ کی تفصیل آتی ہے انشاء اللہ الرحمٰن

اگرچہ امام المحدثین تحصیل ہی کے زمانہ سے فتویٰ دینے پر مجبور کئے گئے، اور ان کے سامنے ان کے اساتذہ بھی فتوی دینے سے رکتے، اور انہیں کی طرف اشارہ کرتے لیکن تحصیل کے بعد جب سے بخارا میں درس دینا شروع کیا، تو درس کے ساتھ افتاء کا کام بالاستقلال برابر جاری تھا، اور گو ان کے تلامذہ نے ان کے فتاوی کو جو مختلف اوقات میں ان سے پوچھے گئے، مستقل تالیف میں علیحدہ جمع کرنے کا التزام نہیں کیا، لیکن صحیح بخاری کے تراجم ابواب کو ان کے فتاوی کی مستقل تصنیف خیال کرنا چاہیئے، جو مسئلہ ان پر پیش کیا جاتا، قرآن سے یا حدیثوں یا آثار صحابہؓ سے ثابت کرتے، استدلال میں اکثر ایسا دقیق اور لطیف پیرایہ ہوتا، کہ معمولی تامل

درماغ کا آدمی مشکل سے سمجھتا، اور جب دلیل لیتی تو سکوت فرماتے، اسی لئے کچھ تراجم ابواب صحیح بخاری میں حدیث یا آیت یا آثار صحابہ سے خالی ہیں، اور بعض میں صرف قرآن کی آیت اور بعض میں آثار صحابہ ہی ہیں، ناسخین نے بیاض نہیں چھوڑے بلکہ ملا کر لکھ دیا ہے، اس لئے تراجم ابواب میں پیچیدگی زیادہ بڑھ گئی، ورنہ بہت آسانی تھی، امام المحدثین نے خود قضایائے صحابہ وتابعین کے جمع کرنے کا التزام ابتداہی میں کیا، اور انہیں سے زیادہ کام لیتے رہے، اس لئے کہ امام صاحب کے خیال میں مسائل قیاسیہ سے احادیث نبوی یا قضایائے صحابہ پر نقض وارد کرنا، اور ہر ہر مسئلہ میں اپنی ایک مستقل رائے رکھنی، یہی وہ چیز ہے، جس کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔

یہ مکرر گذر چکا ہے، کہ امام المحدثین کے درس وافتاء کے زمانہ کے کہیں پہلے سے تمام خراسان بلکہ عراق عجم پر اہل الرائے کا غلبہ ہوگیا تھا، ان کو اپنے اساتذہ کے اقوال اور قیاسات پر بہت سخت جمود تھا، وہ اپنے اساتذہ کے مقابل میں صحابیوں کو بھی کم لگاتے (اس کی مزید تفصیل حصہ دوم میں آتی ہے) اور بخارا وغیرہ میں اہل الرائے کا ایسا قوی اثر تھا، کہ دوسرے لوگوں کو بولنا مشکل تھا لیکن امام صاحب نے اس کی مطلقاً پرواہ نہ کی، کیونکہ ان کی طبیعت فطرۃً حق گوئی میں بے باک واقع ہوئی تھی، انہوں نے صحیح بخاری میں اہل الرائے پر جس طرح تعریضات کی ہیں، مخفی نہیں، مدتوں بخارا میں صحیح بخاری کا درس دیتے رہے، بالآخر اس کا یہ نتیجہ ہوا، کہ ان کے لئے والی ملک سے سازش کی گئی، اور یہ حکم صادر کرایا گیا، کہ وہ فتوے دینے کا منصب نہیں رکھتے، اور قصہ یہ مشہور کیا گیا، کہ امام بخاری نے یہ فتوے

دیا ہے، کہ ایک بکری کا دودھ دو لڑکے پی لیویں، تو رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، حالانکہ اس فتویٰ کے قائل بجز اہل الرائے کے کوئی دوسرے لوگ نہیں ملتے، اور ان کو جو تعصب دوسروں سے تھا، وہ ظاہر ہے، محدثین کی ایذا رسانی میں ان کو خاص قسم کا مزا آتا، اس لئے اس واقعہ کے صدق پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے، اور کونسا قرینہ ہے، کہ امام صاحب نے ایسا فتویٰ دیا، اور فقہائے اہل الرائے نے جھوٹ تصنیف کر کے ان کی طرف نسبت نہیں کی ہو گی، جب کہ وہ امام شافعی کی شان میں جھوٹی حدیثیں تصنیف کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قال رسول اللہ کے ساتھ نسبت کر دیتے ہیں¹

اگر دو منٹ کے لئے بفرض محال یہ تسلیم کر لیں، کہ امام المحدثین نے ایسا فتویٰ بھی دیا ہو، تو وہ اس جرم میں فتوے دینے کے منصب سے بزور حکومت کیوں معزول کرائے گئے، حالانکہ تم فقہائے اہل الرائے کے فتاوی اٹھا کر دیکھو، ان میں ایسے ایسے مسائل ملتے ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، کہ اہل الرائے نے ایسے فتاوے اور مسائل بنائے ہوں گے، لیکن اس پر بھی وہ کبھی اس منصب سے معزول نہیں کئے گئے، کیوں؟ اس لئے کہ المجتہد یخطی ویصیب

فاضل لکھنوی مولانا عبد الحی صاحب الفوائد البہیہ میں لکھتے ہیں :-

وھی حکایۃ مشہورۃ فی کتب اصحابنا ذکرھا ایضا صاحب العنایۃ وغیرہ من شراح الھدایۃ لکن استبعد وقوعھا بالنسبۃ

---

¹ وہ موضوع حدیثیں جن کو اہل الرائے نے گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے، ان کا وضع کرنا خود اہل الرائے کو مسلم ہے

الی جلالۃ قدر البخاری ودقۃ فہمہ وسعۃ نظرہ وغور فکرہ مما لا یخفی علی من انتفع بصحیحہ علی تقدیر صحتہا فالبشر یخطی

فاضل لکھنوی نے اس عبارت میں تین جواب دیئے ہیں۔

پہلا جواب

یہ قصہ صرف ہماری (حنفیوں) کی کتابوں میں مشہور ہے لیکن اس کا ناقل دنیا کا کوئی مورخ نہیں، حالانکہ امام بخاری کی سوانح عمری مختصراً اور مطولاً سو سے بالا کتابوں میں لکھی گئی ہے

دوسرا جواب

امام المحدثین بخاری کی نسبت ایسا واقعہ بعید الوقوع ہے، کیونکہ امام بخاری کی جلالت قدر، دقت فہم، وسعت نظر، ان کا غور و فکر ایسے شخص پر کسی طرح پوشیدہ نہیں ہو سکتا جس نے ان کی صحیح بخاری کو سمجھا اور اس سے نفع اٹھایا ہو، پھر کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے، کہ ایسا فتویٰ امام المحدثین جیسے شخص نے دیا ہوگا۔

تیسرا جواب

اچھا مان لو کہ انہوں نے ایسا فتویٰ دیا ہو لیکن یہ بتاؤ کہ خطا مجتہدین سے ہوتی ہے یا نہیں (المجتہد یخطی ویصیب) ؎

منکراں چوں دیدہ شرم و حیا برہم زنند ۔۔۔ تہمت آلودگی بر دامن مریم نہند

عظیم آباد کے بعض کوتاہ بینوں نے اس واقعہ کی جس کی حقیقت معلوم ہو چکی آج کل بڑی شہرت دی ہے، اور خوب چمکایا ہے۔

وفات شب عید الفطر وقت عشاء ۲۵۶ھ

خالد بن احمد ذہلی، حاکم بخارا کی درخواست نامنظور کرنے کا واقعہ اجمالاً مذکور ہو چکا ہے، آپ نے اس کی درخواست نامنظور کر دی، تو حاکم شہر کو یہ بات آداب شاہی اور حکومت کی شان و شوکت کے خلاف معلوم ہوئی اس سے اس کو سخت برہمی پیدا ہوئی، حکومت کے زور پر تو وہ آپ کا کچھ نہ کر سکا، تب اس کے لئے اس نے یہ تدبیر سوچی، کہ حریث بن ابی ورقاء اور اسی طرح کے چند اشخاص کو اس بات

ا۔ یہ شخص شہر بخارا کے مشہور اور بڑے فقہائے حنفیہ میں شمار کیا جاتا تھے، فقہائے حنفیہ کو جن کی معراج علمی قیاس تک محدود تھی، جو اپنے ائمہ کے اقوال یا قواعد مستخرجہ کو وحی آسمانی تصور کر کے اسی پر استخراج مسائل کی بنا رکھتے، اور اپنے ائمہ کے مقابل میں کسی کو نہیں لگاتے تھے) محدثین سے خاص قسم کی پرخاش تھی، ابوحفص کبیر علمائے حنفیہ میں بڑے مشہور اور مستند شخص ہیں، اور امام بخاری کے ہم عصر ہیں، ان کے زمانہ میں ایک شخص مذہب حنفی یعنی رائے و قیاس کو چھوڑ کر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے لگا اور رفع الیدین کرنے لگا شیخ ابوحفص کو اس کی خبر ہو گئی، تو وہ سخت غضبناک ہوئے، اور اس کے بارے میں سخت سست کہنے لگے اور بادشاہ سے جا کر کہا بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ بر سر بازار اس کے درے لگائے جائیں آخر کار کچھ لوگ رحم کھا کر شیخ موصوف کے پاس آئے اور اس کے بارے میں سعی سفارش کی، اور اس کو لا کر ان کے حضور میں حاضر کیا، اور اس نے توبہ کی تو اس سے عہد و پیمان لے کر دوبارہ زمرۂ مسلمان کر کے چھوڑا تب اس کی جان بچی (فتاوی حمادیہ و تاتارخانیہ ص۱۸۲) ۵۔ طبقات کبریٰ ۲

پر مامور کیا، کہ آپ پر کوئی الزام قائم کریں، جس سے عوام کے قلوب پر خاص اثر پڑے، اور آپ کے تبحر علمی اور تقدس کا سکہ جو تمام مسلمانوں کے قلوب پر جما ہوا ہے اس الزام کے ذریعہ اٹھا کر مسلمانوں کے قلوب کو آپ سے پھیر دیں، ان لوگوں نے امام المحدثین پر یہ تہمت قائم کی، کہ آپ قرآنی الفاظ کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں اس غلط الزام کی عام طور پر شہرت دی گئی، جب شہر میں ایک ہنگامہ مچ گیا تو آپ کو شہر چھوڑنے کا حکم دیا گیا، آپ نے شہر سے نکلنے کے وقت بد دعا دی

اللهم ارهم ما قصدونی به فی	بار خدایا جس بات کا مجھ پر ان لوگوں نے ارادہ
انفسهم واولادهم	کیا تو دہی بات ان کو انہیں کی ذات اور اولاد میں دکھا

چند روز کے بعد اس دعا کا یہ اثر مرتب ہوا، کہ خالد بن یحیی حاکم بخارا کے بارہ میں طاہریوں کی طرف سے (جو اس وقت خراسان پر حکمران تھے) یہ حکم پہنچا، کہ خالد بن یحیی کو گدھے پر بٹھا کر تشہیر کی جائے، اور تشہیر کے بعد قید کیا جائے، انجام یہ ہوا کہ قید خانہ ہی میں بعد چندے مر گیا ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را   چنداں امان نداد کہ شب را سحر کند

ان مفسدین میں سے ہر ایک شخص کسی نہ کسی آفت میں مبتلا ہوا، کسی کو اپنی جان میں روز بد دیکھنا پڑا، کسی کو اپنی اولاد میں، حریث بن ورقاء کو اپنے گھر والوں میں وہ ذلت اٹھانی پڑی، جو قابل بیان نہیں

امام صاحب بخارا سے نکل کر بیکند پہنچے، چونکہ اس بہتان کی تشہیر میں کوئی دقیقہ کوشش کا باقی نہیں رکھا گیا تھا، اس کی خبر بیکند میں پہلے ہی سے پہنچ چکی تھی، بیکند کے لوگ دو فریق ہو گئے، ایک فریق امام بخاری کو اس الزام سے بری جانتا تھا

دوسرا مفسدین کا شریک تھا، امام بخاری نے اس اختلاف کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ جانا، اس درمیان میں سمرقند کے لوگوں کو امام بخاری کے بیکند تشریف لانے کی خبر پہنچ گئی، سمرقندیوں نے آپ کی خدمت میں درخواست کی، کہ سمرقند تشریف لاکر مسند درس کو مزین فرمادیں، آپ نے درخواست منظور فرمائی، اور سمرقند کی جانب روانہ ہوئے، سمرقند کے قریب ایک بستی میں جس کا نام خرتنگ تھا اپنے ایک قرابت کے مکان پر فروکش ہوئے

عبدالقدوس بن عبدالجبار کہتے ہیں کہ خرتنگ پہنچ کر ایک روز میں نے ان کو تہجد کی نماز کے بعد دعا کرتے سنا، کہ خدایا! تیری زمین باوجود کشادہ ہونے کے مجھ پر تنگ ہو گئی ہے مجھے اپنے پاس بلالے، خدا نے یہ دعا قبول کر لی اور چند روز کے بعد ہی آپ نے وفات پائی،

غالب بن جبریل (جن کے یہاں امام بخاری مقیم تھے) کہتے ہیں، چند روز تک امام بخاری میرے مکان پر صحیح و تندرست تھے۔ آخر بیمار ہو گئے، اسی حالت میں سمرقندیوں کی طرف سے درخواستیں آنے شروع ہوئیں، اور بہت زور دیا گیا، کہ آپ سمرقند تشریف لے جائیں، انہوں نے حالت مرض ہی میں جانا منظور فرمالیا، لیکن جب ان کو یہ خبر معلوم ہوئی، کہ بخارا کا فتنہ سمرقند میں بھی پہنچ گیا، اور بیکند کی طرح سمرقند میں بھی دو جماعتیں ہو گئی ہیں، ایک مخالف دوسری موافق، تو انہوں نے اپنے لئے دعا فرمائی، کہ خدایا مجھے اپنے پاس بلالے، مجھ پر تیری زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہو گئی ہے، اختلاف کے بعد سمرقند والوں نے اس بے بنیاد تہمت کے غلط ہونے پر اتفاق کیا، اور آپ کے سمرقند لے جانے پر بہت زور دیا

ل، ۲، ۳ مقدمہ فتح الباری ۱۲

آپ نے سواری طلب کی اور چلنے کے لئے تیار ہو گئے موزے پہنے، عمامہ باندھا ہی اور ایک دوسرے آدمی نے مل کر ان کے دونوں بازو تھامے، سواری کی طرف پندرہ بیس قدم بڑھے ہوں گے، کہ فرمایا مجھے چھوڑ دو، مجھ میں ضعف بڑھتا جاتا ہے ہم نے آپ کو چھوڑ دیا، آپ نے دست مبارک اٹھا کر کچھ دعائیں کیں اور لیٹ گئے آپ کے جسم سے بے انداز پسینہ جاری ہو گیا، یہاں تک کہ آپ نے شب عید الفطر ۲۵۶ھ کو تیرہ دن کم ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی انا للہ و انا الیہ راجعون

روح پرواز کر جانے کے بعد بھی برابر جسم سے پسینہ جاری رہا یہاں تک کہ غسل دے کر کفن میں لپیٹ دیئے گئے، کچھ لوگ سمرقند لے جانے کے خواہاں ہوئے اور تدفین کی جگہ میں اختلاف ہوا لیکن بعد اختلاف اسی پر اتفاق ہو گیا کہ اسی موضع خرتنک میں دفن کئے جائیں، عید الفطر کے دن بعد نماز ظہر دفن کر دیئے گئے اور اس طرح وہ آفتاب عالمتاب احادیث رسول اللہ کا خادم، تمام دنیا کے مسلمانوں کا محسن، حامل علوم نبویہ خاک میں چھپ گیا اور دنیا میں تاریکی چھا گئی[2]

ایک شاعر نے دل چسپ اختصار کے ساتھ امام صاحب کا سال ولادت و سال وفات اور تعداد سن ذیل کے دو شعروں میں یوں نظم کیا ہے،

کان البخاری حافظا و محدثا جمع الصحیح مکمل التحریر

میلادہ صدق[۱۹۴] و مدۃ عمرہ فیھا حمید[۶۲] و انقضی فی نور[۲۵۶]

دفن کے بعد قبر سے ایک نہایت تیز خوشبو پھیلی جس کو لوگ عنبر اور

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ۱۲ [2] الفوائد الدراری و مقدمہ فتح الباری و الطبقات الکبری ۱۲

[3] اس طرح کے واقعات اور بھی بسند صحیح ثابت ہیں، عطاء کہتے ہیں کہ مجھ سے مالک بن دینار نے

اور مشک سے بھی بڑھی ہوئی نکلتے ہیں، اور اس خوشبو کا اس قدر شہرہ ہوا بیان کرتے ہیں، کہ دور دراز سے لوگ اس خبر کی تصدیق کے لئے آتے، اور مٹی لے جاتے تھے، بستی والوں کو خوف ہوا، کہ قبر کی مٹی بچ نہیں سکتی، اس کے لئے کوئی حفاظت چاہیئے، مجبور ہو کر قبر گھیر دی گئی، اور اس طرح سے مٹی کی حفاظت[1] کی گئی

۱۔ دراق کہتے ہیں، کہ امام صاحب نے مرنے سے پہلے وصیت فرمائی کہ مجھے (مطابق سنت) تین کپڑوں میں دفنانا، ان میں کرتہ، عمامہ نہ ہو،

خطیب[2] اپنی سند سے عبدالواحد بن آدم الطوادیسی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، کہ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ دیکھا، کہ آپ ایک جگہ کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں، میں نے سلام کر کے عرض کیا، کہ کس کا انتظار ہے، فرمایا انتظر محمد بن اسمعیل، محمد بن اسمٰعیل کا منتظر ہوں، چند روز کے بعد جب امام بخاری کے انتقال کی خبر مجھے معلوم ہوئی، تو میں نے اپنے خواب اور وقت کو ملایا، تو امام صاحب کے انتقال کا وہی دن اور وقت نکلا، جو میں نے خواب میں دیکھا تھا

گو تاریخی حیثیت سے خواب چنداں اعتبار کی چیز نہ ہو، مگر شریعت نے مستند اور سچے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں جز بتایا ہے، بالخصوص وہ خواب جس میں

نے بیان کیا، کہ جب احمد بن غالب جب شہید ہوئے، اور دفن کئے گئے، تو ان کی قبر سے ایسی تیز خوشبو پھیلی، جو مشک سے بڑھ کر تھی ۱۔ تاریخ صغیر بخاری، منہ ۱، ۲۔ ص ۳۵ مقدمہ فتح الباری

کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ امام بخاری کی وفات پر علمائے امت نے بڑی حسرتیں ظاہر کیں

۔ یحیی بن جعفر بیکندی فرمایا کرتے "امام بخاری کی موت علم کی موت ہے"

علامہ ولی الدین خطیب مؤلف مشکوۃ المصابیح نے اکمال میں، اور ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے، کہ امام بخاری نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، علامہ عجلونی نے اس پر یہ سوال پیش کیا ہے، کہ ابو عبد اللہ آپ کی کنیت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے، لیکن خود علامہ نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے، کہ کنیت کے لئے اولاد ہونا شرط نہیں، عرب کا قدیم دستور ہے، کہ اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی کنیتیں بلا اولاد ہوئے، صغر سنی ہی میں رکھ دیا کرتے جس کی بے شمار نظیریں موجود ہیں، امام صاحب گو عجمی النسل ہیں لیکن بلاد خراسان میں بالخصوص اہل علم پر جو اثر (؟) عرب کا تھا مخفی نہیں ہے۔

افسوس ہمیں اس بارے میں قدیم سے قدیم شخص کا جو قول مل سکا ہے وہ ولی الدین عراقی ہیں، جو بہت متاخر صدی کے آدمی ہیں

علامہ عجلونی نے تو نکاح ہی میں شبہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں، کہ اگر امام صاحب نے نکاح کیا ہوتا تو ضرور اس کا ذکر ہوتا، ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے، کہ مورخین کا یہ قاعدہ نہیں، کہ نکاح کا حال بھی لکھا کریں، سینکڑوں نام ایسے تاریخ کی کتابوں میں ملیں گے، جن کا نکاح کا ذکر نہیں، پھر ایسے ضعیف احتمالات کی وجہ سے ایک سنت مؤکدہ سے امام صاحب کیونکر محروم کہے جا سکتے، جب تک صحیح سند سے ترک ثابت نہ ہو۔

میں یہ کہتا ہوں، کہ امام صاحب نے گو کوئی صلبی اولاد نہ چھوڑی ہو تاہم آج دنیا میں امام بخاری کی روحانی اولاد کی تعداد ۲۲ کروڑ ۹۶ لاکھ ہزار کے قریب پہنچتی ہے، اگران میں سے ان بے نصیب مسلمانوں کو مستثنےٰ بھی کردیا جائے جو موجودہ قرآن پر بوجہ ترتیب عثمانی یقین کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں، اور اپنے لئے صحیح قرآن کسی غار میں بند سمجھتے ہیں، تو بھی ان معدودے چند کی نفی سے امام صاحب کی معنوی اولاد میں کسی طرح کی کمی نہیں ہوسکتی، خدا کے فضل سے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے ماننے والوں کی تعداد یوماً فیوماً ترقی ہی کرتی جاتی ہے،

امام بخاری شاعر نہ تھے لیکن کبھی کبھی کلام منظوم سے دلچسپی لے لیا کرتے تھے، اور ان کی زبان سے نصیحت آمیز اشعار موزون ہو جاتے تھے، جس کو شاعری نہیں کہتے، اور نہ اس پر (فی کل واد یھیمون) صادق آتا ہے، خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے برجستہ الفاظ موزون نکل پڑتے، جو صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں ابو عبداللہ حاکم کہتے ہیں، کہ میں نے بخط مستملی امام بخاری کا یہ شعر لکھا ہوا دیکھا

اغتنم فی الفراغ فضل رکوع   فعسی ان یکون موتک بغتۃ

کم صحیح رأیت من غیر سقیم   ذھبت نفسہ الصحیحۃ فلتۃ

یعنی فراغت کے وقت رکوع (نماز) کی فضیلت حاصل کرنے کو غنیمت جانو کیا معلوم تمہاری موت اچانک پہنچ جائے، بہتیرے صحیح اور تندرست آدمیوں کو میں نے دیکھا، کہ ان کی جان ہر طرح صحیح سالم تھی، اچانک جاتی رہی۔

ف یہ تعداد مسلمانوں کی مردم شماری بابت ۱۹۲۶ء کے مطابق ہے، دیکھو اخبار المؤید ۲، منہ سابق لیگ اقوام کی رپورٹ سنہ ۴۲ء کے مطابق مسلمانان عالم کی تعداد ۶۰۳ ملین یعنی ۶۰ کروڑ ۳۰

جب امام المحدثین کو ان کے تلمیذ حافظ امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی صاحب السنن کی موت کی خبر پہنچی، تو آپ نے یہ عبرت کا شعر فرمایا، اور بہت دیر تک سر بگریباں رہے ؎

ان عشت تفجع بالاحبۃ کلھم ۔۔۔ وبقاء نفسک لا ابالک افجع

اگر حیات طویل ہوئی، تو تم کو اپنے کل احباب کی موت کے غم اٹھانے ہوں گے، اس وجہ سے تمہارا زندہ رہنا بڑا دردمند ہوگا،

نصیحت سے بھرا ہوا امام المحدثین کا ایک شعر یہ ہے ؎

مثل البھائم لا تری اجالھا ۔۔۔ حتی تساق الی المجازر تنحر

یعنی غافلوں کی مثال چارپایوں جیسی ہے، کہ منحر تک لے جا کر ذبح کرنے تک انہیں موت کی کچھ حس نہیں ہوتی۔

ایک شعر حکمت آموز یہ ہے ؎

خالق الناس بخلق واسع ۔۔۔ لا تکن کلبا علی الناس تھر

وسیع خلق کے ساتھ لوگوں سے ملتے جلتے رہو اور خندہ پیشانی سے رہنا اور کھو کتے کی طرح لوگوں پر بھونکتے نہ رہو، فی الحقیقت یہ اشعار حکیمانہ مقولے ہیں جو ان من الشعر لحکمۃ کے مصداق ہیں۔

یہ اشعار علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات کبریٰ میں نقل کئے ہیں

امام بخاری کے بارے میں ان کے شیوخ کی رائیں

شیخ کی رائے اس کے تلمیذ کی نسبت جیسی معتبر اور صحیح ہوتی ہے، اور ہوتی

چاہیئے دوسرے لوگوں کی نہیں ہوسکتی، نہ معاصرین کی نہ متاخرین کی، شیخ تلمیذ کی ذہانت، طباعی، محنت، شوق، جفاکشی، سمجھ، فراست سے بہت کچھ واقف ہوتا ہے، استاد کو شاگرد کے کسبی یا طبعی جوہر کے جانچنے کے زیادہ مواقع ملتے ہیں، وہ درس دینے میں اچھی طرح تلمیذ کی ہر ادا پر نگاہ رکھتا ہے۔

ہم مناسب خیال کرتے ہیں، کہ امام صاحب کے جوہر طبعی یا کسبی کے اندازہ کے لئے امام صاحب کے اساتذہ کے اقوال پیش کریں۔

سلیمان بن حرب کا قول "بین لنا اغلاط شعبۃ" پہلے گذر چکا، سلیمان بن حرب کے رتبہ سے کون واقف نہیں، باوجود استاد ہونے سے امام بخاری سے ان کا یہ جملہ فرمانا، کہ مجھے شعبہ کی غلطیوں پر متنبہ کردیا کہ وہ امام بخاری کے تبحر علمی کی بڑی قوی دلیل ہے،

اسماعیل بن ادریس، امام مالک کے شاگرد اور امام بخاری و مسلم کے شیخ ہیں سن ۲۳۰ھ میں وفات پائی، امام بخاری جب ان کی کتابوں سے صحیح حدیثوں کو چنتے، تو وہ خود بھی اپنے لئے ان منتخب حدیثوں کو لکھ لیتے اور فخریہ بیان کرتے، کہ "یہ حدیثیں محمد بن اسماعیل (امام بخاری) کی منتخب کردہ ہیں" ایک روز امام بخاری سے فرمایا کہ تم میری ساری کتابوں کو دیکھ دو، اور جس قدر مال و دولت میرے پاس ہے، وہ سب تمہارا ہے، اور میں تمام عمر ممنون رہوں گا"

ایک دن محدثین نے جمع ہو کر امام بخاری سے اس وجہ سے کہ امام صاحب

لے اساتذہ اور شیوخ کی شہادتیں زیادہ تر مقدمہ فتح الباری تقیید المہمل، طبقات کبری، اور تہذیب التہذیب سے ماخوذ ہیں ۱۲

کو اسمٰعیل بن ادریس بہت مانتے ہیں) کہا کہ آپ شیخ سے سفارش کیجیے، کہ آج کچھ حدیث کا درس بڑھا دیں، امام نے سفارش کی، تو شیخ نے اس ہمغارش کی یہ قدر کی، کہ لونڈی کو بلایا، اور حکم دیا کہ اشرفیوں کی ایک تھیلی لے آ، جب اشرفیوں کی تھیلی آ گئی، تو امام صاحب سے کہا، کہ آپ اس کو تقسیم کر دیجیے، امام نے عرض کیا، میں نے حدیث کے درس میں زیادتی کی عرض کی تھی، اس کی درخواست نہ تھی، اسمٰعیل نے کہا، آپ کی سفارش منظور ہے، اور یہ اس پر اضافہ ہے،

ابو مصعب احمد، امام مالک کے شاگرد ہیں، خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے مدینہ کے عہدۂ قضا پر مامور تھے، ذہبی نے لکھا ہے "کان امامافی السنۃ والاحکام" زبیر کہتے ہیں "ابو مصعب بلا شرکت غیرے فقیہ ہیں" یعنی ان کا کوئی ہم پایہ نہ تھا، مؤلفین صحاح ستہ کے شیخ ہیں، ۲۴۲ھ میں وفات پائی، وہ فرماتے ہیں،

محمد بن اسماعیل افقہ عندنا وابصر بالحدیث من احمد بن حنبل

یعنی امام بخاری ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل سے فقاہت میں زیادہ کمال اور حدیث میں زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔

ایک شخص نے اعتراض کیا، کہ ابو مصعب! آپ نے تو حد سے بڑھا دیا ابو مصعب بولے، اگر تم امام مالک سے ملے ہوتے، اور امام بخاری اور امام مالک دونوں کے چہرے پر غور کیا ہوتا، تو تم بول اٹھتے، کہ دونوں فقاہت اور بصارت فی الحدیث میں برابر ہیں

عبدان بن عثمان مروزی کہتے ہیں، کہ میں نے اس نوجوان (امام بخاری) سے بڑھ کر بصیر نہیں دیکھا،

محمد بن قتیبہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں ابو عاصم النبیل کی خدمت میں حاضر تھا میں نے ان کے پاس ایک لڑکے کو دیکھا اور پوچھا کہ تمہارا وطن کہاں ہے کہا بخارا پوچھا لڑکے کس کے ہو؟ کہا اسماعیل کے، میں نے کہا تم میرے قرابت دار ہو امام ابو عاصم کے سامنے اسی مجلس میں حاضرین سے ایک شخص نے کہا۔

ھذا الغلام یناطح الکباش یعنی یقادم الشیوخ — یعنی یہ لڑکا تو شیوخ وقت کا مقابلہ کرتا ہے

حالانکہ ابو عاصم النبیل کا مرتبہ جو فن حدیث میں تسلیم کیا گیا ہے ظاہر ہے، امام شعبہ باوجود اس فضل وکمال کے فرماتے "واللہ ما رایت مثلہ" یعنی ابو عاصم النبیل جیسا میں نے کسی کو نہیں دیکھا، بڑے بڑے اہل کمال کو ان کی شاگردی پر ناز تھا۔

قتیبہ بن سعید ثقفی، امام مالک، لیث اور اسماعیل بن جعفر کے شاگرد ہیں امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی کے شیخ ہیں، یہ بہت بڑے امام مانے جاتے ہیں، علامہ حمیدی، اور امام احمد ان کے شاگردوں سے ہیں ۲۴۰ھ میں وفات پائی قتیبہ فرماتے ہیں، میں فقہا، محدثین، زہاد، عباد کی خدمتوں میں مدتوں رہا، اور ایک زمانہ تک ان کی خوشہ چینی کی، لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا محمد بن اسماعیل (امام بخاری) جیسا جامع کمالات نہیں دیکھا، امام بخاری اپنے زمانہ میں (فہم و فراست عقل و دانش، حق گوئی کے اعتبار سے) ویسے ہی تھے جیسے خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں

لطیفہ: ہم دیکھتے ہیں کہ فرقہ شیعی امام المحدثین سے بہت ناخوش ہیں، پرچہ اصلاح دحویہ عکس نہند نام زنگی کافور کی سچی مثال ہے، کو امام المحدثین کی نسبت بہت زبان درازی کرتے دیکھا، اس کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی، امام ثقفی کے مقولہ کو دیکھنے اور بخاری کے حالات پڑھنے سے یہی وجہ معلوم ہو گئی، وہ کیا؟ حق گوئی اور فہم و فراست میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشابہت ۱۲ منہ

اگر امام بخاری صحابہ میں ہوتے، تو خدا کی ایک بڑی نشانی ہوتے۔

محمد بن یوسف ہمدانی کہتے ہیں، کہ ہم لوگ قتیبہ کی مجلس میں بیٹھے تھے، کہ ایک شعرانی نے جس کا نام ابو یعقوب تھا، آکر قتیبہ سے امام بخاری کی تعریف پوچھی، قتیبہ نے فرمایا، لوگو! میں نے فن حدیث میں مہارت حاصل کی، فقہ و رائے میں بھی تبحر حاصل کیا، فقہا، زہاد، عباد کی مجلسوں میں بھی مدتوں بیٹھا، لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا، محمد بن اسمٰعیل جیسا کسی کو نہیں دیکھا،

قتیبہ بن سعید سے ایک بار مسئلہ پوچھا گیا، کہ نشہ میں جو شخص طلاق دے اس کا کیا حکم ہے؟ اس وقت اتفاقاً محمد بن اسمٰعیل پہنچ گئے، قتیبہ نے سائل کو مخاطب کرکے فرمایا، دیکھو احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی کو خدا نے تمہارے پاس بھیج دیا ہے، ان سے مسئلہ پوچھو،

نہیار کہتے ہیں، میں بصرہ میں قتیبہ بن سعید کی خدمت میں حاضر تھا، انہوں نے فرمایا کہ میری درسگاہ میں پورب، پچھم غرض ساری دنیا کے طلبا اور محدثین دور دراز کی مسافت طے کرکے پہنچے، لیکن اب تک محمد بن اسمٰعیل (امام بخاری) جیسا شخص نہیں آیا"

نہیار کہتے ہیں، کہ قتیبہ نے صحیح کہا، میں نے یحییٰ بن معین اور قتیبہ دونوں کو دیکھا، کہ امام بخاری کے یہاں آتے تھے، اور یحییٰ بن معین حدیث اور معرفت اسناد میں امام بخاری کے منقاد رہتے۔

ابراہیم بن محمد بن سلام کہتے ہیں، کہ رؤسائے محدثین سعید بن ابی مریم حجاج بن منہال، اسماعیل بن ابی اویس، حمیدی، نعیم بن حماد، محمد بن یحییٰ بن ابی عمر العدنی

حسین بن علی الحلوانی، محمد بن میمون، ابراہیم بن المنذر، ابو کریب محمد بن العلا، ابن الاشج اور ابراہیم بن موسٰی وغیرہ، محمد بن اسماعیل (امام بخاریؒ) کو بصیرت اور معرفت فی الحدیث میں اپنی ذات پر ترجیح دیتے"

امام احمد بن حنبل جو مذہب کے ایک رکن مانے جاتے ہیں، فرماتے خراسان کی زمین نے امام بخاری جیسا کسی کو پیدا نہیں کیا، امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے اپنے والد سے حفاظ حدیث کا سوال کیا، تو امام احمد نے اول لول امام المحدثین ہی کا نام لیا،

امام المحدثین کی فقاہت کا اندازہ فقہاء و محدثین کی شہادتوں سے کیا جا سکتا ہے، تو فحول محدثین جو بجائے خود ایسے منازل پر پہنچے ہیں جن کے مستقل تذکرے لکھے گئے ہیں، امام بخاری کی فقاہت کی کن پر زور لفظوں میں شہادت دے رہے ہیں لیکن امام کی فقاہت کا معیار ہم اقوال الرجال کو بنانا نہیں چاہتے بلکہ اس کی جانچ کا طریقہ اور ہے، اس کی مستقل بحث حصہ ثانیہ میں آتی ہے

یعقوب بن ابراہیم دورقی اور نعیم بن حماد خزاعی کہتے ہیں "محمد بن اسمعیل فقیہ ھذہ الامۃ"

محمد بن بشار (جو بلقب بندار مشہور ہیں) فرماتے ہیں "محمد بن اسمعیل افقہ خلق اللہ فی زماننا"

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں، میں بصرہ میں موجود تھا، کہ محمد بن اسماعیل (امام بخاری) کی آمد کی خبر پہنچی، محمد بن بشار نے سن کر فرمایا۔

قد مر الیوم سید الفقہاء   آج سید الفقہاء آئے ہیں۔

محمد بن ابراہیم بوشنجی کہتے ہیں، کہ میں نے محمد بن بشار کو ۲۲۸ھ میں فرماتے ہوئے سنا، انا افتخر بہ (محمد بن اسماعیل) منذ سنین" میں امام بخاری کی وجہ سے برسوں سے فخر کرتا ہوں، حالانکہ امام بخاری محمد بن بشار کے تلامذہ میں ہیں

علی بن حجر فرماتے ہیں، کہ خراسان نے تین شخصوں کو پیدا کیا، اول ان میں امام بخاری ہیں، اور امام بخاری سب میں زیادہ فقیہ اور سب سے علم میں زیادہ ہیں،

(علی بن حجر بڑے پایہ کے محدث ہیں، شریک اور اسماعیل بن جعفر کے تلمیذ اور امام بخاری، نسائی، مسلم اور ترمذی کے شیخ ہیں، ۲۴۴ھ میں وفات پائی)

احمد بن اسحاق سرماری (جو بہت بڑے ذی علم اور زاہد تھے امام المحدثین کے شیخ تھے، اور یعلی بن عبید جیسے لوگوں کے تلمیذ تھے ۲۴۲ھ میں وفات پائی) فرماتے، کہ جو شخص چاہے، کہ سچے اور واقعی فقیہ کو دیکھے، تو وہ محمد بن اسمٰعیل کو دیکھے۔

حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں، میں ایک روز امام صاحب کی خدمت میں حاضر تھا آپ کے پاس عمرو بن زرارہ، اور محمد بن رافع موجود تھے اور امام المحدثین پر علل حدیث کے سوالات پیش کر رہے، وقت رخصت ان دونوں نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا، امام بخاری کی شان میں غلطی نہ کرو جس پایہ کے فقیہ وہ ہیں ان کی قدر شناسی کرو ان پر ہمارا تیر نہ پڑ جاوے وہ ہم سے فقاہت اور بصیرت

لہ نسبۃ الی بوشنج بضم الموحدۃ وفتح الشین المعجمۃ وسکون والنون وجیم بلیدۃ نزہۃ خصیبۃ فی واد مشجر من نواحی ہراۃ بینہما عشرۃ فراسخ ۱۲ معجم البلدان سے ۲ بضم اولہ وسکون ثانیہ وبعد الالف راء نسبۃ الی سرمارا قریۃ بینہا وبین بخارا ثلاثۃ فراسخ ۱۲

اور علم میں بڑھے ہوتے ہیں۔

عبداللہ بن محمد بن سعید کہتے ہیں، کہ احمد بن حرب نیشاپوری کا انتقال ہوگیا تو امام اسحاق بن راہویہ، اور امام بخاری جنازہ کے ساتھ جارہے تھے، میں نے اہل علم اور اہل بصیرت کو کہتے سنا، کہ امام بخاری، اسحاق بن راہویہ سے زیادہ فقیہ ہیں

عبداللہ بن محمد فرہیانی لکھتے ہیں، کہ میں ابن اشکاب کی درس گاہ میں حاضر تھا، ایک شخص نے (جو حفاظ حدیث میں گنا جاتا تھا) آکر یہ کہا، کہ ہم کو محمد بن اسماعیل (بخاری) کی حاجت نہیں ہے، ابن اشکاب یہ جملہ سنکر بہت رنجیدہ ہوئے، درس کو بند کردیا، اور ناخوش ہو کر مجلس درس سے اٹھ گئے (ابن اشکاب بڑے پایہ کے محدث، امام وقت تھے، ذہبی لکھتے ہیں الحافظ الامام ۲۱۶ھ میں وفات پائی)

موسیٰ بن قریش کہتے ہیں، عبداللہ بن یوسف تنیسی[۱] نے امام بخاری سے کہا انظر فی کتبی واخبرنی بمافیہا آپ میری کتابوں کو دیکھئے، اور مجھے ان کی غلطیوں پر متنبہ کردیجئے، امام بخاری نے فرمایا نعم ہاں

یہ حیرت سے دیکھا جائے گا، کہ امام بخاری اپنے شیوخ کے علمی مباحث چکانے کے لئے حَکَم مانے جاتے ہیں، اور جو فیصلہ کرتے ہیں، بے تامل ان کے شیوخ مان لیتے ہیں، حالانکہ وہ خود اس فن کے ماہر ہیں، امام المحدثین ایک روز علامہ حمیدی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اتفاقاً علامہ حمیدی اور ایک دوسرے محدث کے مابین ایک حدیث میں اختلاف ہورہا تھا، جب علامہ حمیدی نے امام بخاری کو دیکھا

---

[۱] بکسرتین وتشدید النون ویار ساکنۃ والسین مہملۃ نسبۃ الی تنیس جزیرۃ فی بحر مصر قریبۃ من البر مابین الفرما ودمیاط والفرما فی شرقیہا ۱۲ معجم البلدان۔

فرمایا۔ کہ اب ہمارا فیصلہ ہو جائے گا۔ جب وہ بحث امام بخاری پر پیش کی گئی تو امام بخاری نے علامہ حمیدی کو ڈگری دی۔ کیونکہ حق بجانب وہی تھے۔ (علامہ حمیدی بہت بڑے امام فن تھے۔ ان کی روایت بڑے پائے کی سمجھی جاتی ہے)

ابوبکر مدینی کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن اسحاق بن راہویہ کی مجلس درس میں موجود تھے۔ وہ ایک حدیث پر پہنچے جس کی سند میں صحابی کے شاگرد (عطا کیخارانی) تھے۔ اسحاق بن راہویہ نے امام بخاری سے پوچھا انہیں ہی کیخاران کیا ہے؟ امام المحدثین نے فرمایا یمن کا ایک گاؤں ہے۔ اس کے بعد تفصیل بیان کی کہ حضرت معاویہ نے اپنے عہد خلافت میں ایک صحابی کو یمن بھیجا تھا اُسی وقت عطا کیخارانی نے یہ حدیثیں اسی صحابی سے سنی تھیں۔ اسحاق بن راہویہ نے اس تحقیق کو سن کر امام المحدثین سے فرمایا کہ آپ نے ایسا مفصل بیان کیا کہ گویا آپ وہاں موجود تھے۔

فتح بن نوح نیشاپوری کہتے ہیں۔ میں ایک دفعہ علی بن مدینی کی درس گاہ میں موجود تھا۔ امام المحدثین (بخاری) علی بن مدینی کے دائیں جانب بیٹھے تھے۔ جب علی بن مدینی کوئی حدیث بیان کرتے تو مرعوب ہو کر امام المحدثین کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے۔ کہ کہیں کوئی غلطی تو اس میں نہیں ہوئی۔ امام بخاری کہتے ہیں میں نے کسی ذی علم کے پاس سوائے علی بن مدینی کے اپنے کو ہیٹا نہ جانا۔ کیونکہ وہ بڑے اہل کمال سے تھے۔ حامد بن احمد کہتے ہیں۔ جب اس کا ذکر علی بن مدینی سے کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔

دعوا قولہ فانہ ما رای مثلہ — یعنی امام بخاری کی بات چھوڑ دو کیونکہ انہوں نے اپنے جیسا کسی کو نہیں دیکھا

امام المحدثین کہتے ہیں۔ علی بن مدینی مجھ سے مشائخ خراسان کے حالات پوچھتے

عہ بلیخ الکاف والمیمۃ بینھما تحتانیۃ ساکنۃ ۱۲ خلاصہ

جب میں محمد بن سلام بیکندی[1] (امام بخاری کے قدیم شیخ ہیں) اکا ذکر کرتا۔ تو وہ نہیں پہچانتے۔ آخر ایک دن کہنے لگے کہ امام بخاری جس کو تم سکار و وہ میرے نزدیک اچھا ہے "نہیں پہچانتا" اس کے معنی ہوئے مستور الحال ناقابل حجت ہونا۔ یہ ایک قسم کی جرح ہے،

ایک دفعہ عمرو بن علی فلاس کے شاگردوں نے ایک حدیث امام المحدثین سے پوچھی امام نے فرمایا۔ لااعرفہ۔ مجھے نہیں معلوم۔ یہ سن کر سائلین کو بڑی خوشی ہوئی اور یہ سمجھے کہ امام بخاری کو یہ حدیث معلوم نہیں۔ وہ لوگ عمرو بن علی فلاس کے پاس گئے اور عرض کیا کہ ہم نے ایک حدیث امام بخاری سے پوچھی۔ وہ حدیث اُن کو معلوم نہ تھی۔ ابن فلاس نے کہا۔ جس حدیث کو امام بخاری نہ پہچانیں وہ حدیث ہی نہیں۔ یہ تمہاری خوشی بے موقع ہے۔ ابن فلاس کہا کرتے۔ میرے دوست محمد بن اسمٰعیل جیسا خراسان میں کوئی نہیں۔

حافظ رجاء بن مرجا بڑے پایہ کے محدث ہیں۔ خطیب کہتے ہیں "امام فی علم الحدیث" ان کے اوصاف جوال رجال مصنف مشہور اوصاف ہیں ۲۴۹ھ میں انتقال فرمایا فرماتے "فضل محمد بن اسماعیل علی العلماء کفضل الرجال علی النساء" امام بخاری کی فضیلت سارے علماء و فقہا محدثین پر ایسی ہی ہے۔ جیسے مردوں کو عورتوں پر اور فرماتے "

وھو اٰیۃ من اٰیات اللہ تمشی علی الارض — یعنی امام بخاری خدا کی ایک نشانی ہیں جو زمین پر چلتی پھرتی ہے۔

حسین بن حریث (جو امام بخاری۔ نسائی۔ ترمذی۔ اور مسلم کے شیخ ہیں۔

---

[1] بکسر الموحدۃ وسکون التحتانیہ بعدھا کاف مفتوحۃ نسبۃ الی بیکند بلدۃ بین بخاری وجیحون علی مرحلۃ من بخاری معجم البلدان

اور عبداللہ بن مبارک فضل بن موسیٰ اور نضر بن شمیل جیسے تابعیوں کے شاگرد ہیں بہت بڑے شخص ہیں ۲۳۴ھ میں وفات پائی، کہا کرتے ۔

ما رأیت مثل محمد بن اسمٰعیل ۔ میں نے امام بخاری جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا وہ رسول اللہ صلعم کی حدیثوں ہی کی خدمت کے لیے پیدا کئے گئے تھے

کانہ لم یخلق الا للحدیث

ابوبکر بن ابی شیبہ اور محمد بن عبد بن نمیر سے کون ناواقف ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں۔ ہم نے امام بخاری جیسا اہل کمال کسی کو نہیں دیکھا۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ امام صاحب کو "بازل" (کامل) کہا کرتے۔

فربری کہتے ہیں۔ عبداللہ بن منیر کو میں نے دیکھا کہ امام بخاری سے احادیث لکھ رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں "انا من تلامذتہ" حالانکہ وہ امام صاحب کے شیوخ سے ہیں۔ امام صاحب نے صحیح بخاری میں بہت سی حدیثیں ان سے روایت کی ہیں۔ ان کی وفات اور امام احمد بن حنبل کی وفات ایک سنہ میں واقع ہوئی! امام المحدثین خود ان کی مدح میں فرماتے "لم ار مثلہ"

✓ وراق کہتے ہیں کہ میں نے یحیٰی بن جعفر بیکندی کو کہتے سنا۔ کاش میں اپنی عمر کا ایک حصہ امام بخاری کی حیات میں بڑھا دیتا۔ میری موت آدمی کی موت ہوگی۔ اور امام بخاری کی موت علم کی موت ہے۔ اور فرماتے اگر امام بخاری نہ ہوتے تو نیشاپور میں زندگی خوشگوار نہ ہوتی۔ ✓

عبداللہ بن محمد المسندی فرماتے۔ امام بخاری امام ہیں۔ جو اُن کو امام نہ جانے ... متہم سمجھو! اور فرماتے حفاظ دنیا میں تین ہیں اول ان میں امام بخاری ہیں

حاشد کہتے ہیں۔ ایک دفعہ ہم لوگ امام بخاری کی درس گاہ میں حاضر تھے

اسحاق ابن راہویہ اور عمرو بن زرارہ بھی موجود تھے۔ عمرو بن زرارہ امام بخاری کے مستملی تھے۔ اور محدثین امام بخاری سے حدیثیں لکھ رہے تھے۔ اسحاق بن راہویہ لوگوں سے کہتے جاتے تھے۔ محمد بن اسماعیل البصر منی۔ امام بخاری مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔ حالانکہ امام بخاری اُس وقت سبزہ آغاز جوان تھے۔

امام بخاری کے معاصرین اور اقران کی رائیں

"المعاصرة سبب المنافرة" ایک مشہور مقولہ ہے۔ معاصرین کی چشمک سے بچنا نہایت مشکل امر ہے۔ یہ عادت قریبًا طبیعت ہوتی ہے۔ کہ جو ہم فن اہل کمال ایک زمانہ میں ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے کمال کا اعتراف کما حقہ نہیں کرتے۔ الا ماشاءاللہ۔ جب ایک ہی عہد کے دو ہم فن اہل کمال کے دل ٹوٹے جاتے ہیں۔ تو ان کی باہمی بے پروائی رقابت کے اثر سے کم و بیش پرخاش و مغائرت کی حد تک ترقی کی ہوئی نظر آتی ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ امام بخاری کے بارے میں ان کے اُن معاصرین کی آراء و اقوال کو نقل کریں جن کا فضل و کمال مانا ہوا ہے۔ اور وہ باوجود معاصرت کے امام صاحب کے کمالات کو صرف حیرت ہی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ بلکہ ان کے فضل و کمال کا اعتراف ایسے الفاظ میں کرتے ہیں۔ جن سے امام صاحب کی اعلیٰ درجہ کی علمی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور ہر منصف مزاج کے لیے ان کی خداداد فقاہت اور قوتِ حافظہ فہم و تجر علمی کے اندازہ کرنے کا پیمانہ ہاتھ لگتا ہے۔ گو صحیح بخاری کے ہوتے ہوئے ان خارجی شہادتوں کی ضرورت نہیں۔

امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں۔ کہ خراسان میں امام بخاری جیسا کوئی احفظ

نہیں ہوا۔ اور نہ خراسان سے عراق کی طرف امام بخاری جیسا ذی علم کوئی آیا۔

محمد بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے امام زرعہ سے ابن لہیعہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا۔ ترکہ ابو عبداللہ" یعنی امام بخاری نے اسے متروک کر دیا ہے۔ پھر اس کے بارے میں کیا پوچھنا ہے۔

حسین عجلی کہتے ہیں۔ کہ میں نے امام بخاری اور مسلم سے بڑھکر حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ امام مسلم سب کچھ تھے لیکن امام بخاری کے رتبے کو نہ پہنچ سکے! ور میں نے امام ابو زرعہ اور ابو حاتم رازی کو امام بخاری کی باتوں پر کان لگا کر دھیان سے سنتے دیکھا۔ امام المحدثین کی نسبت عجلی کے اور الفاظ یہ ہیں:۔

کان امۃ من الامۃ دینا فاضلا	یعنی امام بخاری ایک امت تھے بڑے
یحسن کل شئ وکان اعلم من محمد	دیانت دار۔ ہر فن کو اچھا جانتے تھے۔ اور
بن یحیی بکذا وکذا۔	محمد بن یحیٰی ذہلی سے کئی گونہ بڑھ کر تھے۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی صاحب السنن فرماتے ہیں کہ میں حرمین حجاز شام عراق سب جگہ پھرا اور علماء سے ملاقات کی لیکن امام بخاری جیسا جامع کسی کو نہیں پایا امام بخاری ہم سے کہیں بڑھ کر فقیہ عالم طالب حدیث تھے۔

امام دارمی سے ایک حدیث کی صحت کا سوال کیا گیا۔ جس کی تصحیح امام بخاری کر چکے تھے امام دارمی نے امام صاحب کی تصحیح ان کر سائل سے فرمایا۔ امام بخاری مجھ سے کہیں بڑھ کر بصیرت والے ہیں۔ امام دارمی کے اور الفاظ یہ ہیں۔

هو اکیس خلق اللہ عقل عن اللہ	"یعنی امام بخاری خدا کی مخلوق میں سب سے ہوشیار
ما امر بہ ونہی عنہ من کتابہ و	دانا ہیں۔ خدا نے قرآن میں یا اپنے نبی کی زبان

علی لسان نبیہ اذا قرأ محمد القرآن شغل قلبہ وبصرہ وسمعہ وتفکر فی امثالہ وعرف حلالہ من حرامہ

(احادیث نبویہ میں) جو احکام فرمائے یا جس سے منع کیا۔ ان کو امام بخاری نے خوب سمجھا جب وہ قرآن پڑھتے ان کی آنکھ ان کا دل قرآن میں گڑ جاتا۔ وہ اس کے کلیات میں غور کرتے۔ اس کے حلال و حرام پہچانتے۔

ابو حاتم بن منصور فرماتے ہیں کہ امام بخاری بوجہ علمی بصیرت اور عبور کے خدا کی ایک نشانی ہیں۔

ابو سہیل نقیہ کہتے ہیں کہ میں بصرہ۔ کوفہ۔ شام ، حجاز سب جگہ پھرا اور ہر جگہ کے علماء سے ملا۔ جب امام بخاری کا تذکرہ ان کے درمیان میں ہوتا۔ تو سب کے سب بالاتفاق امام بخاری کو اپنے اوپر فضیلت دیتے۔

ابو سہیل کہتے ہیں میں نے مصر میں تیس اہل کمال سے زیادہ کو کہتے سنا کہ ہماری آرزو دنیا میں صرف یہی ہے کہ امام بخاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ ان کی زیارت سے ہماری آنکھیں منور ہوتیں۔

صالح بن محمد جزرہ کہتے ہیں کہ مارأیت خراسانیاً افھم من محمد بن اسمعیل واحفظ للحدیث

امام بخاری دارالعلوم بغداد میں درس دے رہے تھے۔ تو صالح بن محمد امام صاحب کے مستملی تھے۔ صالح بن محمد کہتے ہیں کہ امام صاحب کی درس گاہ کے حاضرین کی تعداد بیس ہزار تھی۔ محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ بغداد کے اہل علم نے امام بخاری کو ایک خط لکھا۔ جس میں امام صاحب کو مخاطب کر کے یہ شعر لکھا ؎

المسلمون بخیر ما بقیت لھم | ولیس بعدک خیر حین تفتقدا

یعنی امام بخاری جب تک تم زندہ ہو مسلمانوں میں خیر و برکت ہے۔ خدانخواستہ آپ جس وقت نہیں رہیں گے تو اُس وقت خیر و برکت کہاں۔

امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ کہتے ہیں۔ امام بخاری سے بڑھ کر احادیث رسول اللہ کا عالم آسمان کے نیچے کوئی نہیں ہے۔

ابو عمرو خفاف کہتے ہیں "امام بخاری علم حدیث میں امام احمد و اسحاق سے بیسیوں درجہ بڑھ کر ہیں۔ جو شخص امام بخاری کے بارے میں کلام کرے گا اُس پر میری طرف سے ہزاروں لعنتیں ہیں۔ اگر امام بخاری اس دروازہ سے گذر جائیں۔ اور میں حدیث بیان کرتا ہوں تو میں رعب سے بھر جاؤں"

عبداللہ بن حماد املی کہتے ہیں "میری یہی تمنا تھی کہ میں امام بخاری کے جسم کا ایک بال ہوتا۔ اور جو شرف اُس بال کو حاصل ہے۔ مجھے حاصل ہوتا"

سلیم بن مجاہد کہتے ہیں۔ ساٹھ برس گذر گئے کہ میں نے کسی کو امام بخاری سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔ حافظ موسیٰ بن ہارون حمال کہتے ہیں۔ کہ میری تحقیق ہے کہ اگر کل اہل اسلام مجتمع ہو کر امام بخاری جیسا شخص دکھلانا چاہیں تو نہ دکھلا سکیں گے۔

تقیید المہمل اور مقدمہ فتح الباری وغیرہ سے بخیال اختصار مشاہیر فضلا کے چند نام گنائے گئے جن کا علم و فضل مسلم ہے۔ اور جن کی تحقیقات پر اہل اسلام ناز کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ لکھنے کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ اس کے لیے طبقات کبریٰ۔ الفوائد الدراری۔ مقدمہ فتح الباری کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

فضلائے متاخرین کی رائیں

امام بخاری کی مدح وثنا میں اگر متاخرین کے اقوال نقل کئے جائیں تو کتنے دفتر لکھنے پڑیں۔ حافظ ابن حجر کا یہ مقولہ نہایت صحیح ہے۔

ولو فتحت باب ثناء الائمۃ علیہ ممن تاخر عن عصرہ لفنی القرطاس ونفدت الانفاس فذاک بحر لا ساحل لہ وانما ذکرت کلام ابن عقدۃ وابی احمد عنوانا لذلک وبعد ما تقدم من ثناء کبار مشائخہ علیہ لا یحتاج الی حکایۃ من تاخر لان اولئک انما اثنوا بما شاھدوا ووصفوا بما علموا بخلاف من بعدھم فان ثناءھم ووصفھم مبنی علی الاعتماد علی ما نقل الیھم وبین المقامین فرق ظاھر ولیس العیان کالخبر۔

یعنی امام بخاری کی مدح میں اگر متاخرین کے اقوال نقل کرنے شروع کردیں۔ تو کاغذ ختم ہو جائے اور عمر صرف ہو جائے متاخرین کی مدح سرائی بحر بے پایاں ہے۔ متاخرین میں ابن عقدہ، اور ابو احمد کے اقوال میں نے بطور نمونہ کے نقل کئے ہیں۔ کیونکہ مشائخ کبار کی مدح کے بعد متاخرین کی مدح سرائی کی کوئی حاجت نہیں متقدمین نے جو دیکھا تھا کہا جو متقدمین سے لکھیں یا سنیں اور ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“

ہمارا پختہ ارادہ تھا کہ امام المحدثین کی شان میں فضلائے متاخرین کے اقوال بالتفصیل لکھیں۔ اور ہر صدی کے اہل علم کے اقوال ملتقط کرنے کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ عنوان قائم کریں۔ لیکن ایسا کرنے میں تطویل لاطائل تھی جس سے ہم کو ہمارے احباب نے بزور روکا۔ اور حقیقت میں کتاب کا حجم اس قدر بڑھ جاتا کہ طبع کے بار کا متحمل ہونا مشکل تھا۔ اس لیے ہم نے مجبور ہوکر شیخ الاسلام کے فقرات

مذکورہ بالا پر اکتفا کی۔ جس کا جی چاہے شروح صحیح بخاری اور کتب تاریخ و رجال سے ان اقوال کو ملتقط کرے۔

تاہم اس خصوصیت کے لحاظ سے کہ یہ کتاب اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور زیادہ حصہ اس زبان کے سمجھنے والوں کا وہ ہے۔ جو انہیں بزرگوں کے اقوال کا پابند ہے جو ان کے ہم مشرب ہوں۔ اس لیے ان کے ہم مشرب علماء کے چند اقوال ان کی تشفی کے لیے نقل کر دیئے جاتے ہیں۔ علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں۔

الحافظ الحفیظ الشہیر الممیز الناقد البصیر الذی شہدت بحفظہ العلماء الثقات واعترفت بضبطہ المشائخ الاثبات ولم ینکر فضلہ علماء ہذا الشان ولا تنازع فی صحۃ تنقیدہ اثنان الامام الہمام حجۃ

(عینی شرح بخاری ص۵) امام بخاری حدیثوں کے پرکھنے والے اہل بصیرت و اہل شہرت ہیں امام ہیں اہل اسلام کے لیے حجت ہیں۔ علمائے ثقات نے ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے۔

ایضاً صحیح بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اتفق علماء الشرق والمغرب علی انہ لیس بعد کتاب اللہ اصح من صحیحی البخاری ومسلم

(عینی شرح بخاری ص۵) تمام دنیا کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ خدا کی کتاب کے بعد صحیح بخاری و مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ———

ایضاً لقد اطبق علی قبولہ بلا اختلاف علماء الاسلاف والاخلاف (عینی علی البخاری)

یعنی علمائے متقدمین و متاخرین صحیح بخاری کی مقبولیت پر متفق ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی صاحب رد المختار شارح در المختار کا قول ہے[1]

---

[1] عقود اللآلی فی مسند العوالی مطبوعہ مصر ۱۲

كالامام البخاري حجة للرسول البشير النذير
حيث وجد في امته مثل هذا الفرد
العديم النظير من كان وجوده من النعم
الكبرى على العالم امير المومنين في الحديث
احد سلاطين الاسلام الامام المجتهد
ابو عبد الله محمد بن اسمعيل البخاري بن
المغيرة بن بردزبة الجعفي مولاهم امير
المؤمنين وسلطان المحدثين الحافظ الشهير
والناقد البصير وقد اجمع الثقات على حفظه واتقانه وجلالة قدره كما علماء الاسلام اهل عصره

یعنی امام بخاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں کہ حضرتؐ کی
امت میں ایسا بےنظیر شخص پایا گیا ہے جو بے مثل
ہے جس کا وجود ایک نعمت کبریٰ ہے جو
امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں سلطان المحدثین ہیں
امام ہیں مجتہد ہیں ناقد بصیر ہیں۔ آگے لکھتے
ہیں (امام بخاری کی جلالت قدر پر، حفظ پر،
اتفاق پر تمام دنیا کے ثقہ لوگوں نے اتفاق کیا ہے

(ایضاً) صحیح بخاری کے بارے میں

وكتابه اصح الكتب بعد كتاب الله
ذي الجلال واصح من صحيح مسلم
على اصح الاقوال

صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب ہے،
اور صحیح مسلم سے اس کا اصح اور بلند پایہ
ہونا یہی صحیح قول ہے۔

شیخ نور الحق پسر شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی کا قول "وے امام بخاری)
در زمان خود در حفظ احادیث و اتقان آں و فہم معانی کتاب و سنت و حدت
ذہن و جودت قریحہ و وفور فقہ و کمال زہد و غایت ورع و کثرت اطلاع بر طرق
حدیث و علل آں و دقت نظر و قوت اجتہاد و استنباط فروع از اصول نظیرے
نداشت[1]" حقیقت امر یہ ہے کہ متاخرین علما کے اقوال سے امام المحدثین کی

---

[1] شرح فارسی بخاری ۱۲

تبحر علمی، وسعت معلومات، ذکاوت قوت اجتہاد۔ سیلان ذہن۔ قوت حافظہ پر روشنی ڈالنی بے شبہ آفتاب کو شعل دکھانا ہے۔ بے ساختہ یہ مصرع زبان پر جاری ہو جاتا ہے ؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب

شیخ عبدالحق محدث دہلوی یا علامہ بحرالعلوم لکھنوی یا دیگر فضلاء کے اقوال سے امام المحدثین کی رفعت شان دکھلانی ایک فعل عبث ہے بلکہ امام المحدثین کی عظمت شان کو گھٹانا ہے۔ علامہ سبکی کا یہ فرمانا بہت صحیح ہے[1]

علا عن المدح حتی ما یزان بہ ۔۔۔ کانما المدح من مقدار لا یضع

امام بخاری کی نسبت بلند خیال لوگوں کی باتیں

جہاں بلند خیال اہل تقلید نے اپنی وسعت دماغی اور بلند پروازی سے حضرت عیسیٰؑ اور امام مہدیؑ جیسے لوگوں سے اپنے ائمہ کی تقلید کرا چھوڑی حنفیوں نے کہا امام آخر الزماں حنفی ہوں گے، شافعیوں نے کہا شافعی ہوں گے

---

[1] مادحین کی مدح ان کے ہم رتبہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ مدح ان کے رتبہ سے نیچی رہ جاتی ہے ۱۲

[2] درمختار میں لکھتے ہیں وقد جعل اللہ الحکم لاصحابہ واتباعہ من زمنہ الی ھذہ الایام الی ان یحکم بمذھبہ عیسیٰ علیہ السلام اور علامہ طحطاوی لکھتے ہیں ادعی بعض الحنفیۃ ان کلا من عیسیٰ والمھدی یقلد ان مذھب الامام ابی حنیفۃؒ۔ یعنی صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب برابر رہے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام انہیں کے مذہب کے مقلد ہوں گے۔ اسی طرح علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ بعض حنفیہ نے یہ بھی کہا کہ حضرت عیسیٰ اور امام مہدی دونوں امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہوں گے۔ پھر لکھتے ہیں علا ان الشافعیۃ یقولون بموافقتہ اجتہادہ للشافعیؒ ۱۲

جس سے صوفی وقت علامہ محی الدین ابن عربی جیسے صاف طینت کو اس قدر تکلیف پہنچی کہ ان سے بھی باوجود سادہ دلی کے نہ رہا گیا۔ اور فتوحات مکیہ میں صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے، خلاف عقل تھا کہ ایسے بلند خیال لوگ[۱] امام المحدثین سے چوک جائیں۔ علامہ عجلونی لکھتے ہیں، کہ امام صاحب کے مذہب میں اہل تقلید نے اختلاف کیا ہے، بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ امام صاحب شافعی[عہ] تھے، ابوعاصم نے امام صاحب کو طبقات شافعیہ میں شمار کیا اور وجہ یہ لکھی انہ سمع من الکرابیسی وابی ثور والزعفرانی وتفقہ علی الحمیدی وکلھم من اصحاب الشافعی یعنی امام بخاری اس جرم میں شافعی ہیں کہ انہوں نے کرابیسی ابی ثور۔ زعفرانی سے حدیثیں سنیں، اور حمیدی سے تفقہ حاصل کیا اور یہ سب

---

[۱] اصل عبارت یہ ہے تنبیہ سماتقدم انفا من اخذ البخاری عن الکرابیسی والزعفرانی وابی ثوران یکون شافعیا وقد اختلف فی مذھبہ فقیل انہ شافعی المذھب وجری علیہ التاج السبکی فی طبقاتہ فقال وذکرہ ابوعاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیۃ وقال انہ سمع من الکرابیسی وابی ثور والزعفرانی وتفقہ علی الحمیدی وکلھم من اصحاب الشافعی انتہی وقیل انہ حنبلی وذکرہ ابوالحسن بن الفراء فی اصحاب الامام احمد بن حنبل واسند عن البخاری انہ قال دخلت بغداد ثمان مرات وفی کل ذلک اجالس احمد بن حنبل فقال لی اخر ما ودعتہ یا ابا عبد اللہ تترک العلم والناس وتصیر الی خراسان فقال البخاری فانا الاٰن اذکر قولہ

[عہ] صحیح بخاری میں امام شافعی پر مسائل فقہیہ میں نجاستہ غسالۃ الشعر وصلوۃ الجمعۃ عن الاربعین وغیرہ میں صراحۃً رد موجود ہے ۱۲ منہ

امام شافعی کے تلامذہ ہیں۔ ابو عاصم کے خلاف علامہ ابوالحسن ابن عراقی یہ فرماتے ہیں کہ نہیں امام صاحب حنبلی المذہب تھے۔ اس لیے کہ امام احمد بن حنبل کے تلامذہ میں ہیں۔ عہ امام بخاری کا خود اپنا بیان ہے کہ میں آٹھ بار بغداد گیا ہوں اور ہر بار امام احمد کے پاس بیٹھا۔ آخری بار جب میں رخصت ہونے لگا تو آپ نے اجازت دینے میں تامل فرمایا تھا۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ امام صاحب کو کسی نے حنفی نہیں لکھا حالانکہ جب تفقہ کے خیال سے حنبلی یا شافعی کہا جاتا ہے تو امام صاحب کو حنفی بھی ضرور کہنا چاہیے کیونکہ ابتدا تحصیل میں قبل از سفر امام صاحب نے فقہ حنفی اور اس کے اصول تخریج کو حاصل ہی نہیں بلکہ اچھی طرح ازبر کر لیا تھا خود امام صاحب کا بیان ہے فہمت وحفظت کلام ھولاء۔ افسوس کسی صاحب نے اس طرف توجہ نہ کی۔ شاید صحیح بخاری کے بعض الناس نے اس طرف سے خیال پھیر دیا۔ ہمیں افسوس ہے ان لوگوں پر جن کو طبقات شافعیہ کے مطالعہ کی بھی نوبت آئی ہے اور پھر امام بخاری کو شافعی المذہب قرار دیتے ہیں، حالانکہ ابو عاصم اور سبکی و ابن الملقن وغیرہ کی ایک خاص اصطلاح ہے وہ یہ کہ جن کو امام شافعی یا امام احمد سے علاقہ تلمذ کا ہوتا ہے ان کو طبقات شوافع و طبقات

عہ اگر سلسلہ تلمذ سے مقلد ہونا ثابت ہو سکتا ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کس جرم میں اس قانون سے الگ کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کا تلمذ امام مالک سے کتب اصول حدیث (تدریب وغیرہ) میں بصراحت موجود ہے۔ اور امام شافعی کا تلمذ محتاج بیان نہیں پھر یہ لوگ کیونکہ مالکی نہ ہوئے ۱۲ منہ

حنابلہ میں شمار کرتے ہیں اگرچہ اس نے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سے مذہب میں مخالفت کی ہو اور اگرچہ وہ مذہب مستقل نہ رکھتا ہو اور صاحب اجتہاد ہو۔ اسی بنا پر ابو عاصم اور علامہ سبکی نے طبقات شوافع میں امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری وغیرہ کو شمار کیا حالانکہ یہ لوگ بلا نکیر صاحبِ اجتہاد اور صاحبِ مذہب مستقل ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جب اہل تقلید نے ائمہ کی تقلید کے وجوب کا دعویٰ کیا وہ بھی ائمہ اربعہ کی تقلید کا تو اب اس دعوائے وجوب کے بعد کسی کو محقق کیوں کر کہہ سکتے تھے۔ اور اپنے ائمہ کی تخریجات کے سامنے کسی کے علم و قوت اجتہاد کو کیوں کر تسلیم کر سکتے تھے۔ شاید اور بھی ممکن ہوتا تو ترقی کر کے تابعین و صحابہ کو اپنے ائمہ کا مقلد بناتے، آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر اولوالعزمؑ کو اور امام مہدیؑ کو حنفی اور شافعی بنا دیا۔

علامہ عجلونی ان دو قولوں کے بعد ایک تیسرا قول لکھتے ہیں وقیل کان مجتہدا مطلقا واختارہ السخاوی قال والمیل بکونہ مجتہدا مطلقا صرح بہ تقی الدین تیمیہ فقال انہ امام فی الفقہ من اھل الاجتہاد۔ یعنی امام بخاری مجتہد مطلق تھے اسی کو علامہ سخاوی نے مختار کہا ہے اور کہا اسی کو ترجیح ہے کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے ان کے مجتہد مطلق ہونے کی تصریح کی ہے علامہ تقی الدین بن تیمیہ نے۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام المحدثین امام فی الفقہ تھے اور اہل اجتہاد تھے۔

سے اسی طرح علامہ شامی و شیخ نور الحق و شیخ الاسلام و دیگر لوگوں نے امام صاحب کے (باقی برصفحہ آئندہ)

طبقاتِ صوفیہ میں امام صاحب کا شمار

یہ بات کچھ کم حیرت سے نہیں دیکھی جائے گی کہ مشہور محقق علامہ شعرانی نے امام المحدثین کو ان صوفیوں میں شمار کیا ہے جن کا تصوف مانا ہوا ہے اور جن کی پیروی کی جاتی ہے، علامہ موصوف اپنی اس قابل قدر تصنیف کے بارے میں جس میں انہوں نے امام صاحب و دیگر صوفیائے کرام و اولیاء اللہ کے حالات انتخاب فرمائے ہیں، لکھتے ہیں لخصت فیہ جماعۃ من الاولیاء الذین یقتدی بھم من الصحابۃ والتابعین الی اخر القرن التاسع وبعض العاشر خلاصہ یہ کہ میں نے اس کتاب میں صحابہ اور تابعین اور نویں صدی تک کے تمام ترا، اور دسویں صدی کے بعض ان اولیاء اللہ کی جماعت کو منتخب کیا ہے جن کی اقتدا کی جاتی ہے، یہ کتاب علامہ موصوف کی مشہور کتاب الطبقات الکبریٰ کا ایک حصہ ہے۔ اس حصہ کا نام محقق موصوف نے لواقح الانوار فی طبقات الاخیار رکھا ہے، علامہ کے قول سے واضح ہے کہ اس کتاب کا موضوع ہی علامہ نے مانے ہوئے اولیاء اللہ کے نفوس قدسیہ کو قرار دیا ہے، پھر علامہ نے اپنی اس تالیف کی غایت یہ بتائی

(بقیہ صفحہ سابقہ) مجتہد مطلق ہونے کی تصریح کی ہے ۱۲ منہ وقال صاحب الغنیین ان البخاری مجتہد لا ریب فیہ وما اشتہر انہ شافعی فلموافقتہ ایاہ فی المسائل المشہورۃ انتہی وقد بسط شیخنا الکلام علی مذاہب اصحاب الصحاح الست فی مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص۲۳ فارجع الیہا ۱۲ عبید اللہ رحمانی

ومقصودی من ھذا التالیف فقد — یعنی میرا مقصود اس تالیف سے سلف کا طریقہ بتانا ہے
طریق القوم فی التصوف من احاب — کہ ان کا طریقہ تصوف میں کیا تھا۔ ان کے مقامات
المقامات والاحوال لاغیر۔ — ان کے احوال کیسے تھے۔

امام بخاری کو طبقاتِ صوفیہ میں شمار کرنے کو دو جماعتیں سخت حیرت کی نگاہ سے دیکھیں گی۔ ان میں پہلی جماعت موجودہ صوفیوں کی ہے۔ اس لیے کہ موجودہ زمانہ کے عملی تصوف اور مروجہ صوفیت پر نظر کرتے ہوئے یہ جملہ کہ "امام بخاری مانے ہوئے کامل صوفی تھے" نہایت بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے امام بخاری کے دربار میں نہ عرس تھا نہ محفل قوالی۔ نہ تصور شیخ نہ آنکھیں بند کرنی نہ چلہ کشی۔ نہ رسم گاگر۔ نہ مُردوں سے مدد مانگنی۔ نہ کوئی درگاہ۔ نہ قل۔ نہ فاتحہ۔ نہ مریدوں کے نذرانے پر گذارہ۔ نہ قبروں کا چڑھاوا۔ نہ قیام مولد۔ نہ مجلس مولود کی ہیئت کذائی۔ نہ گلے ملا ملا کر غزلیات گانے نہ اہل حال کا اچھل کود۔ نہ وحدت وجود کا عقیدہ۔ نہ صلوٰۃ غوثیہ۔ نہ مراقبہ کشف قبور۔ بلکہ صرف احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس اسی کی پابندی اسی کا چرچہ تھا جو موجودہ تصوف کی بیخ و بنیاد کا استیصال کرتا ہے"

دوسری جماعت اہلحدیث کی ہے۔ امام بخاری کی نسبت یہ جماعت یقین کرتی ہے کہ وہ سیرۃ رسول اللہؐ کے دلدادہ تھے۔ اسی کی تدوین اور اشاعت و پابندی میں اپنی عمر کا سارا حصہ تمام کر دیا و بدعات سے محترز تھے اسی وجہ سے جس قدر فرقے نئے نئے پیدا ہو گئے تھے۔ ان کو امام صاحب بدعتی اور محدث کہتے تھے۔ اور ان کار د نہایت جوش سے صحیح بخاری میں

لکھا ہے۔ یہاں تک کہ اعمال کے جزو ایمان ہونے کا صراحتاً حدیثوں میں تذکرہ وارد ہوا۔ اس وجہ سے جو اس کا قائل نہ ہوتا اس کو امام صاحب مرجی کہتے۔ امام صاحب کی اس طرز زندگی پر نظر کرتے ہوئے کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ وہ صوفی تھے کیونکہ تصوف بھی ایک محدث چیز ہے امام صاحب کو صوفی کہنا امام صاحب کے دامن تقدس پر بدعت کا دھبہ لگانا ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ تصوف جس نے آج اپنے اتباع کو حد سے زیادہ بدنام کر رکھا ہے کسی زمانہ میں بڑی خیر و برکت اور بہت ہی محمود چیز تھی۔ احکام شرعی کی سختی سے پابندی۔ ایثار نفس ... ہدایت مخلوق میں سعی کرنی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کا شوق۔ مصائب پر صبر و استقامت۔ جہاد کے لیے ہمہ تن مستعد رہنا۔ اپنے نفس کا انتقام نہ لینا۔ مکارم اخلاق کا پھیلانا۔ دنیا سے بے رغبتی۔ پابندی تقویٰ۔ بدعات سے اجتناب۔ غرض شریعت نے جن باتوں کو عزم امور، تاکیدی باتیں اور اصلی مقاصد فرمائی ہیں انہیں کا اصلی مرجع تھا۔ ان کو کون محمود نہ کہے گا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں باتوں سے خاک سے اکسیر اور مس سے کندن بن گئے۔ ان کا تصوف نام رکھنا اصطلاح جدید تو بیشک ہے۔ لیکن مقصود واضح ہو جانے پر چنداں مضائقہ نہیں۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

اس عالم کا ایک عام قانون ہے "تغیر" اس عام قانون سے تصوف کیونکر مستثنیٰ رہ سکتا تھا۔ اختلاط اقوام و مذاہب و امتداد زمانہ سے اس نے بھی کئی رنگ اختیار کئے۔ اگر ہمارے وہ برادران جو صاف اور بے لوث مسلمان رہنا

پسند فرماتے ہیں ہمیں اجازت دیں تو ہم کہہ سکتے ہیں (گو اصطلاح جدید ہے) کہ ابتدائی حالت تصوف کی وہی تھی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے عملی برتاؤ سے دکھلایا جو آج تک کتب احادیث و دفاتر حدیثیہ میں بے کم و کاست محفوظ ہے۔ جب تک فلسفہ یونان نے مسلمانوں میں زور نہیں پکڑا تھا۔ رومن کیتھلک کا اختلاط نہیں ہوا تھا۔ تصوف اپنی اصلی صورت پر باقی تھا۔ لیکن فلسفہ کی یورش۔ رومن کیتھلک کے اختلاط نے تصوف میں بہت بڑا اثر پیدا کیا، وحدت وجود خاص فلسفہ یونان کا مسئلہ ہے۔ تصوف کا جزو اور لازمی امر مانا گیا۔ منصور کا انا الحق۔ اور ایک دوسرے صوفی کا یہ شعر ؎

پنجہ در پنجۂ خدا داریم + ما چہ پروائے مصطفےٰ واریم

اسی تصوف کا نتیجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے بزرگان دین کو حاضر ناظر جاننا مخلوق کو خالق میں اور خالق کو مخلوق میں گھٹ میل کرنا اسی کے تخیلات کا نتیجہ ہے۔ فصوص الحکم۔ و تالیفات محقق طوسی وغیرہ اسی فلسفہ کے اختلاط کے نتائج ہیں۔ تصوف نے فلسفہ یونان سے وہ وہ دقیق ابحاث لیے جو عام ذہنوں سے کہیں بالاتر تھے۔ اسی وجہ سے تصوف بہت مشکل امر سمجھا گیا اور بات یہ بنائی گئی کہ یہ علم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے سینہ بسینہ آتا ہے۔ جو جس قدر فلسفی تھا اُسی قدر کامل صوفی سمجھا گیا۔ اور تصوف ایک نہایت دقیق فن شمار کیا گیا۔ یہ سب ہے تصوف کا دوسرا دور جو در حقیقت فلسفہ یونان ہے۔ اس کے

بعد تصوف نے ہنود برہمنوں جو تشیوں جوگیوں گبر دشن کے اختلاط سے ایک تیسرا رنگ اختیار کیا۔ تصور شیخ جو کہ ماھذہ التماثیل التی انتم لہا عاکفون کا پورا نوٹ ہے جزو تصوف قرار دیا گیا اپنے ایجاد کردہ ریاضات عملیات اور زیادہ تر جوگیوں جوتشیوں برہمنوں گبروں کے عملیات ریاضات کی مشاقی سے سرد کار رہ گیا۔ اس کے علاوہ عرس کرنا طواف قبر کرنا مُردوں کو پکارنا۔ قبروں پر غلاف چڑھانا۔ رسول اللہ صلعم اور دوسرے بزرگوں کو غیب دان یقین کرنا۔ چلہ کشی کرنی۔ آنکھیں بند کرنی۔ کا کلیں بڑھانی۔ قوالی کرانی کشف قبور کے لیے مراقبہ کرنا۔ غرض اسی طرح کی بیسیوں باتیں ہیں جو آج کل تصوف

لہ ہمارے اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے نعمانی صاحب کی وہ شہادت کافی ہے جو آپ نے الندوہ جلد ۵ ۱ میں دی ہے۔ آپ لکھتے ہیں: بہت سے مسلمانوں کے فضلاء نے آذر کیوان کی شاگردی کی، اور چونکہ وہ موحد صوفی تھا اس لیے سلوک کے مقامات اس سے طے کئے۔ ان میں سے محمد علی شیرازی۔ محمد سعید اصفہانی، عاشور بیگ۔ محمود بیگ کا حال مصنف دبستان نے تفصیل سے لکھا ہے۔ لوگوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ شیخ بہاء الدین عاملی نے بھی آذر کیوان کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا۔ آذر کیوان کا موبدان سے سلوک کے مقامات حل کرنا یہی دلیل ہے کہ یہ تصوف نہ تو اسلامی چیز ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ بسینہ آیا ہے۔ اسی واسطے آج دنیا میں یہود۔ نصاریٰ۔ گبر۔ ہنود وغیرہ تمام فرقوں میں صوفی پائے جاتے ہیں۔ پھر نعمانی صاحب لکھتے ہیں۔ موبد سروش زردشت کی نسل سے تھا اکثر خوارق عادات اس سے صادر ہوتے۔ پھر لکھتے ہیں۔ موبد خوش مجوسی، ایک مدت تک حق کی تلاش میں تمام دنیا میں پھرتا رہا آخر آذر کیوان کی خدمت میں پہنچا اور وہاں سے مقامات سلوک تحصیل کئے۔ دیکھو رسالہ الندوہ ۵ جلد ۲ یہ ہے تصوف کی حالت جس کو سینہ بسینہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ سے چلا آنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ۱۲ اسعفہ عنہ یہ گبری شخص ہے ۱۲

کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ جس شخص میں یہ باتیں نہیں ہیں نہ عام طور سے لوگ اسے صوفی جانتے ہیں نہ وہ اپنے کو صوفی سمجھتا ہے۔ یہ تصوف کا تیسرا دور ہے۔

تصوف کی پچھلی دو صورتوں کے لحاظ سے ایک ایسے مُحدِّث کو صوفی کہنا جو تنقیدِ رجال میں متشدد ہو تنقید حدیث میں سخت شروط کا پابند ہو۔ فن تاریخ میں مقدم قوم ہو۔ امام المحدثین کے لقب سے ممتاز ہو۔ احادیث کے خلاف عمل کرنے والے کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہو۔ کیا حیرت بخش نہیں ہے؟ بہر حال علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

وہ صوفی بزرگان اولیاء اللہ جن کی آج عالم میں پیروی کی جاتی ہے اور مانے ہوئے صوفی ہیں۔ ان میں امام بخاری بھی ہیں رضی اللہ عنہم۔ امام بخاری ان علمائے عاملین سے ہیں جن کے تذکرے کے وقت خدا کی رحمت و برکت نازل ہوتی ہے۔ امام بخاری صائم الدہر (ہمیشہ روزہ رکھنے والے) اور جارع تھے۔ اس خیال سے کہ بیت الخلاء میں بار بار جانے میں بے ستر ہونا پڑتا ہے۔ خداوند عالم سے حیا چاہیے آپ نے غذا کم کرنی شروع کر دی۔ چند روز میں عادت کرتے کرتے یہ نوبت پہنچی کہ ایک خرما یا ایک بادام پر گزارہ دینے کی عادت ہو گئی ۱۹۴ھ ہجری میں ولادت ہوئی ۲۵۶ھ میں عید الفطر کی شب میں وفات پائی۔ سمرقند سے دو میل کے فاصلہ پر قریہ خرتنک میں مدفون ہوئے۔"

امام بخاری فرماتے ہیں۔ میرے نزدیک میری مدح اور ذم کرنے والے دونوں برابر ہیں اور فرماتے ہیں مجھے امید ہے کہ میں خدا سے ایسی حالت میں ملوں گا کہ مجھ سے اس امر کا سوال نہ ہو گا کہ تو نے فلاں شخص کی غیبت کی تھی۔ کبھی آپ

بیع و فروخت کے معاملے میں نہیں پڑے رودسرے لوگ انجام دیتے انتہا درجہ کے پرہیزگار تھے۔ اندھیرے میں سوتے اور راتوں کو بیسیوں بار اٹھ کر چقماق سے چراغ روشن کر کے احادیث لکھتے یا صحیح حدیثوں پر نشان دیتے اور سو رہتے۔

راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز تیرہ رکعتیں پڑھتے۔ ان میں ایک رکعت وتر علیحدہ پڑھتے رمضان کی راتوں میں ثلث قرآن روزانہ اکیلے تہجد کی نماز میں پڑھتے اور تیسرے روز ختم قرآن کرتے۔ فرمایا کرتے کہ ہر ختم قرآن پر دعا مقبول ہوتی ہے۔ امام بخاری نے جب کوئی حدیث صحیح بخاری میں داخل فرمائی تو شکرانہ کی دو رکعتیں ادا کیں۔ اپنے والد کے مال سے کھاتے رہے۔ اس وجہ سے کہ ان کے والد کا مال غیر مشتبہ تھا۔ ان کے علاوہ امام صاحب کے اوراد صالحہ بکثرت ہیں اور مشہور ہیں۔

علامہ شعرانی نے امام صاحب کے ولی اللہ اور برگزیدۂ خدا ہونے کے وجوہات نہایت اختصار کے ساتھ تلخیص کئے ہیں۔ ہماری اس کتاب کے ناظرین کو امام صاحب کے وہ حالات مفصل معلوم ہوں گے جو تصوف کی روح رواں ہیں۔ مثلاً احادیث کی تحقیق۔ تنقید۔ جمع۔ نشر میں عمر عزیز کو ختم کر دینا سیرت رسول اللہ صلعم کا دلدادہ ہونا۔ ساری عمر اسی دھن میں رہنا۔ اس میں تکلیفوں کو راحت جاننا۔ بدعات اور خلاف طریقہ رسول اللہ صلعم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا۔ ان کی تردید کرنی۔ اشاعت احادیث اور فقہ الحدیث میں سرگرم رہنا۔ سنن کی پابندی میں مضبوط رہنا وغیرہ وغیرہ۔

جب ایک مشہور خلاصہ نے امام صاحب اور نیز دیگر اکابر ملت و صحابہ و تابعین و تبع تابعین دائمہ مجتہدین کی ایک جماعت کو صوفیوں میں شمار کیا ہے تو مناسب ہے کہ تصوف محدث[1] پر بھی ایک نگاہ ڈالی جائے۔ جس سے ان اکابر ملت کا اس مروجہ تصوف سے بیزاری کا یقین کیا جائے اور یہ یقین کیا جائے کہ اگر یہ اکابر ملت صوفی تھے تو وہ تصوف "مروجہ تصوف" سے کوئی نسبت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ وہ کچھ اور ہی تھا۔

عام طور پر اب تصوف کے لیے سلسلۂ بیعت بالخصوص قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ مجددیہ، صابریہ، شاذلیہ، نظامیہ، سہروردیہ وغیرہ کا ہونا شرط بتایا جاتا ہے۔ اب تک سلسلۂ بیعت کے سینکڑوں طریقے ایجاد ہو چکے ہیں۔ اور ایجاد ہوتے جاتے ہیں۔ اور کتنے آئندہ ایجاد ہوں گے۔ اور ہر ایک کے آداب اشغال و ظائف جداگانہ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور اس کے بعد خلفائے راشدین، و نیز تابعین و تبع تابعین، اور اس کے بعد کئی صدیوں تک تو بجز بیعت امارت اور بیعت توبہ کے دوسری بیعتوں کا پتہ نہیں، اور ان دونوں بیعتوں کے لیے خود عہد مبارک نبوی میں اور اس کے بعد کے عہد صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں نہ سلسلۂ بیعت تھا، نہ اس کا ثبوت کہیں سے پایا جاتا ہے۔ بیعت امارت کے وقت نہ سلسلۂ بیعت ملاتا نہ اس کا کوئی سلسلہ ہوتا۔ اسی طرح بیعت توبہ کے وقت توبہ کرا لیتا۔ اور ترک معاصی پر اقرار لے لیتا۔ اور اس بیعت کا لینے والا امیر وہی خلیفہ یا

---

[1] نیا نکالا ہوا امنہ

امام ہوتا۔ لیکن آگے چل کر جب خلافت سلطنت کی صورت میں بدل گئی اور دنیاوی زماں رواؤں اور دینی مقتداؤں کا دو گروہ جداگانہ قائم ہو گیا۔ تو بیعت توبہ حاکم وقت سے منتقل ہو کر دینی مقتداؤں میں چلی آئی۔ لوگ کسی مقتدا نے وقت (جو اعلیٰ درجہ کا متقی ہوتا) کے ہاتھ پر توبہ کر لیتے۔ وہ بیعت توبہ لے لیتا لیکن پھر بھی سلسلۂ بیعت نہیں ملاتا کہ مجھے فلاں کے ہاتھ پر بیعت توبہ حاصل ہے اور ان کو فلاں کے ہاتھ پر۔ رفتہ رفتہ گدیاں قائم ہو گئیں۔ خانقاہیں بنیں تو سلسلۂ بیعت بھی ملایا جانے لگا، اب جس قدر مسلمان ہیں قریب قریب سب اس کے خوگر ہو گئے! یہ ہے بیعت[1] کی مختصر کیفیت۔ جب سلسلۂ بیعت قائم ہوا۔ تو ہر ایک کے آداب، اشغال، وظائف، طریقے جداگانہ قائم ہو گئے۔ اور ہر گدی نشین نے اپنے مذاق کے موافق جو چاہا اپنے عقیدت مندوں میں جاری کیا اور آئندہ چل کر وہ خدائی چیز ٹھہر گئی۔

ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس تصوف پر سنن دارمی کی ایک حدیث سے روشنی ڈالیں جس سے اس کے محدث اور خلافِ طریقۂ اسلام ہونے اور اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری کا اندازہ کیا جا سکے،

عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی سے کون واقف نہیں؟ حبر اُمت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں، کہ ہم لوگ قبل نماز فجر عبداللہ بن مسعود کے دروازہ پر ان کے انتظار میں بیٹھتے اور ساتھ ہو کر مسجد آتے، ایک روز ابوموسیٰ اشعری

---

[1] بیعت کی پوری بحث دیکھنی ہو تو رسالہ تحقیق بیعت مصنفہ مولانا سلامت اللہ صاحب جیراج پوری دیکھا جائے یہ کتاب اپنے باب میں مشرح اور نہایت مکمل ہے۔ بڑے سلیس پیرائے میں محققانہ اور مدلل لکھی گئی ہے لائقہ

دگھبرائے ہوئے) آئے ہم سے پوچھا کہ عبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود کی کنیت ہے) نکلے ؟ ہم نے کہا نہیں۔ وہ بھی انتظار میں بیٹھ گئے۔ جب ابن مسعود نکلے تو ابو موسیٰ نے کہا ابھی ابھی میں نے مسجد نبوی میں ایک امر منکر (خلاف طریقہ رسول اللہ یعنی بدعت) دیکھا ہے۔ لیکن دیکھنے میں بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ابن مسعود۔ کیا دیکھا ہے ؟ ابو موسیٰ، میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ ہمارے انتظار میں مسجد نبوی میں حلقے باندھ باندھ کر بیٹھی ہے اور اُن کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں۔ ہر حلقے میں ایک شخص ہے جو کہتا ہے

کبروا مائة فیکبرون مائة یعنی سو بار تکبیر کہو۔ وہ سو بار تکبیر کہتے ہیں۔ پھر کہتا ہے۔ ھللوا مائة فیھللون مائة یعنی سو بار لا الہ الا اللہ کہو۔ وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ پھر اسی طرح سو بار سبحان اللہ کہنے کی ہدایت کرتا ہے وہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ ابن مسعود۔ تو تم نے کیا کہا ؟ ابو موسیٰ۔ آپ کے انتظار میں میں نے کچھ نہیں کہا۔ بات کرتے کرتے دونوں مسجد میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ ابو موسیٰ کے بیان کے موافق مسجد نبوی میں ذکر جاری ہے۔ ابن مسعود نے ایک حلقہ والوں سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ یہ کیا ہو رہا ہے ؟ لوگوں نے کہا کہ یہ کنکریاں ہیں (جب تک تسبیح اور مالا وغیرہ ایجاد نہیں ہوا تھا) ان پر اللہ کی تکبیر، تہلیل، تسبیح پکارتے ہیں۔ ابن مسعود نے فرمایا تم بجائے تکبیر، تہلیل۔ تسبیح کے اپنے گناہوں کو شمار کرو۔ میں ضمانت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسنات کو ضائع نہیں کرے گا۔ افسوس ہے تم کو اے امت محمد صلعم کس قدر جلد تمہاری خرابی پہنچ گئی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تم میں کثرت سے موجود ہیں۔

ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملبوس کپڑے بھی نہ پھٹے۔ ابھی آپ کے استعمال کے باسن بھی نہ ٹوٹے (اور تم میں بدعتیں شروع ہوگئیں) توشاید تم ایسے طریقہ پر ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے عمدہ ہے اور زیادہ ہدایت والا ہے۔ کیا تم اس بدعت سے ضلالت کا دروازہ کھول رہے ہو، لوگوں نے معذرۃً کہا۔

واللہ ماارد نا بہ الا الخیر — خدا کی قسم اس سے ہم نے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے،

ابن مسعودؓ نے فرمایا

کم من مرید للخیر لن یصیبہ — کتنے خیر کے ارادہ کرنے والے ہیں جو ہرگز خیر کو نہیں پہنچتے۔

اس سے ان اوراد واشغال اور ذکر کے طریقوں کا اندازہ کرو جو سینکڑوں برس، بعد گدی نشینوں نے ایجاد کر کے اپنے عقیدت مندوں میں جاری کئے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس کو کس نفرت کی نگاہ سے دیکھتے، صحابی کے اس اثر سے مسلمان کو عموماً اور صوفیوں کو خصوصاً عبرت پکڑنی چاہیے آج ہزاروں وظائف، اوراد، اذکار نئے نئے ایجاد ہوگئے ہے ہر کہ آمد عمارتے نوساخت ، یہ بات عام طور پر دیکھی جاتی ہے کہ اگر کسی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور وظیفہ بتایا جائے جو صحیح سند سے ثابت ہے تو اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتا۔ لیکن اگر کسی بیعت والے پیر کا وظیفہ بتایا جاتا ہے تو عمل کے لیے طیار، اللہ تعالیٰ ملت بیضا کو اپنی اصلی حالت پہ لادے اور مسلمانوں کو ان جالوں سے نجات دے کہ وہ قعر مذلت سے نکلیں اور ترقی کریں اور قرون اولیٰ کا

لہ دارمی مطبوعہ مصر صفحہ ۶۹ ج ۱ ۱۲

سماں ان میں بھی نظر آئے۔ سچ ہے۔

خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم) یعنی سب سے بہتر طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

امام صاحبؒ کے ملفوظات

قاضی ولید بن ابراہیم (امام بخاری کے تلامذہ میں ہیں رَی کی قضا پر مامور تھے) کہتے ہیں، کہ جب میری عزیز عمر کا بہت سا حصہ گذر چکا۔ تو مجھے علم حدیث کا شوق پیدا ہوا اس وقت امام بخاری کا عالم میں غلغلہ تھا۔ میری نگاہ بھی امام صاحب ہی کی درگاہ کی جانب اٹھی۔ کیونکہ شرق سے غرب تک انہیں کا چرچہ تھا۔ میں نے حاضر ہو کر امام صاحب سے اپنے دلی مقصد کا اظہار کیا۔ امام صاحب نے میری درخواست سن کر فرمایا۔

یا بنی لا تدخل فی امر الا بعد معرفتہ حدودہ والوقوف علی مقادیرہٖ — یعنی پیارے صاحبزادے کسی کام میں ہرگز نہ ہاتھ ڈالو جب تک اس کے حدود اور اس کی مقادیر سے واقفیت نہ حاصل کرلو۔ پھر فرمایا۔

واعلم ان الرجل لا یصیر محدثا کاملا فی حدیثہ الا بعد ان یکتب اربعا مع اربع کاربع مثل اربع فی اربع عند اربع باربع علی اربع عن اربع لاربع وکل ھذہ الرباعیات لا تتم الا باربع مع — خلاصہ یہ کہ بغیر ان بارہ باعیات کے انسان محدث کامل نہیں ہوسکتا، اور جب یہ بارہ رباعیات کسی کو حاصل ہو جائیں تو اس کے لیے فلاح دارین ہے۔

اربع فاذا تمت لہ کلھا ھان علیہ اربع وابتلی باربع فاذا صبر علی ذلک اکرمہ اللہ فی الدنیا باربع واثابہ فی الاخرۃ باربع

قاضی صاحب کہتے ہیں، کہ میں ان بارہ رباعیات کو سن کر گھبرا گیا عرض کیا کہ آپ اس

اجمال کی تفصیل فرمائیے، امام صاحب نے فرمایا (نعم) ہاں ابھی تفصیل لو پھر امام صاحب نے اس کی تفصیل فرمائی:۔

پہلی رباعی[1]، ان یکتب اربعاً، یعنی چار چیزیں لکھے (اول) احادیث رسول اللہ (ثانی) حالات صحابہ اور ان کی تعداد (ثالث) تابعی اور ان کے حالات (رابع) بقیہ علمائے امت اور ان کی تواریخ۔

دوسری رباعی۔ مع اربع، چار کے ساتھ لکھے (اول) رجال حدیث کے نام۔ (ثانی) ان کی کنیت (ثالث) ان کی جائے سکونت (رابع) ان کے سنوات ولادت و وفات۔

تیسری رباعی۔ کاربع، چار کی طرح لکھے، جس طرح خطیب کے لیے حمد لازم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے لیے درود ضروری ہے، سورتوں کے لیے بسم اللہ اور نماز کے لیے تکبیرات، لازم ہیں، ایسے ہی رجال کے نام ان کی کنیت ان کی جائے سکونت ان کے سنوات ولادت و وفات لکھنے کو لازم جانے۔

چوتھی رباعی۔ مثل اربع، چار کے مثل لکھے، مسندات (وہ حدیثیں جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے)، مرسلات، (وہ حدیثیں جن میں صحابی مذکور نہ ہوں) موقوفات (وہ حدیثیں جو صحابی یا تابعی کے اقوال ہیں) مقطوعات (جس حدیث کا بیچ سے کوئی راوی چھوٹ گیا ہو)۔ غرض ہر قسم کی حدیث کا استقصا کرے۔

پانچویں رباعی۔ فی اربع، چار وقتوں میں لکھے۔ کم سنی ہیں، جوانی میں، سن کہولت یعنی ادھیڑپن میں، بڑھاپے میں، غرض کسی سن میں تحصیل کا جوش کم نہ ہو اور نہ کسی سن میں قلم رکے اور طلب سے سیری ہو۔

[1] رباعی سے مطالب ہے چار باتوں کا مجموعہ ۱۲ منہ

چھٹی رباعی۔ عن اربع، چار حالتوں میں، عدیم الفرصتی۔ فرصت، فراغ دستی، تنگ دستی، جس حالت میں ہو خیال بند حارث ہے۔

ساتویں رباعی۔ باربع، چار میں لکھے، پہاڑ، سمندر، آبادی، جنگل، غرض جہاں پائے لکھے۔

آٹھویں رباعی۔ علی اربع، چار چیزوں پر لکھے، پتھر، چمڑے، ہڈی، سیپ، جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

نویں رباعی۔ عن اربع، چار سے لے کر لکھے۔ جو سن میں بڑے ہوں، اور جو سن میں کم ہوں، اور جو سن میں برابر ہیں، اور اپنے والد کے خط سے بشرطیکہ خط کا یقین ہو،

دسویں رباعی۔ لاربع، چار کاموں کے لیے لکھے، اللہ کی رضامندی کے لیے، عمل کے لیے بشرطیکہ کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو، طالبین حدیث میں اشاعت کے لیے تالیفات میں جمع کرنے کے لیے، کیونکہ تالیفات کی وجہ سے اس کا قیام رہتا ہے،

ہاں یہ دس رباعیات جن کے بغیر نہیں پوری ہوتیں وہ دوسری دو رباعیاں ہیں، پہلی کسبی ہے (۱) فن کتابت۔ علم لغت، صرف و نحو، میں ماہر ہونا۔

(۲) دوسری رباعی۔ وہبی اور خدا کی عطا یعنی صحت، قدرت علم کا شوق، قوت حافظہ جب یہ بارہ رباعیات کسی کو نصیب ہو جائیں، تو ان کی خوشی میں وہ چار چیزوں کو جو نہایت پیاری ہیں (یعنی بیوی۔ اولاد۔ مال۔ وطن) بے وقعت سمجھتا ہے۔ اور چار چیزوں میں مبتلا ہوتا ہے، دشمنوں کی خندہ زنی میں، دوستوں کی ملامت میں، کوتاہ بینوں کی طعن زنی میں، علمائے عصر کے حسد میں، جب ان چار پر صبر کرتا ہے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ اس کو چار چیزوں سے معزز کرتا ہے۔ قناعت کی عزت سے،

ایمانی رعب سے (ہیبت حق است ایں از خلق نیست) دائمی خوشی سے (فَلَنُحْيِيَنَّهُمْ حَيٰوةً طَيِّبَةً) علمی لذت سے؛ اور آخرت میں چار دولتوں سے مالا مال کیا جائے گا (انشاء اللہ) اپنے بھائیوں کے شفیع بننے کا درجہ ملنے سے، عرش اعظم کے سایہ سے (حیث لاظل الاظلہ) حوض کوثر پہ پانی پلانے کے درجہ سے (حیث لاملد الا ماؤہ) انبیاء اور مرسلین کی ہمسائگی سے (أُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ) یہ کہہ کر فرمایا لو! صاحبزادے ہم نے جو شیوخ سے متفرق سنے تھے تم کو ایک ہی بار سنا دیا۔ اب چاہو علم حدیث حاصل کرو یا چھوڑ دو۔ قاضی ابوالعباس کہتے ہیں امام بخاری کا یہ کلام سن کر میں متفکر اور ساکت ہو گیا اور دیر تک سر نیچے کئے ہوئے تھا کیونکہ فن حدیث کی تحصیل کا بارگراں جس کو امام صاحب نے رباعیات مذکورہ بالا میں بیان کیا تھا، میں متحمل نہیں ہو سکتا تھا امام صاحب نے میرے سکوت اور تفکر کو دیکھ کر فرمایا۔ فان لم تطق احتمال المشاق کلها فعلیک بالفقہ الذی یمکنک تعلمہ وانت فی البیت قار ساکن لا یحتاج الی بعد الاسفار وطی الاباد ورکوب البحار وھو مع ذا ثمرۃ الحدیث خلاصہ یہ کہ اگر تم سے علم حدیث کی تحصیل بوجہ مشقتہائے کثیرہ ممکن نہ ہو تو تم علم فقہ ہی حاصل کرو جس میں سفر کی تکلیفوں سے نجات مل جائے گی اور علم فقہ باوجود سہل الحصول ہونے کے حدیث ہی کا ثمرہ ہے (تدریب الراوی)۔

ایک دوسرا ملفوظ امام بخاری کا حافظ ابن حجر نے یہ نقل کیا ہے۔

لا اعلم شیئا یحتاج الیہ الا وھو فی یعنی کوئی ایسا مسئلہ نہیں، جس کی حاجت ہو اور وہ

الکتاب والسنۃ قیل لہ یمکن معرفۃ ذلک قال نعم۔ — وہ قرآن و حدیث میں نہ ہو۔ پوچھا گیا ان کا جاننا بھی ممکن ہے۔

فرمایا ہاں۔ خلاصہ یہ کہ کسی امام یا عالم کے قواعد مخترعہ یا سکوت کو نص کے برابر تسلیم کر کے اُن سے مسائل اور جزئیات پیش آنے والی کی تخریج کرنا اور پھر ان مسائل مستخرجہ کو بجائے نص مان کر تخریج در تخریج کرتے رہنا اس کا حکم اللہ اور رسول نے نہیں دیا ہے۔ امام المحدثین کا خلاصہ زندگی یہ ہے کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کر کے سیرت رسول اور سیرت صحابہ کا نمونہ عالم کے سامنے پیش کر دیا اور اہل اسلام کو بتا گئے کہ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ اور ان پر عمل اس طرح کیا جاتا ہے اور اس کے جنب میں آراء الرجال کو اس طرح بے وقعت سمجھا جاتا ہے اور ان سے پرہیز کیا جاتا ہے ؎

زانرا ز کشکول اہل الرائے نتواں لقمہ خورد — بر سر خوان رسول اللہ مہمانیم ما

تمت

حصہ اوّل میں امام بخاری کے واقعات زندگی لکھے گئے ہیں۔ حصہ دوم میں ان کے علمی کارنامے دکھائے گئے ہیں اور ان کی تصنیفات اور فقاہت وغیرہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور حقیقت میں حصہ ثانی حضرت مؤلف کی محنتوں اور کوششوں کی تماشاگاہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

حصّۂ دوم

امام المحدثین کی تصنیفات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

قطع نظر تواتر اور شہرت کے امام بخاری کی تصنیفات کا سلسلہ سند امام صاحب تک ایک دو نہیں سینکڑوں طریقے سے ملتا ہے جو ہر طرح صحت کا جامع ہے، اور آج تک علمائے اسلام نے (خواہ کسی مذہب کے ہوں باستثناء بعض فرق) اپنے سلسلہ سند کو امام صاحب تک پہنچانے کا التزام رکھا ہے، ان سب میں صحیح بخاری کو ایک خصوصیت خاص اور امتیاز خاص حاصل ہے۔ جس کتاب کو مولف کی حیات میں مولف سے نوے ہزار شاگردوں نے پڑھا ہو۔ اس کے تواتر کا کیا پوچھنا ہے ایک امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی الحنفی المتوفی ۵۳۷ھ نے صحیح بخاری کی

شرح لکھی ہے جس کا نام الفجاح فی اخبار الصحاح ہے، لائق شارح نے اس شرح میں لکھا ہے کہ میرا سلسلہ سند امام بخاری تک پچاس طریق سے پہنچتا ہے

آج ایسی تالیفات سینکڑوں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں، جن کی نسبت امام صاحب کے معاصرین بلکہ ان سے بھی پہلے کے لوگوں کی طرف کی جاتی ہے لیکن اس وجہ سے قابل وثوق نہیں سمجھی جاتیں کہ ان کا سلسلہ سند ان کے مولفین تک قابل اعتبار نہیں۔ اولاً تو سلسلہ سند قائم ہی نہیں اور بعض معتقدین نے سلسلہ ملانا بھی چاہا۔ تو بیچ میں کتنے رجال مجہول مستور بے اعتبار آتے ہیں جو سند کو پایۂ وثوق سے گرا دیتے ہیں، اگر شک ہو تو مسند خوارزمی کو دیکھو[ع] معصر نعمانی صاحب اس مسند کے بارے میں لکھتے ہیں۔ جو لوگ امام ابو حنیفہ صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہیں مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو۔۔۔ امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے آگے لکھتے ہیں مسند خوارزمی کو امام ابو حنیفہ کی مسند کہنا مجازی اطلاق ہے خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے۔ جن مسندوں کو جمع کیا ہے۔ وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی

ع افسوس اور حیرت ہے لکھنؤ کے بعض اہل مطبع پر کہ مسند خوارزمی کو طبع کر کے اسے امام ابو حنیفہ کی طرف بلا تامل منسوب کر دیا۔ اور ذرا تحقیق سے کام نہیں لیا۔ حالانکہ وہ بڑے بڑے محققین پر نکتہ چینی کرتے ہوئے حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ کسی کو جاہل بتاتے ہیں کسی کو سفیہ۔ امام ابو حنیفہ کی جس قدر مسندات کہی جاتی ہیں۔ ان کے رواۃ کی جانچ میزان الاعتدال اور فوائد بہیہ وغیرہ سے کر کے دیکھ لو کیا حالت ہے ۱۲ منہ

یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد۔ قاضی ابو یوسف۔ البتہ امام صاحب کے ہم عصر ہیں اور اُن کا مسند بے شبہ۔ امام ابو حنیفہ کا مسند کہا جاسکتا تھا۔ لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے اُن مسندوں کا نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو۔ اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے۔ وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ " طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد ان روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو دو پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں ان لوگوں نے اُن کو بلند نام کرنا چاہا۔ حالانکہ وہ حدیثیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کا محدثین اعتبار نہیں کرتے۔ مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایۃ۔ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار تھے یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے۔ جن کو راویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے جن کو اُن نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے۔ ان لوگوں نے اُن باتوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔ یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے۔ اُن کو قصداً حدیث نبوی بنا دیا۔ یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں مرتب کر دیئے گئے۔ اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان۔ کامل ابن عدی۔

تصنیفات خطیب و ابونعیم و جوزقانی۔ و ابن عساکر و ابن بخار و دیمی میں مل سکتی ہیں مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے۔"

شاہ صاحب کے فیصلہ کے بعد ہمعصر موصوف لکھتے ہیں" بات اتنی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے ان کا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں۔ جو مسند امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں۔ لیکن اُن کی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں۔ مسند حصفکی میں کئی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں۔ جن کو انھوں نے خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے۔ حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رُو سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے۔ بے شبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں اس لیے ناظرین کو اختیار ہے کہ اس کو امام ابوحنیفہ کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں۔ اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے۔

صحیح بخاری کے علاوہ امام بخاری کی ایک تصنیف (جن کی تفصیل آتی ہے) نہایت دقعت اور وثوق کی نگاہ سے دیکھی گئی اباعبد ابوعلی غسانی

لکھتے ہیں کہ "امام بخاری نے تاریخ کبیر لکھی تو امام اسحاق بن راہویہ جیسے باکمال شیخ نے اس نادر تالیف کو امیر عبداللہ بن طاہر حاکم رے کے دربار میں پیش کر کے فرمایا الا اریک سحرا کیا میں تمہیں ایک بڑا جادو نہ دکھاؤں۔

علامہ تاج الدین سبکی اسی تاریخ کی نسبت لکھتے ہیں۔

وکتاب محمد بن اسمٰعیل فی التاریخ کتاب لم یسبق الیہ ومن الف بعدہ شیئا فی التاریخ او الاسماء او الکنی لم یستغن عنہ فمنہم من نسبہ الی نفسہ مثل ابی زرعۃ وحاتم ومسلم ومنہم من حکاہ عنہ فاللہ یرحمہ فانہ اصل الاصول	امام بخاری کی تاریخ وہ کتاب ہے کہ اس سے پہلے کسی نے ایسی مبارک تالیف نہیں لکھی، اور جس شخص نے امام بخاری کے بعد تاریخ، اسماء، کُنے میں تالیف کرنی چاہی وہ اس سے کسی طرح مستغنی نہیں ہو سکا بعض اہل علم نے پیرایہ بدل کر اسے اپنی طرف منسوب کر لیا جیسے ابو زرعہ، ابو حاتم، امام مسلم، اور بعض نے بحوالہ

نقل کیا۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے کیونکہ انہوں نے تاریخی اصول کی بنیاد ڈالی "حافظ ابو العباس بن عقدہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیس ہزار حدیثوں کو لکھے تو بھی امام بخاری کی تاریخ سے اس کو استغنا نہیں ہو سکتا"[عہ]

امام بخاری کا اپنی تالیف میں کسی کو ذکر کر دینا، یہی اس کے لیے باعث فخر سمجھا جاتا ہے، مورخین اس کو جس وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، امام فخر الدین رازی، اور صاحب سیرۃ النعمان، کے کلام سے اس کا اندازہ

عہ تقیید المہمل ۱۲

کیا جا سکتا ہے، صاحب سیرۃ النعمان رقم طراز ہیں "لیکن رجال اور تاریخ کی مستند کتابیں جن میں امام ابو حنیفہؒ کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گذریں، جن میں تاریخ صغیر بخاریؒ معارف ابن قتیبہ اور فلاں فلاں کتابیں ہیں،، حالانکہ تاریخ صغیر میں جس طرح جناب امام ابو حنیفہؒ کا ذکر ہے اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ باوجود اس کے صاحب سیرۃ النعمان اسے افتخاراً لکھتے ہیں۔

اسی طرح تاریخ کبیر میں امام شافعیؒ کا ذکر کیا ہے لیکن جس بے پرواہی سے کیا ہے اس کے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا جس کی نسبت صاحب سیرۃ النعمان تحریر فرماتے ہیں۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعیؒ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہیں کی۔ چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں۔

واما الامام محمد بن اسمٰعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخہ الکبیر فقال فی باب محمد بن محمد بن ادریس ابو عبد اللہ الشافعی القرشی سکن مصر مات سنۃ اربع ومائتین ثم انہ ما ذکرہ فی باب الضعفاء مع علمہ بانہ قد روی شیئا کثیرا من الحدیث ولو کان من الضعفاء لذکرہ۔	امام بخاری نے امام شافعی کا ذکر تاریخ کبیر میں کیا ہے، چنانچہ فلاں باب میں لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ لیکن ان کو ضعفا کے باب میں نہیں ذکر کیا حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ امام شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں، اگر وہ اس باب میں ضعیف ہوتے، تو امام بخاری ضرور ان کو ضعیف لکھتے،

علامہ تاج الدین سبکی شافعی طبقات کبرے میں فرماتے ہیں "وذکر الشافعی فی موضعین من صحیحہ فی باب فی الرکاز الخمس وفی باب تفسیر العرایا من البیع و

رقم شيخنا المزي في التهذيب الشافعي بالتعليق وذكر هذين المكانين" یعنی امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں امام شافعی کا ذکر دو مقاموں میں کیا ہے (۱) باب في الركاز الخمس (۲) باب تفسير العرايا (كتاب البيوع) میں اور علامہ مزی نے ان دونوں مقاموں کا ذکر تہذیب میں کیا ہے۔ امام بخاری کا اپنی جامع صحیح میں شافعی کو ذکر کرنا ہی از بس غنیمت شمار کیا گیا۔

پھر دفع دخل کے طور پر علامہ سبکی اس سوال کے جواب میں کہ امام شافعی سے روایت کیوں نہیں کی ؟ اسی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں ولم يرو عن الشافعي في الصحيح لانه ادرك اقرانه والشافعي مات مكتهلا فلا يرويه نازلا یعنی امام بخاری نے کوئی حدیث امام شافعی کے واسطے سے اپنی جامع صحیح میں اس لیے نہیں روایت کی کہ امام بخاری نے امام شافعی کے اقران کو پایا اور ان کے معاصرین سے اخذ روایت کیا، چونکہ امام شافعی کا انتقال سن کہولت ہی میں ہو گیا تھا۔ اگر امام شافعی کے واسطے سے روایت کرتے تو حدیث کے سلسلہ سند میں واسطہ بڑھ جاتا اور سند نازل ہو جاتی۔ اس لیے امام شافعی کے واسطہ سے امام بخاری نے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری، یا مولفین صحاح ستہ کی تنقیدی نگاہ میں کسی راوی کا نہ ٹھہرنا، یا مجروح ترک کر دینا، یا صحاح میں اُس سے روایت نہ کرنا، یہ ایک ایسی بات تھی۔ جو اس کی طرف سے شبہہ پیدا کرتی تھی، اور اُس کے دامن ثقاہت پر دھبہ لگاتی تھی اسی وجہ سے امام شافعی اور جناب امام ابو حنیفہؒ کے اتباع میں بڑی کھلبلی مچ گئی، اور اس کی توجیہات میں

انہیں بڑی دقتیں پیش آئیں، صاحب سیرۃ النعمان نے تو یہ کہہ کر ٹالا کہ اس الزام میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ امام شافعی بھی شریک ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی۔ دو ایک روایتیں مستثنیٰ ہیں، لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی شریک ہیں، امام شافعی جن کو بڑے بڑے محدثین مثلاً اسحاق بن راہویہ امام احمد بن حنبل۔ ابو ثور حمیدی۔ ابوزرعۃ الرازی۔ ابو حاتم نے حدیث و روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے۔ ان کی سند سے صحیحین میں ایک بھی روایت موجود نہیں۔ بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی بنا سے کوئی روایت نہیں کی۔ امام رازی نے بخاری اور مسلم کی اس بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں۔ مگر کوئی معقول وجہ نہیں بتا سکتے۔ صحیحین پر موقوف نہیں۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ نسائی میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جن کے سلسلۂ رواۃ میں امام شافعی کا نام آیا ہو۔"

صاحب سیرۃ النعمان، امام رازی کی توجیہات پر نکتہ چینی کرتے ہوئے خود بخاری اور مولفین صحاح کے اہل کوفہ سے روایت نہ لینے کی یہ وجہ لکھتے ہیں "درحقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اعتماد اور استناد کا جو معیار قرار دیا تھا۔ اُس میں اہل نظر بلکہ اکثر لوگوں کے لیے کم گنجائش تھی، علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے، میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ تھا الایمان قولٌ وعملٌ، اگر یہ قول صحیح ہے تو امام ابو حنیفہ کو اُن کے دربار میں پہنچنے کی کیوں کر امید ہو سکتی ہے"

ایک وجہ اور لکھتے ہیں، لطف یہ ہے کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں۔ وہ دقتِ نظر قوتِ استنباط۔ استخراج مسائل تفریع احکام ہے، لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عیب اور نقص میں داخل ہیں۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری، قاضی ابویوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے ان کی روایت سے اسی بنا پر احتراز کیا کہ اُن پر رائے[1] غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے۔ ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے۔ اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ قاضی ابویوسف سے زیادہ مجرم ہیں"

افسوس اور حیرت ہے کہ ایک مؤرخ ایسی تحقیق سے گری ہوئی بات لکھے جس کو دیکھ کر تھوڑی نظر والا آدمی بھی انگشت بدنداں ہو۔ مصنف موصوف کی یہ دونوں توجیہیں امام بخاری اور مولفین صحاح ستہ کی نسبت کسی طرح صحیح نہیں مانی جاسکتیں، تکثیر مسائل استنباط فروع تفریع احکام۔ دقت نظر، یہ تو خود مولفین صحاح ستہ بالخصوص امام بخاری کا مہتم بالشان مقصود ہے، ان کے تراجم ابواب ایسے کھلے شواہد موجود ہیں جن سے کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا امام بخاری، تو اسی لیے تکرار احادیث کی پرواہ نہیں کرتے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کے معترف تمام شراح حدیث ہیں۔ خود صحاح ستہ موجود ہے۔

[1] دراصل رائے کے غلبہ اور فروع احکام کی تفریع اور بادشاہ کی صحبت کے انہماک کی وجہ سے جو فن حدیث کی طرف سے بے اعتنائی ہوگئی تھی یہ وجہ ہے اور علامہ ابن جریر کا لکھنا بہت صحیح ہے ۱۲ منہ

ان کے مولفین کی دقتِ نظر، قوتِ استنباط، تفریعِ احکام، تکثیرِ مسائل، استنباط فروغِ آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہیں اور علامہ ابن خلدون کا یہ جملہ نہایت جامع ہے ولذالک یحتاج الی امعان النظر فی التفقہ فی تراجمہ انہیں وجوہات سے امام بخاری کے تراجم ابواب میں بڑی غور کی نگاہ اور نظرِ دقیق کی ضرورت پڑتی ہے۔

رہی پہلی توجیہہ، یہ بات ہر خاص و عام کے نزدیک مسلم ہے کہ امام بخاری اور مولفین صحاح ستہ کا ایک بے نظیر وصف ان کی بے تعصبی ہے۔ ان کے سلسلۂ اسانید کو پڑھو تو سینکڑوں رواۃ ایسے ملتے ہیں جو ان سے مذہب میں اختلاف رکھتے ہیں، بلکہ عام اہل سنت سے اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن عدل۔ صدق۔ دیانت۔ حافظہ وغیرہ مقررہ شرائط کے پائے جانے پر بلا تامل ان سے روایت لیتے ہیں، خود صحیح بخاری کے سلسلۂ اسانید میں رواۃ موجود ہیں جن کی نسبت "مرجی" لکھا گیا ہے جو اعمال کو جزوِ ایمان نہیں جانتے تھے اسی طرح رمی بالتشیع یا دیگر امور ایسے مذکور ہیں جن سے اعتقاداً امام بخاری کو اختلاف ہے لیکن شرائطِ روایت موجود ہونے پر کمال بے تعصبی سے ان سے روایت کرتے ہیں۔

ہم یہ مانتے ہیں کہ امام بخاری کو الایمان قول وعمل میں خاص قسم کا کد اور تشدد تھا جس کی شہادت صحیح بخاری کی کتاب الایمان سے بھی ملتی ہے۔ اور امام بخاری کا یہ مقولہ کہ میں نے ہزار سے زائد شیوخ سے حدیث لی۔ لیکن ایسے شیوخ کے پاس نہیں گیا جو الایمان قول وعمل، کے قائل نہ تھے۔ جیسا کہ مقدمہ فتح الباری وغیرہ میں مذکور ہے، بہت صحیح ہے، کسی طرح اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ اس قول سے امام بخاری کا تشدد

امام بخاری کے اپنے شیوخ تک محدود معلوم ہوتا ہے، کیونکہ امام بخاری کو ایسے شیوخ کے پاس جانے نہیں البتہ احتراز تھا جن میں کسی طرح کی بے اعتنائی یا عدم لفت صحیح حدیثوں کے ساتھ پائی جاتی تھی، اور یہ امام صاحب کا کمال اتقا تھا۔ لیکن اوپر کے شیوخ میں اس قسم کی پابندی نہیں، اسی وجہ سے شیوخ الشیوخ یا اور بھی اوپر کے شیوخ ان کے سلسلہ روایت میں ایسے مل سکتے ہیں جن کا قول الایمان قول و عمل نہ تھا، لہذا یہ توجیہ امام بخاری کے بلا واسطہ شیوخ میں چل سکتی ہے اوپر کے سلسلہ میں یہ توجیہ بالکل غلط ہو جاتی ہے، اور توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ کی مصداق بن جاتی ہے، امام بخاری کے شرائط میں کہیں اس کا ذکر نہیں، لہذا یہ دونوں توجیہیں پایہ تحقیق سے ساقط ہیں؛

دراصل مؤلفین صحاح ستہ اور امام بخاری کے اہل کوفہ سے احتراز کرنے اور اُن کی روایات کے ساتھ اعتنا نہ کرنے کی وجہ دوسری ہے اور درحقیقت یہی وجہ صحیح ہے، وہ یہ ہے کہ ائمہ کوفہ کا میلان اقوال الرجال سے تخریج مسائل اور تفریع احکام کی طرف کچھ اس طرح بڑھا کہ اور فنون اسلامیہ سے ان کو یوماً فیوماً بُعد ہوتا گیا تا آنکہ یہ نوبت پہنچی کہ خود اہل کوفہ کو اپنے ائمہ کی روایت اور اُن کی تنقید اور تحقیق پر اعتماد نہ رہا، اسی واسطے امام محمد کو مدینہ جاکر امام مالک سے فن حدیث پڑھنا پڑا، امام محمد نے مدینہ جاکر امام مالک کی خدمت میں تین برس سے اوپر حاضری دی، بعد فراغ جب کوفہ پہنچے تو وہاں مجلس درس قائم کی، حالت یہ ہوئی کہ اہل کوفہ کو ان کی حدیثوں پر نہایت اعتماد ہوا، جس روز امام محمد اپنے شیخ امام مالک سے روایت بیان

کرتے تو ان کا مکان بالکل بھر جاتا لوگ ٹوٹے پڑتے تھے، لیکن جب ائمہ
کوفہ سے روایت کرتے۔ تو بہت تھوڑے لوگ درس گاہ میں آتے۔
وہ بھی بکراہت، یہ حالت دیکھ کر امام محمد کو بہت غصہ آیا وہ نہایت
رنجیدہ ہوئے اور فرمایا۔

ما اعلم اسود ثناء علی اصحابہ منکم
اذا حدثتکم عن مالک ملأتم علی
الموضع واذا حدثتکم عن اصحابکم
انما تاتون متکارھین
(تہذیب الاسماء واللغات)

کوفہ والو! تم سے بڑھ کر اپنے شیوخ سے
بدخیال میں کسی کو نہیں سمجھتا۔ جب امام مالک سے
حدیث بیان کرتا ہوں تو تم لوگوں سے میرا
گھر بھر جاتا ہے اور جب کوفہ کے ائمہ اور
شیوخ سے روایت کرتا ہوں تو بکراہت
مجلس میں آتے ہو۔" اہل کوفہ کو اس میں مجبوری تھی، اہل کوفہ ائمہ کوفہ کو
بدنام کرنا نہیں چاہتے تھے، بلکہ ائمہ کوفہ سے فن حدیث و روایت کا اہتمام
ہی جاتا رہا تھا۔ گو ابتداءً تھا۔ مگر جب سے اساتذہ کے قواعد مستنبط پر اس
درجہ وثوق ہوا کہ اس کے جنب میں صحیح حدیثوں کے ساتھ اعتنا نہ رہا اور
انہیں شیوخ و اساتذہ کے اقوال کی تخریج در تخریج رہ گئی تو خود اہل کوفہ
کو فن حدیث و روایت و تنقید میں اپنے ائمہ پر اعتماد باقی نہ رہا اسی قلت اہتمام
کی وجہ سے اہل کوفہ کے سلسلہ سند کو "اسناد مشرقی"[1] کا خطاب ملا۔ اور امام
ابو داؤد کو[2] امام احمد کا یہ قول نقل کرنا پڑا کہ اہل الکوفۃ لیس علی حدیثھم نور
اور یہ ضرب المثل ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مصفی میں اسی کی طرف

۱؎ جامع ترمذی ۱۲ ۲؎ سنن ابی داؤد ۱۲ منہ

اشارہ کیا ہے مصفی شرح موطا میں لکھتے ہیں۔ دور عصر تبع تابعین بود ند مگر ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ

آں امام ابوحنیفہؒ یک شخصے کہ راست کہ روس محدثین مثل احمدؒ و بخاریؒ

و مسلمؒ۔ و ترمذیؒ۔ و ابوداؤدؒ و نسائیؒ و ابن ماجہؒ و دارمیؒ از وے در کتاب ہائے

خود روایت نہ کردہ اند و رسم روایت حدیث از وے بطریق ثقات جاری

نشدہ۔

و آں دیگر را امام مالکؒ) شخصے است کہ اہل نقل اتفاق دارند بر آنکہ

چوں حدیث بروایت او ثابت شد بذروۂ اعلیٰ صحت رسید (مصفی ص۶)

امام المحدثینؒ کی تصنیفات کی اجمالی فہرست اور ان کا مختصر تذکرہ

التاریخ الکبیر۔ یہ وہی تاریخ ہے۔ جس کو امام بخاریؒ نے اپنی عمر کے

عـه جناب امام ابوحنیفہؒ کی تحصیل حدیث کی بابت شمس اعلا نعمانی صاحب نے تو دعوے بڑے لانبے چوڑے اور بڑے پرجوش آئندہ الفاظ میں کئے مگر افسوس ثبوت کچھ نہ پیش کر سکے کہیں کہیں جو عقود الجمان کے حوالہ سے کچھ لکھا ہے تو اس کتاب کو خود وہ غیر معتبر کہہ چکے ہیں اور محققین کی نگاہ میں یہ کتاب بھی ایسی ہی امام ابوحنیفہؒ کے قلیل الحدیث ہونے کی مکمل بحث دیکھنی ہو تو الارشاد از ص۲۱ تا ص۴۱ دیکھو جس میں امام صاحب کے قلیل الحدیث ہونے کے متعدد اسباب بیان کئے گئے ہیں اور نعمانی صاحب کی کل توجیہات کا بے سود ہونا اور ان کا محض تکلفات باردہ ہونا بہت انصاف سے بیان کیا گیا ہے۔ جس کو دیکھ کر ہر شخص ہمعصر موصوف کی باتوں کا وزن کر سکتا ہے افسوس ہمیں نسخے کا مضمون ہم بخوف طوالت قلم انداز کرتے ہیں ۱۲ منہ

عـه امام صاحب فرماتے ہیں اجی بحدیث عن الصحابۃ والتابعین الا عرفتہ مولد اکثرھم دونا ھم و مسالکہ اھ۔ ابھی ہیں کوئی حدیث صحابہ تابعین سے نہیں بیان کروں گا اباتی بر منقولہ انتہیٰ

اٹھارہویں سال چاندنی راتوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں حجرۂ مبارک اور منبر کے درمیان بیٹھ کر لکھا تھا جس کو امام اسحاق بن راہویہ نے دیکھ کر فراست سے امیر عبداللہ بن طاہر خراسانی کے سامنے پیش کر کے فرمایا تھا ایھا الامیر الا اریک سحرا کیا تم کو جادو نہ دکھادوں! اور اسی کی نسبت ابن عقدہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ دس ہزار حدیثیں بھی لکھیں تو بھی اس کتاب سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ یہ تاریخ الرجال میں بحیثیت جامعیت کے فرد ہے[ع]

اس تاریخ کو امام بخاری سے ابو احمد بن سلیمان بن فارس اور ابو الحسن محمد بن سہل اللغوی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔ صاحب کشف الظنون کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ:۔

اس تاریخ پر ابو القاسم مسلمہ بن قاسم (جو امام دارقطنی کے معاصر ہیں) نے ذیل لکھا ہے۔ اور سعد بن جناح نے بھی اس پر ایک ذیل لکھا ہے۔

افسوس کہ یہ نادر کتاب اب تک طبع[ا] نہیں ہوئی۔ حیدرآباد کے کتب خانہ میں اس کا ایک ٹکڑا موجود ہے۔ جو (ق) سے ختم کتاب تک ہے۔ مگر محدثین میں سے

(بقیہ صفحہ سابقہ) مگر اکثر را دیوں کے وفات مسکن مولد سے واقف ہوں وقال خل اسم فی التاریخ الا دلہ عندی قصۃ الا انی کرھت ان یطول الکتاب یعنی تاریخ میں کم نام ایسے ہیں جن کے حالات مجھے مفصل نہ معلوم ہوں لیکن طوالت کے خوف سے میں نے ترک کر دیا ۱۲۔ مقدمہ فتح الباری)

[ا] الحمد للہ کہ اس عظیم الشان کتاب کی طباعت دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن میں ۱۳۶۰ھ سے شروع ہو گئی ہے اور اب تک کئی جلدیں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد اتمام کو پہنچائے ۱۲ عبید اللہ رحمانی

[ع] طبقات الشافعیہ ص ۷، ج ۲ میں اس جلیل القدر کتاب کی تعریف و توصیف مذکور ہے ۱۲ منہ

ایک بھی اس میں نہیں ہیں غالباً ابتداءً اسے کتاب میں محدثین کا ذکر ہے تاریخ کبیر میں صحابہ و تابعین و تبع تابعین رواۃ حدیث کا استیعاب کیا ہے اور ناموں کے لکھنے میں حروف تہجی کی ترتیب رکھی ہے۔ اگر ایک ہی نام کے متعدد لوگ ہیں تو ان کے باپ کے ناموں میں حروف تہجی کی ترتیب رکھی ہے اگر باپ کا نام نہیں معلوم ہے جیسے موالی وغیرہ تو ان کو ردیف کے خاتمہ میں (من افناء الناس) کے تحت میں لکھا ہے اور جو نام مشترک نہیں ہیں۔ ان کو (باب الواحد) کے تحت میں لکھا ہے۔ تاریخ کبیر میں زیادہ تر سلسلۂ روایت تلمذ، سماعت کا ذکر ہے۔ اکثر جرح و تعدیل بھی ہے گو یا لا استیعاب نہیں اس کا کچھ حصہ نقل کرا کے حیدر آباد سے ہم نے بھی منگایا تھا۔

التاریخ الاوسط۔ اس کو امام بخاری سے عبداللہ بن احمد بن عبداللہ بن الخفاف، ابو محمد زنجویہ بن اللباد روایت کرتے ہیں۔ اس کے مفصل حال معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ مل سکا نہ اس کے کسی نسخہ کا وجود[1] ہی معلوم ہو سکا۔

التاریخ الصغیر[2]۔ فن تاریخ میں امام بخاری کی یہ بھی ایک بے مثل تصنیف ہے۔ فن حدیث کو فن رجال کے ساتھ جو تعلق ہے جو جرح کو جسند سے ہے اس لیے امام صاحب کو اس کے ساتھ خاص شغف تھا اس کو امام بخاری سے عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن الاشقر نے روایت کیا ہے

---

[1] التاریخ الاوسط کا قلمی کامل نسخہ دوسری جنگ عظیم تک جرمنی کے سرکاری کتب خانہ میں موجود تھا عبیداللہ رحمانی [2] تاریخ صغیر الہ آباد میں طبع ہو گئی ہے ۱۲۔

اور جو طبع ہوئی ہے وہ بروایت ابو محمد زنجویہ بن محمد النیسابوری مروی ہے اس
تاریخ میں امام بخاری مشاہیر صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے سنوات وفات و
نسب ولقا کا ذکر کرتے ہیں اور اکثر جرح و تعدیل کرتے ہیں چنانچہ عنوان تالیف
اس کا سنوات ہی پر رکھا ہے۔ ایک سنہ کے مشاہیر کی وفات وغیرہ کو لکھ کر
دوسرے سنہ کو شروع کرتے ہیں خطبہ میں فرماتے ہیں کتاب مختصر من تاریخ النبی
صلی اللہ علیہ وسلم والمہاجرین والانصار وطبقات التابعین لہم باحسان
ومن بعدھم ووفاتہم وبعض نسبہم وکناھم ومن یرغب عن حدیثہ[1]

الجامع الکبیر۔ اس کا ذکر ابن طاہر نے کیا ہے۔ اس کتاب کا بھی مفصل
حال کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ نہ اس کے کسی نسخہ[2] کے وجود کا پتہ چل سکا۔ صاحب
کشف الظنون نے اسی قدر لکھ کر سکوت کیا ہے۔

خلق افعال العباد[3]۔ صحابہ و تابعین جس طرح آیات و احادیث سے
فرق باطلہ کا رد کرتے تھے۔ وہی طرز عنوان اس کتاب کا بھی ہے اور یہی علم کلام
قدیم ہے۔ امام بخاری سے اس کو یوسف بن ریحان اور علامہ فربری نے روایت

---

[1] یعنی یہ ایک مختصر تاریخ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار وطبقات تابعین
اور ان کے بعد کے لوگوں کی اس کتاب میں ان کی وفات، ان کے نسب، ان کی کنیت وغیرہ اور جن سے
حدیث لینے میں اعراض کیا گیا ہے۔ سب کا بیان ہے ۱۲ منہ [2] الجامع الکبیر کا کامل قلمی نسخہ بخط
حافظ ابن کثیر کتب خانہ قلمی دار العلوم جرمن میں دوسری جنگ عظیم سے پہلے موجود تھا۔
خدا کرے یہ کتب خانہ محفوظ ہو۔ عبید اللہ رحمانی
[3] خلق افعال العباد۔ اور کتاب الضعفاء دونوں طبع ہو چکی ہیں۔ ۱۲ منہ

کیا ہے۔ اس کتاب میں فرقہ باطلہ جہمیہ اور معطلہ کا رد ہے اور آیات و احادیث کے ساتھ آثار صحابہ و اقوال تابعین بھی درج ہیں۔

کتاب الضعفاء الصغیر۔ حروف تہجی کی ترتیب پر ضعیف راویوں کے نام گنائے ہیں۔ اکثر وجہ تضعیف اور راوی کے تلمذ کا بھی ذکر ہے تضعیف میں جیسی احتیاط برتی ہے وہ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ صغیر کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے کتاب الضعفاء الکبیر بھی لکھی ہے یا لکھنے کا ارادہ کیا ہو۔ اس کو امام بخاری سے ابو بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی اور ابو جعفر بن سعید۔ اور آدم بن موسیٰ الخواری وغیرہ روایت کرتے ہیں

المسند الکبیر التفسیر الکبیر۔ ان دونوں کا ذکر علامہ فربری (امام بخاری کے تلمیذ) نے کیا ہے۔ ان دونوں کا مفصل حال کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ نہ ان کے کسی نسخہ[1] کے وجود کا پتہ چل سکا نہ ان کے راوی کا پتہ چل سکا۔

کتاب الھبہ۔ اس کا ذکر امام بخاری کے کاتب محمد ابو حاتم نے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں وعمل کتابا فی الھبۃ فیہ نحو خمس مائۃ حدیث وقال لیس فی کتاب وکیع فی الھبۃ الاحدیثان مسندان او ثلثۃ وفی کتاب ابن المبارک خمستا ونحوھا یعنی امام بخاری نے ہبہ کے مسائل میں ایک کتاب لکھی تو اپنے باب میں وہ اس قدر جامع تھی کہ وکیع ابن جراح اور عبداللہ بن مبارک کی کتاب سے اس کو

---

[1] المسند الکبیر کا کامل نسخہ امام ابن تیمیہ کے قلم کا لکھا ہوا کتب خانہ قلمی دار العلوم جرمن میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا ۱۲ عبید اللہ رحمانی

کچھ نسبت نہیں ۔ وکیع کی کتاب الصبر میں دو یا تین حدیثیں مرفوع تھیں اور عبداللہ بن مبارک کی کتاب میں صرف پانچ اور امام بخاری کی کتاب میں قریب پانچ سو کے اس کے بھی کسی نسخہ کا پتہ نہ چل سکا۔

اسامی الصحابہ۔ اس کا ذکر ابوالقاسم بن مندہ نے کیا ہے۔ اور وہ خود اس کو ابن فارس کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور اکثر اس سے نقل کرتے ہیں اور ابوالقاسم بغوی بھی اس سے اپنی کتاب معجم الصحابہ میں نقل کرتے ہیں اس موضوع (اسامی الصحابہ) پر اس سے پہلے کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا اس کے بعد ابن مندہ۔ ابن عبدالبر۔ ابن الاثیر۔ حافظ ابن حجر وغیرہ نے اسماء صحابہ اور اُن کے تاریخی حالات میں تصنیفیں لکھیں یہ موضوع جس قدر ضروری ہے مخفی نہیں۔

کتاب الوحدان۔ اس کتاب سے ابن مندہ اکثر نقل کرتے ہیں کتاب الوحدان میں امام بخاری نے ان رواۃ صحابیوں کا ذکر کیا ہے جن سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے۔ امام نسائیؒ نے بھی کتاب الوحدان لکھی ہے۔ امام نسائی کی کتاب الوحدان آگرہ میں طبع ہو گئی ہے امام مسلم نے بھی کتاب الوحدان لکھی ہے۔ وہ بھی آگرہ میں طبع ہوئی ہے۔ غالباً امام بخاری سے پہلے کسی نے اس موضوع پر کوئی تصنیف نہیں لکھی۔

کتاب المبسوط۔ اس کا ذکر خلیلی نے الارشاد میں کیا ہے

---

[1] اس کا کامل قلمی نسخہ کتب خانہ قلمی دارالعلوم جرمنی میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا۔ عبیداللہ رحمانی

[2] اس کا قلمی کامل نسخہ بخط حافظ ابن مندہ کتب خانہ جرمنی میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا۔ عبیداللہ رحمانی

اور شعیب بن سلیم نے اس کو امام بخاری سے روایت کیا ہے کتاب المبسوط کے موضوع بحث کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ اس کتاب میں بسط کے ساتھ وہ فقہی مسائل ہوں گے جو احادیث سے مستنبط کئے گئے ہیں۔

کتاب العلل۔ ابوالقاسم بن مندہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور وہ اس کو محمد بن عبداللہ ابن حمدون سے وہ ابو محمد عبداللہ بن الشرقی سے وہ امام بخاری سے روایت کرتے ہیں۔ یہ فن نہایت دقیق اور شریف ہے اس کے لیے جس قدر وسعت معلومات کی ضرورت ہے اس کا بیان پہلے حصہ میں گذر چکا ہے۔ غالباً اس موضوع میں بھی یہ پہلی کتاب ہے

کتاب الکنی۔ اس کا ذکر ابو احمد حاکم نے کیا ہے۔ اور وہ اس سے اپنی تصنیفات میں نقل بھی کرتے ہیں۔ محدثین کے لیے اس فن سے واقفیت حاصل کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اس موضوع میں رواۃ حدیث کی کنیتوں کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جس سے ایک راوی کا اختلاط دوسرے سے نہ ہو جس کے بغیر بڑے بڑے محدثین دھوکا کھا جاتے تھے۔

کتاب الفوائد۔ اس کا ذکر امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی کی کتاب المناقب میں کیا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کتاب الفوائد میں امام المحدثین نے کس قسم کے فوائد ودیعت رکھے ہیں۔ لیکن قرینہ یہ ہے کہ اس میں وہ نکات حدیثیہ ہیں جو فن علل سے تعلق رکھتے ہیں۔

---

[1] کذا فی مقدمۃ الفتح للحافظ ابن حجر، تاریخ بغداد للخطیب بالمیم بعدھا ھاء ثم تحتیۃ وفی کشف الظنون وھب بالواو بعدھا ۱/۱۲۶

الادب المفرد[۱]۔ یہ وہ کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وآداب سکھاتی ہے حقیقت امر یہ ہے کہ اس کتاب کی بدولت انسان انسان بن جاتا ہے۔ بالخصوص آج کل جبکہ رہی سہی اسلامی تہذیب یورپ کی آزادی کی بدولت رخصت ہو رہی ہے۔ اور ایک یورپی تہذیب کا تعلیم یافتہ ہوائے نفسانی اور پالیسی کا دلدادہ والدین کے آداب کو بھی خیرباد کہہ بیٹھتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کی بڑی حاجت ہے۔ اس کو امام بخاری سے احمد بن محمد بن الجلیل (بالجیم) البزار روایت کرتے ہیں۔

جزء رفع الیدین۔ رفع الیدین کے باب میں بڑی جامع کتاب ہے اثبات رفع الیدین کے علاوہ۔ روایات عدم رفع کی بھی بخوبی تنقید کی ہے۔ امام بخاری سے اس کو محمود بن اسحاق الخزاعی روایت کرتے ہیں یہ امام بخاری کے ان شاگردوں میں ہیں۔ جنہوں نے شہر بخارا میں سب سے پیچھے امام بخاری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

بر الوالدین۔ امام بخاری سے محمد بن دلویہ روایت کرتے ہیں۔ نام سے موضوع بحث ظاہر ہے لیکن اس کے وجود کا بھی پتہ نہیں چل سکا۔

کتاب الاشربہ۔ اس کا ذکر امام دارقطنی نے اپنی کتاب المؤتلف والمختلف کیسہ (زروای) کے ترجمہ میں کیا ہے۔

---

[۱] یہ کتاب متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ اس کا ایک ترجمہ فارسی میں جناب نواب مستطاب علامہ صدیق حسن خان بہادر طاب اللہ ثراہ نے لکھ کر آگرہ میں طبع کرایا تھا۔ ایک دوسرا ترجمہ اردو بنام وسلیقہ جناب مولانا عبد الغفار صاحب مرحوم نے لکھ کر آرہ میں طبع کرایا ہے ۱۲ منہ

قضایا الصحابۃ والتابعین۔ امام بخاری نے یہ مبارک کتاب تاریخ کبیر کے قبل ۲۱۲ھ ہجری میں تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب نہایت مفید اور کارآمد ہے اس لیے کہ تعامل صحابہ کو دیکھ کر افرادِ امت کو ایک قلبی تسکین حاصل ہوتی ہے، لیکن افسوس جس طرح متقدمین کی ہزاروں یادگاریں مٹ گئیں اسی طرح اس کا بھی آج کہیں پتہ نہیں ہے۔

کتاب الرقاق۔ اس کا ذکر صاحب کشف الظنون نے کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ کتاب الرقاق للبخاری من کتاب الحدیث۔ علامہ موصوف نے نہ اس کی ابتدا بتائی نہ اور کچھ تفصیل لکھی۔

علامہ ابن الملقن اپنی شرح توضیح میں امام بخاری کی ایک اور تصنیف کا پتہ دیتے ہیں۔ اور علامہ ابن الملقن کے ہم صفیر علامہ عینی بھی ہیں: علامہ ابن الملقن کے الفاظ یہ ہیں: ومن الغریب ما فی کتاب الجہر بالبسملۃ لابی سعد اسمٰعیل بن ابی القاسم البوشنجی عن البخاری انہ صنف کتابا فیما مائۃ الف حدیث انتہی یعنی ایک غیر مشہور بات امام ابو سعد اسماعیل بن ابی القاسم البوشنجی امام بخاری نے ایک حدیث کی کتاب تصنیف کی تھی جس میں انھوں نے ایک لاکھ حدیثیں جمع کی تھیں۔ ابن الملقن اور علامہ عینی تو اس بات کو غیر مشہور بتاتے ہیں اور افسوس آج تک کہیں دنیا کے کتب خانوں میں اس کا پتہ بھی نہیں چلا۔ نہ اس کا کوئی راوی معلوم ہوا اور نہ دوسرے محدث نے سوا ابو سعد بوشنجی کے اس کو نقل کیا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ امام بخاری نے جب صحیح بخاری کو چھ لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے تو کون سی تعجب کی بات ہے کہ ایک لاکھ حدیثوں کا

کوئی علمی خزانہ جمع کیا ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی تصنیف ایسی رہی ہو اور مرورِ زمانہ سے ناپید ہوگئی ہو۔ جس طرح آج سینکڑوں نہیں بلکہ سلف کی ہزاروں یادگاریں معدوم ہوگئیں۔ جن کا آج دنیا میں کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔" اگرچہ جس قدر امام بخاری کی تصنیفات موجود ہیں وہ کچھ کم نہیں۔ تاہم ایسے علمی خزانہ کے مفقود ہونے پر جتنا افسوس کیا جائے بجا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وہی تصنیف ہو جس کو المسند الکبیر اور التفسیر الکبیر کے نام سے امام کے تلمیذ "فربری" نے بیان کیا ہے۔ لیکن آج المسند الکبیر التفسیر الکبیر کا بھی پتہ نہیں ہے۔ زمانہ کے دستِ تعدی نے جہاں اور سلف کے خزانے برباد کر دیئے ان جواہرات کو بھی تلف کر دیا ہو۔ تو کوئی تعجب کی جگہ نہیں، آج امام عبداللہ بن مبارک امام ثوری جیسے لوگوں کی بے مثل تالیفات کا دنیا میں کہیں وجود نہیں۔ حالانکہ یہ وہ تالیفات ہیں جن کو لوگ ازبر رکھتے تھے۔

الجامع الصغیر فی الحدیث۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ "بقول ابن حجر اس کتاب کو امام بخاری سے عبداللہ بن محمد الاشقر نے روایت کیا ہے اور یہ امام صاحب کی ان تالیفات میں سے ہے جو موجود ہیں۔"[1]

---

[1] اس کا قلمی نسخہ بخط حافظ ابن حجر کتب خانہ قلمی دار العلوم جرمنی میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا۔ عبیداللہ رحمانی۔

جزء قراءۃ خلف الامام[1]۔ امام صاحب کا مشہور رسالہ ہے، امام صاحب نے اس رسالہ میں قراءۃ خلف امام کو بدلائل احادیث و آثار ثابت کیا ہے اور فریق کے جوابات نہایت عمدگی سے دیئے ہیں، جس سے امام صاحب کا کامل مناظرہ داں ہونا ثابت ہوتا ہے، اگرچہ فریق کا نام نہیں لیا ہے۔ لیکن فریق خود سمجھتا ہے کہ یہ میرا جواب ہے اور یہ کمال احتیاط اور علو ہمتی و حق پرستی ہے جو محدثین کی خصوصیات سے ہے۔

اہل کوفہ کا استدلال آیۂ کریمہ واذا قرئ القران فاستمعوالہ وانصتوا سے ہے اور اس استدلال پر گویا اہل کوفہ کا بالکل تکیہ ہے، امام صاحب نے اس استدلال کے جوابات عموم لفظ اور خصوص مورد دونوں اعتبار سے دیئے ہیں۔ مناظرہ کا قاعدہ ہے کہ کلام خصم کی تشقیق کرکے ہر شق کا جواب دیتے ہیں۔ اسی قاعدہ پر امام صاحب نے اس آیت کا جواب اولاً باعتبار عموم لفظ کے اس طرح دیا ہے کہ "تم خود اس عموم کو سنت فجر میں نہیں قائم رکھتے کیونکہ تمہارا مسئلہ ہے کہ اگر امام صبح کی نماز میں قرأت کر رہا ہو۔ اس وقت اگر کوئی نمازی آئے اور اس نے سنت نہ پڑھی ہو، تو اولاً سنت پڑھ لے۔ اس صورت میں یہ آیت اپنے عموم پر نہیں رہتی، تم نے جب سنن میں

---

[1] اب تک اس مسئلہ میں بڑی بڑی کتابیں تالیف ہو چکی ہیں۔ امام بیہقی نے بھی کتاب القراءۃ لکھی، متاخرین میں علامہ عبدالحی لکھنوی کی کتاب امام الکلام عربی میں اور حضرت استاذی المحترم مولانا ابوالعلی محمد عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری کی کتاب تحقیق الکلام، دو ضخیم بڑی جامع تالیفات قابل مطالعہ ہیں۔ جزء قراءۃ خلف الامام بھی مصر میں طبع ہو گیا ہے ۱۲ منہ

اس آیت کی تخصیص کی تو فرض یعنی قرات میں عموم آیت کی تخصیص کیوں نہیں ہو سکتی سنت فجر کی صورت میں تو کوئی مخصص صحیح بھی موجود نہیں، اور یہاں تو عبادہ بن صامت اور دیگر صحابہ کی صحیح روایات مخصص موجود ہیں۔

اور اگر خصوص مورد کے اعتبار سے تمہارا استدلال ہے تو یہ خصوص مورد ثابت نہیں، کیونکہ اس کا مورد خطبہ ہے نہ صلوٰۃ اور اس کو امام نے روایات متعددہ سے ثابت کر کے دکھایا ہے اور کوئی صحیح روایت ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ یہ آیت نماز میں نازل ہوئی؛

اسی مسئلہ میں اب تم اس مناظرہ کو ملاؤ جس کی نسبت جناب امام ابو حنیفہؒ کی طرف کی جاتی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی کمال زیرکی اور فطانت ثابت کی جاتی ہے جس کو ہم عصر نعمانی صاحب نے نہایت فخریہ الفاظ میں لکھا ہے۔ خاص انہیں کے الفاظ یہ ہیں "ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرات خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں امام صاحب نے کہا اتنے آدمیوں سے میں تنہا کیونکر بحث کر سکتا ہوں، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں کسی کو انتخاب کر لیں جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو اور اس کی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے، لوگوں نے منظور کیا۔ امام صاحب نے کہا، آپ نے یہ تسلیم کر لیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہو گیا، آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا۔ اسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرات کا کفیل ہے۔"

ایک سمجھ دار کہہ سکتا ہے کہ اس مناظرہ میں امام ابو حنیفہ نے کوئی شرعی دلیل

نہیں بیان کی، عقلی طور پر بھی جو تقریر کی ہے، کیسی گری ہوئی ہے، مدار اس مناظرہ کا اس پر ہوا کہ جس طرح سب کی طرف ایک شخص کو بحث کا مختار کر دیا، اسی طرح امام نماز تمام مقتدیوں کی طرف سے قرات کا کفیل ہے۔ حالانکہ وجہ شبہ (مختار کرنا) نماز میں نہیں پائی جاتی۔ مقتدی یہ نہیں کہتا کہ امام میری طرف سے نماز کا مختار ہے اگر کوئی یہ کہے کہ اقتدا کرنا یہی مختار کرنا ہے، تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اقتدا سے معیت فی العبادۃ مقصود ہے جس پر آیہ کریمہ واركعوا مع الراكعين شاہد عدل ہے، اور اگر اقتدا سے معیت فی العبادۃ مقصود نہ ہو بلکہ مختار کرنا مقصود ہو تو قراۃ کی کیا خصوصیت ہے لازم یہ ہے کہ کوئی رکن نماز کا مقتدی نہ بجا لائے تکبیر تحریمہ۔ ثنا۔ التحیات مقتدی کچھ نہ پڑھے۔ حالانکہ یہ امام ابو حنیفہؒ بھی نہیں کہتے۔ پھر یہ تقریر امام ابو حنیفہؒ کی (جس پر ناز ہے) کس قسم کی ہوتی۔

صحیح بخاری کی مقبولیت اور اس کی رفعت شان

امام صاحب کی کل تصنیفات میں الجامع الصحیح، جو آج صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے، اور دنیا کے تمام اُن حصوں میں جہاں جہاں اسلامی اثر پہنچا ہے

ع۔ افسوس امام بخاری کے طرز جواب کو نعمانی صاحب حیرت انگیز فرماتے ہیں لیکن ان کو نہ حیرت ہوئی تو امام ابو حنیفہؒ کے اس طرز جواب سے جو حضرت موصوف کو مناسب تھا کہ جو مناظرہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کو مناظرہ کے قواعد سے ٹھیک کرتے خصوصاً مسائل فرعیہ میں جس میں دلائل شرعیہ کا ہونا فرض ہے۔ ہمارے خیال میں اس قصہ کی نسبت ہی امام صاحبؒ کی طرف غلط ہے ۱۲

شائع ہے بخصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ جن وجوہات سے مسلمانوں نے امام بخاری کو امام المحدثین امیر المومنین فی الحدیث کا لقب دیا، ان میں ایک یہ مبارک کتاب بھی ہے۔ یہ رتبہ یہ تفضیلت یہ شرف بہ اعتبار متقدمین سے لے کر متاخرین تک اسلام میں نہ کسی محدث کی تصنیف کو حاصل ہوا نہ کسی فقیہ اور امام کی تالیف کو۔ آج اسلام میں کتاب اللہ کے بعد کس کی تالیف اور کون سی کتاب ہے جس کے آگے کل اسلامی دنیا سر تسلیم خم کرتی ہے ؎

لہ الکتاب الذی یتلو الکتاب ہدی　　ہدی السیادۃ طود لیس ینصدع

صحیح بخاری ایک ایسی کتاب ہے۔ کہ اگر صرف اسی کی تاریخ لکھی جائے اور ہر پہلو سے اس پر مستقل بحث کی جائے تو کئی ضخیم جلدیں لکھنی پڑیں۔ علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں (جس میں انہوں نے علم تاریخ کے حکیمانہ اصول اور فلسفیانہ نکتے و تمدنی قواعد ضبط کئے ہیں) فرماتے ہیں یہ ولقد سمعت کثیرا من شیوخنا رحمہم اللہ یقولون شرح کتاب البخاری دین علی الامۃ "یعنی میں نے اپنے اکثر اساتذہ اور شیوخ کو فرماتے سنا۔ کہ صحیح بخاری کی شرح لکھنے کا قرض امت پر اب تک باقی ہے۔ علمائے ملت اسلام میں سے کسی نے اس کی ایسی شرح نہیں لکھی جس سے امت کا یہ قرض ادا ہو۔ اور امت کو قرض دین سے سبکدوشی حاصل ہو۔ گو شروح بہت ہو چکیں لیکن وہ نکات فقہیہ جو امام بخاری نے تراجم ابواب میں ودیعت رکھے ہیں۔ اور وہ علمی خزائن اور فنون حدیثیہ و تاریخیہ کے وقائق جو انہوں نے ایک ہی

ؔ کتاب اللہ کے بعد امام بخاری کی صحیح بخاری کا درجہ ہے اور یہ سیادت ایسا عظیم الشان کوہ ہے جو کسی طرح ہل نہیں کھا سکتا ۱۲

ؔ طبقات کبری ۲

حدیث کے تکرار تعلیق موصوف موصول لازمیں رکھے ہیں۔ کسی نے
ان کا استیعاب نہیں کیا، اور نیز علامہ موصوف امام بخاری کی دقت نظر اور
تفقہ۔ و صحیح بخاری کے عنوان تالیف و ابواب فقہیہ پر ریمارک فرماتے ہوئے
لکھتے ہیں ''لیکن صحیح بخاری فن حدیث کی تمام کتابوں سے درجے میں بلند
ہے۔ اس کا پایا نہایت بلند ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے اس کی شرح کو نہایت مشکل
خیال کیا ہے۔ اور اس کے مطالب تک راہ یابی کو نہایت دشوار سمجھا ہے۔
کیونکہ اس کے مقاصد پر راہ یابی کے لیے ضرورت ہے کہ ایک ایک حدیث
کی متعدد سندوں کے سلسلے سے واقفیت حاصل کی جائے اور ان کے
رجال سے جن میں کوئی شامی ہے کوئی عراقی، کوئی حجازی کوئی بصری ہر ایک سے
پوری پوری واقفیت پیدا کی جائے۔ ان کے موالید ان کے وفیات ان کے
لقاء وغیرہ کے حالات کے ماسوا اس سے بھی واقفیت حاصل کی جائے
کہ لوگ ان کے بارے میں کیا اختلاف رکھتے ہیں۔ اسی لیے صحیح بخاری کے
ابواب میں غائر نظر کی ضرورت ہے۔ امام بخاری ایک ترجمۃ الباب لکھ کر
اس کے تحت میں ایک حدیث کسی سند سے لاتے ہیں۔ پھر دوسرا باب لکھتے ہیں
اور اس میں بھی وہی حدیث دوسری سندوں سے لاتے ہیں۔ اس وجہ سے
کہ دوسرے باب کے مناسب بھی اُس حدیث میں معنی ما بہ الاستدلال موجود
ہوتا ہے۔ اس طرح کئی کئی ترجمۃ الباب میں ایک ہی حدیث لاتے ہیں۔ یہانتک
کہ ظاہر نظر میں وہ حدیث مکرر سہ کر رہ جاتی ہے حالانکہ واقع میں تکرار نہیں بلکہ
یہ ظاہری تکرار علاوہ مسئلہ فقہیہ کے کسی نکتہ حدیثیہ یا تاریخیہ کی وجہ سے نہایت

مفید ہوتی ہے۔ اس جس نے صحیح بخاری کی شرح لکھی، اور ان باتوں پر اس نے کامل بحث نہ کی۔ اس نے صحیح بخاری کی شرح کا حق ادا نہیں کیا۔ جس طرح علامہ ابن بطال۔ یا علامہ المہلب بن ابی صفرہ یا علامہ ابن التین کی شرحیں ہیں"

علامہ ابن خلدون آٹھویں صدی کے مورخ ہیں۔ نویں صدی کے ابتداء میں وفات پائی ہے۔ مقدمہ تاریخ کو انہوں نے ۷۷۹ھ ہجری میں ختم کیا ہے۔[ع]

اس وقت تک صحیح بخاری کی شرح کثرت سے لکھی جا چکی تھیں۔ تیسری صدی کے بعد ہی سے اس کی شرح کی طرف اہل علم متوجہ ہو گئے لیکن اس فاضل مورخ کے تتبع واستقرار اور تحقیق میں کوئی شرح اس قسم کی نہیں لکھی گئی جو صحیح بخاری کے نکات فقہیہ اور تدقیقات حدیثیہ وتاریخیہ کی طرف پوری طرح رہبر ہو سکے۔ جہاں تک خیال کیا جاتا ہے زمانہ موجودہ تک صحیح بخاری کے شروح کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ اور اہل علم نے کوئی پہلو یا کوئی موضوع ایسا نہیں چھوڑا جس پر بحث نہ کی ہو کسی نے نحوی تحقیقات سے بحث کی کسی نے صرف تراجم ابواب کو موضوع ٹھہرا کر کتاب لکھی۔ کسی نے لغات سے بحث کی کسی نے رجال سے کسی نے تعلیقات کو موصول کیا۔ کسی نے متابعات سے بحث کی۔ کسی نے استخراج کیا۔ کسی نے استدراک کیا۔ کسی نے تنقید پر کتاب لکھی۔

ع مقدمہ کے آخر میں علامہ ابن خلدون کی یہ عبارت موجود ہے، قال مؤلف الکتاب عفا اللہ عنہ اتممت ھذا الجزء الاول بالوضع والتالیف قبل التنقیح والتہذیب فی مدۃ خمسۃ اشہر آخرہا منتصف عام تسعۃ وسبعین وسبعمائۃ (۷۷۹ھ)

تاہم امام بخاری کے دقیق خیال اور لطیف استدلال تک بہت کم لوگوں کی رسائی ہوئی علامہ ابوالخیر سخاوی التبر المسبوک فی ذیل السلوک میں علامہ ابن حجر کے ترجمہ میں فتح الباری کی نسبت رقم طراز ہیں ولو وقف علیہ ابن خلدون القائل بان شرح البخاری الی الآن دین علی ھذہ الامۃ لقرت عینہ بالوفاء والاستیفاء یعنی اگر فاضل ابن خلدون کو فتح الباری سے واقفیت ہوئی ہوتی جنہوں نے یہ لکھا تھا کہ صحیح بخاری کی شرح کا دَین امت پہ باقی ہے تو اس شرح کو دیکھ کر ان کی آنکھیں اس دَین کے بھر پانے سے ٹھنڈی ہوتیں۔ لیکن بقول ہمارے[1] بعض شیوخ کے کیا معلوم کہ فاضل مورخ کے بلند خیال میں بھی دَین ادا ہوا یا ابھی باقی ہے" حقیقت امر یہ ہے کہ یزیدلہ حسنا اذا مازدتہ نظرا یہ مصرع شاید اسی مبارک کتاب کے لیے موزوں ہوا ہے، جس قدر جس کو زیادہ غور کا موقع ملتا ہے اُسی قدر نکات فقہیہ اور تدقیقات حدیثیہ سے اس کے دل و دماغ کو بہرہ یابی ہوتی ہے اس کی رفعت شان کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ تینیس[۲۳] کروڑ افراد انسانی ناواقفیت سے

---

[1] یعنی جناب استاذ الاساتذہ فخر الہند باقر العلوم حضرت مولانا حافظ عبداللہ الغازیپوری ثم الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ ایک مدت تک مدرس اعلیٰ کے عہدے پہ مدرسہ چشمہ رحمت غازیپور مدرسہ احمدیہ آرہ میں رہے آخر عمر میں باصرار علمائے دین دہلی میں بجائے شیخ الکل درس دیتے رہے۔ اور بقیہ زندگی وہیں گذاری ممالک مغربی و شمالی وصوبہ بہار و بنگال کے لوگ کثرت سے فیض یاب ہوئے۔ آخر میں پنجاب کا بخت بیدار ہوا۔ قرآن تفسیر و حدیث وریاضی ہیئت۔ فلسفہ منطق۔ فقہ و اصول فقہ اقلیدس ان فنون میں آپ کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ آخر عمر میں صرف فنون اسلامیہ کے درس کا شوق رہا اور اسی کی دھن سی لکھنؤ میں ۱۳۳۷ھ میں رحلت فرمائی! آپ کے مفصل حالات تراجم علماء حدیث ہند میں ملاحظہ فرمائیں عبیداللہ رحمانی

معدودے چند اس کو مایہ ناز سمجھتے ہیں۔ اور یقین کرتے ہیں کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال۔ افعال۔ تقریرات اس تنقید اور تحقیق کے ساتھ اس کتاب میں جمع کیے گئے ہیں کہ اس سے بڑھ کر ہونا غیر ممکن ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی جانفشانی اپنی محنت اپنی سعی اپنی جان نثاری اپنے خداداد حافظہ کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اگلی امتوں کو چھوڑو۔ اس امت میں بھی اس دل ودماغ اور اس خیال کے چیدہ اشخاص ہوئے جن کا شمار انگلیوں پر کیا جاتا ہے۔ کوئی رائے وقیاس میں لپٹ کر رہ گیا۔ کوئی دوسرے فنون میں۔ آج حنفی۔ شافعی مالکی حنبلی یہ چار فرقے اہل سنت کے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی ضمنی تقسیمیں ہیں اور ان کے اقسام الگ الگ ناموں سے نامزد ہیں۔ اسی طرح عقائد تصوف کے اعتبار سے کتنی تقسیمیں ہیں لیکن قرآن کے بعد اس کتاب کی صحت کا اقرار کرتے اور مانتے ہیں متساویۃ الاقدام ہیں۔ اور عرب وعجم۔ اہل حجاز۔ اہل شام۔ اہل عراق۔ اہل ہند۔ ترکی۔ کابلی۔ بربری۔ افریقی رومی روسی۔ بدوی۔ شہری۔ محدث۔ فقیہ۔ متکلم۔ صوفی سب مانتے ہیں۔ وہ اہل تقلید جن کو چشم بصیرت نہیں ان کے لیے معتقدوں کے اقوال کافی ہیں۔ افسوس کہ ہم ان شہادتوں کے نقل کرنے سے مجبور ہیں ہماری اس کتاب کے حجم کے اضعافاً مضاعفہ ہونے سے بھی ان کا استیعاب نہیں ہو سکتا ہاں کسی موقعہ پر ناظرین کی تشفی کے لیے نمونہ از خروارے نقل ہوں گے۔ اسلام میں خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے بالخصوص وہ

خواب جس میں کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اس بناپہ وہ مستند خواب جس کا سلسلہ سند امام بخاری تک پہنچتا ہے بہت ہی باوقعت ہوگا۔ فربری۔ وراق سے ناقل ہیں کہ وراق (امام بخاری کے کاتب) بیان کرتے ہیں۔ میں نے امام بخاری کو خواب میں دیکھا۔ کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مبارک قدم اٹھاتے ہیں تو امام بخاری اپنا قدم حضرت کے نشان قدم پر رکھتے جاتے ہیں۔ نجم بن فضیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف سے باہر تشریف لائے اور امام بخاری آپ کے پیچھے پیچھے آپ کے نشان قدم پر چلے جا رہے ہیں۔

ان دونوں خوابوں کے علاوہ ابوسہیل مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوزید مروزی سے سنا۔ وہ بیان کر رہے ہیں کہ میں رکن بیت اللہ (حجر اسود) اور مقام ابراہیم کے درمیان سو رہا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ ابوزید! شافعی کی کتاب کا درس میری کتاب پڑھتے ہوئے کب تک دیا کروگے؟ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ کی کون سی کتاب ہے؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الجامع الصحیح لمحمد بن اسمٰعیل

تو مس ولیم بیل اورینٹیل بیوگریفکل ڈکشنری مطبوعہ لندن ۱۸۹۰ء میں لکھتے ہیں۔ امام بخاری کی تصنیف صحیح بخاری کی سب سے زیادہ قدر کی جاتی

ہے اور روحانی و دنیاوی معاملات غرض دونوں حیثیت سے قرآن کے بعد معتبر سمجھی جاتی ہے۔ آگے لکھتے ہیں اس کتاب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وحیاں والہامات اور افعال واقوال ہی نہیں مندرج ہیں بلکہ قرآن کے اکثر مشکل مقامات کی تفسیر بھی درج ہے۔

امام بخاری کو صحیح بخاری کی تالیف کا خیال کیونکر پیدا ہوا

صحابہ کے زمانہ کو ہم آفتاب نصف النہار یا روز روشن کے ساتھ اور تابعین و تبع تابعین کے زمانہ کو شفق کے ساتھ تشبیہ دیں تو نہایت بجا ہے روز روشن میں اندھیری کا خیال اور اس کی روشنی کی نکرچیدہ لوگوں کو ہوتی ہے آفتاب غروب ہونے پر جو روشنی باقی رہتی ہے اسی کا نام شفق ہے۔ گو ابتدا میں اس وقت بھی روشنی بقدر معتد بہ رہتی ہے۔ لیکن جس قدر وقت گذرتا جاتا ہے روشنی دھیمی ہوتی جاتی ہے اور شب کی اندھیری کا خیال ہر کس و ناکس کو ہوتا جاتا ہے۔

صحابہ ہی کے زمانہ میں کتابت[1] حدیث کا خیال پیدا ہو گیا تھا عبداللہ بن عمرو بن عاص۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے پاس حدیثیں لکھی ہوئی تھیں۔ تابعین اور تبع تابعین میں ضرورت محسوس ہوئی اور تبع تابعین کے

---

[1] کتابت و تدوین حدیث پر مفصل بحث مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی للعلامۃ المبارکفوری اور السیر الحثیث فی تاریخ تدوین الحدیث للدکتور محمد زبیر الصدیقی استاذ الاسلامیات بجامعۃ کلکتہ میں ملاحظہ کیجئے ۱۲ عبیداللہ رحمانی۔

زمانہ میں بہ نسبت تابعین کے زیادہ تر اس کا خیال ہوا۔ کیونکہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کی بدولت جس قدر رموز و حقیقت سے آگاہ تھے ظاہر ہے۔ چنانچہ ان کے اوصاف افضل اعرف اعلم اعمق (بصیغہ تفضیل) وارد ہوئے۔ تابعین ان کی صحبت سے فیض یاب ہوکر بہت کچھ حقائق شرع سے خبر دار تھے لیکن رفتہ رفتہ کمی ہوتی جاتی تھی۔ محاورات بدلتے جاتے تھے۔ مفاہیم میں تغیرات پیدا ہوتے جاتے تھے۔ اور ایک ایسا اندھیرا وقت چلا آتا تھا جس کے لیے ان کو پہلے سے غیر معمولی قوت سے روشنی کا اہتمام کرنا تھا۔ تبع تابعین نے کمر ہمت چست باندھ کر یہ کام وسیع پیمانہ پر شروع کیا۔ اور محدثین نے جان توڑ سعی سے اس کی تکمیل کر ڈالی۔

ابتداءً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کتابت حدیث کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اور صاف کہہ دیا گیا تھا

لا تکتبوا عنی شیئا الا القران ومن کتب عنی شیئا غیر القران فلیمحہ (مسلم) یعنی مجھ سے بجز قرآن اور کوئی چیز نہ لکھا کرو۔ اگر کچھ لکھا ہو تو اس کو مٹا دو۔

یہ اہتمام اس واسطے کیا گیا کہ قرآن کا اور چیزوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو جائے لیکن زبانی تبلیغ کی وہی تاکید رہی۔ صرف کتابت کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ جب ایک معتد بہ زمانہ گذر گیا اور اس اختلاط کا اندیشہ جاتا رہا تو آگے چل کر کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی۔ اور جب ابوشاہ یمنی نے حجۃ الوداع کے خطبے کے لکھ دینے کی درخواست کی تو جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کرلی۔ اور صاف لفظوں میں فرمایا:۔ اکتبوا لابی شاہ یعنی ابو شاہ کے لیے یہ خطبہ لکھ دو۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص حدیثوں کو لکھ لیا کرتے تھے۔ ان کو بعض لوگوں نے منع بھی کیا۔ لیکن عبداللہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تو آپ نے انگلیوں کے اشارے سے فرمایا لکھ لیا کرو۔ اسی طرح حضرت عمرؓ، حضرت انسؓ اور دیگر صحابہؓ و تابعین نے اس کی سخت تاکید کی۔ لیکن اس اجازت اور صحابہ و تابعین کی تاکید پر بھی قرون اولیٰ میں چنداں کتابت حدیث کا رواج نہ ہوا۔ وہ لوگ ابتدا کی ممانعت کی وجہ سے حفظ کے اس قدر خوگر ہو گئے تھے کہ کتابت ان کو جبر ہوتی۔ ابو سعید خدریؓ سے ان کے شاگردوں نے کہا کہ ہمیں یاد میں دقت پڑتی ہے۔ آپ لکھا دیجیے۔ ابو سعید خدری نے سخت انکار کے لہجے میں فرمایا ہم لکھائیں گے نہیں۔ جس طرح ہم نے حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زبانی یاد کیا ہے۔ تم بھی ہم سے زبانی یاد کرو۔ ہم حدیثوں کو قرآن بنانا نہیں چاہتے۔ اسی طرح ابوہریرہ سے بھی درخواست کی گئی۔ تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس قرن کے مسلمانوں میں سیلان ذہن۔ خداداد حافظہ کچھ ایسا تھا کہ ان کو لکھنے اور جمع کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان کا کام یوں ہی بآسانی چلتا تھا۔ اور ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ اکثر ان قرون کے مسلمان کتابت نہیں جانتے تھے۔

---

۵ مقدمۃ الفتح ۱۲

"تابعین کے آخر زمانہ میں جبکہ علمائے اسلام دور دراز ممالک میں
منتشر ہو گئے اور روافض وخوارج اور منکرین تقدیر کی بدعتوں کا شور اٹھا۔
گویا شفق کی روشنی بھی اب غائب ہونے لگی تو آثار واحادیث کی تدوین
شروع ہوئی۔ اور ہر فن کی ابتدائی حالت جیسی رہتی ہے۔ اس کی بھی رہی۔ لیکن
خلیفۂ وقت عمر بن عبدالعزیز کی تاکید نے ایک ہلچل مچادی اور آناً فاناً احادیث
کا دفتر تیار ہو گیا۔ ربیع بن صبیح۔ سعید بن ابی عروبہ اور ان کے چند معاصرین نے
اس کام میں پہلے حصہ لیا۔ اس ابتدائی دور میں تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ ہر باب کو
علیحدہ اجزا میں بلکہ ہر قسم کے آثار واحادیث کو بلا لحاظ ترتیب اکٹھا کر
دیتے۔ ان کے بعد تبع تابعین اٹھے اور احکام جمع کئے۔ مدینہ
میں امام مالک نے موطا لکھی۔ جس میں یہ التزام کیا کہ اہل حجاز کی
قوی قوی حدیثیں لائیں۔ لیکن اس کے ساتھ صحابہ اور تابعین کے فتاوی بھی
شامل کیے۔ مکہ میں ابن جریج۔ شام میں امام اوزاعی۔
کوفہ میں سفیان ثوری۔ بصرہ میں حماد بن سلمہ نے اپنی اپنی
طرز پر تصنیفیں کیں۔ ان کے بعد ان کے بہت سے معاصرین نے انہیں کی
طرز اختیار کی۔ اور علم حدیث کی تدوین وترتیب کی، جب اور کچھ ترقی ہوئی تو
بعض ائمہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ "صرف حدیث نبوی بلا اختلاط آثار صحابہ تابعین
جمع کریں۔ اس خیال پر عبیداللہ بن موسیٰ کوفی نے ایک مسند لکھی۔ اسی طرح
مسدد بن مسرہد۔ اور اسد بن موسی اموی اور نعیم بن حماد نزیل مصر نے بھی
اپنی اپنی مسندیں جمع کیں۔ اور ائمہ بھی انہیں کے نشان قدم پر چلے۔ حتیٰ کہ

حفاظ حدیث ہیں۔ بمشکل ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے اپنی مرویات احادیث کو مسند کے طور پر جمع نہ کیا ہو۔ منجملہ ان جامعین کے امام احمد بن حنبل۔ عثمان بن ابی شیبہ اسحاق بن راہویہ۔ نہایت ممتاز لوگوں میں ہیں۔ امام احمد بن حنبل کی جو مسند آج طبع ہو کر شائع ہے۔ اور اہل اسلام اس سے نفع اٹھا رہے ہیں۔ ان مسندوں میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ بعض حفاظ نے مسند اور ابواب دونوں طریقوں پر جمع کیا۔ جیسے ابو بکر بن ابی شیبہ امام بخاری نے ان تصانیف کو دیکھا اور ان کو جانچا اور ان میں ہر قسم کی صحیح اور ضعیف حدیثوں کو مخلوط پایا۔ تو ان کا قصد یہ ہوا کہ صرف صحیح صحیح احادیث کو جمع کریں۔ جن میں کسی کو شک نہ ہو۔ علاوہ بریں امام اسحاق بن راہویہ نے امام بخاری کو اس کی فرمائش بھی کی تھی | ابراہیم بن معقل نسفی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے بیان کیا ہم لوگ ایک روز امام اسحاق بن راہویہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا لو جمعتم کتابا مختصرا لصحیح سنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم کاش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح صحیح حدیثوں سے ایک مختصر کتاب تم جمع کرتے۔

امام بخاری کہتے ہیں فوقع ذالك فی قلبی میرے جی میں یہ بات بیٹھ گئی۔ اور آگ میں روغن کا کام دے گئی۔ میں نے اسی وقت سے جامع صحیح کی تدوین شروع کر دی۔

ایک تیسری وجہ یہ تھی کہ امام بخاری نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ میں آپ کے حضور میں کھڑا ہوں میرے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے جس سے میں آپ کے اوپر سے مکھیوں کو ہانک رہا ہوں۔

بیدار ہو کر معبرین سے تعبیر پوچھی۔ تعبیر دینے والوں نے یہ تعبیر دی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جن جھوٹی حدیثوں کی نسبت کی جاتی ہے تم ان کو دفع کرو گے۔ حدیث میں وارد ہے کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اس نے واقعی صحیح دیکھا۔ اس لیے اس متبرک خواب نے امام المحدثین کے شوق کو اور بھی دوگنا کر دیا۔ اور جامع صحیح کی تالیف میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

مدت تالیف اور کیفیت تالیف

صحیح بخاری کو امام بخاری نے کب اور کتنی مدت میں تالیف کیا اور تالیف کی کیفیت کیا تھی اور تالیف کرنے کے بعد کن کن فحول محدثین اور اکابر علما کی خدمتوں میں پیش کیا۔ ان میں سے ہر ایک عنوان پر علیحدہ بحث کی (جیسا کہ اکثر شراح بخاری کا دستور ہے) اس مختصر میں گنجایش نہیں۔ تاہم بالکل چھوڑنا بھی مناسب نہیں۔

وراق نے امام صاحب کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ میں نے جامع صحیح کو سولہ ۱۶ برسوں میں لکھا۔ اور یہ بھی امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے جامع صحیح کو تین بار تالیف کیا۔ لیکن یہ قول امام صاحب کے پہلے قول کا منافی نہیں ہے۔ ایک ہی تصنیف کو مصنف کئی بار تہذیب و ترتیب دیتا ہے ابوالہیثم کشمیہنی[1] کہتے ہیں "میں نے امام فربری سے سنا۔ وہ امام صاحب سے

[1] بضم الکاف وسکون الشین المعجمۃ وکسر المیم بعدہا تحتیۃ ساکنۃ ثم ہا مفتوحۃ ثم نون نسبۃ الی کشمیہن قریۃ بمرو

ناقل تھے، امام صاحب فرماتے کہ میں نے کوئی حدیث الجامع الصحیح میں اس وقت تک نہیں داخل کی جب تک غسل کر کے دو رکعت نماز ادا نہ کر لی۔ ایک دوسری روایت میں اس قدر اور بھی وارد ہوا کہ مسجد حرام بیت اللہ میں میں نے اس کو تالیف کیا۔ اور دو رکعت پڑھ کر ہر حدیث پر استخارہ کرتا جب مجھے ہر طرح اس کی صحت کا یقین ہو جاتا تو الجامع الصحیح میں داخل کرتا اس کو میں نے اپنی نجات کے لیے حجت بنایا ہے۔ اور چھ لاکھ حدیثوں سے صحیح صحیح حدیثیں چن کر لکھی ہیں۔ علامہ ابن عدی، اپنے شیوخ کی ایک جماعت سے ناقل ہیں۔ کہ امام بخاری نے الجامع الصحیح کے تراجم ابواب کو حجرۂ نبوی اور منبر کے درمیان میں بیٹھ کر لکھا۔ اور ہر ترجمہ الباب کو دو رکعت نماز پڑھ کر صاف کرتے۔ وراق نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ میں امام بخاری کے ساتھ تھا۔ میں نے آپ کو کتاب التفسیر لکھنے میں دیکھا کہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ اٹھتے اور چقماق سے آگ روشن کر کے چراغ جلاتے اور حدیثوں پر نشان دے کر سو رہتے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب سفر و حضر ہر جگہ برابر اس کی دھن میں رہتے تھے۔ اور جب کسی حدیث کے صحیح ہونے کا یقین ہو جاتا اس پر نشان دیتے۔ رہی کتاب کے تراجم ابواب کی ترتیب اور تہذیب اور ہر باب کے تحت میں حدیثوں کو داخل کرنا۔ اس کو امام صاحب نے ایک بار حرم محترم میں۔ اور دوسری بار بین المنبر والمحراب (جو روضۃ من ریاض الجنۃ ہے) انجام دیا اور اسی تراجم ابواب کی ترتیب و تہذیب کے وقت جو حدیثیں تراجم ابواب کے

تحت لکھنے لگتے پہلے غسل کر کے استخارہ کر لیتے۔

ابو جعفر عقیلی کہتے ہیں۔ کہ امام صاحب نے صحیح بخاری کو تالیف کر کے اس وقت کے ان شیوخ کے سامنے جن کا فضل و کمال مسلمانوں میں مسلم تھا اور بڑے پایہ کے لوگ گنے جاتے تھے (یعنی امام احمد بن حنبل علی بن مدینی۔ یحییٰ بن معین وغیرہم) پیش کیا۔ سب نے نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور بالاتفاق صحت کی شہادت دی۔ مگر چار حدیثوں میں کلام کیا۔ عقیلی کہتے ہیں۔ ان چار حدیثوں میں بھی امام بخاری کی بات صحیح نکلی۔ اور وہ چاروں حدیثیں صحیح ٹھہریں۔

۸۹ صحیح بخاری کا عنوان تالیف

صحیح بخاری کی تالیف میں امام بخاری کو دو باتیں مدنظر تھیں (اول) ان حدیثوں کا انتخاب اور جمع کرنا جنکی صحت اور مقبولیت پر امام صاحب کے قبل کے محدثین کا یا امام صاحب کے وقت میں جو محدثین تھے۔ ان کا اتفاق ہو چکا تھا۔ اسی وجہ سے اس تالیف کا نام انہوں نے "الجامع الصحیح من احادیث رسول اللہ وسننہ وایامہ" رکھا (ثانی) استنباط مسائل فقہیہ استخراج نکات حکمیہ۔ جن کو امام بخاری کی دقت پسند طبیعت کے نتائج کہنا زیادہ مناسب ہے۔ جن کو موقعہ ترجمۃ الباب میں ذکر کرتے ہیں۔ اور اس مقصود (استخراج مسائل فقہیہ) کی وجہ سے متن میں اگر تکرار بھی ہو تو اس کی کچھ پروا نہیں کرتے لیکن التزام یہ ہے کہ متن اور اسناد دونوں

ہر طرح نہ مکرر ہوں۔ . . . تکرار صرف مضمون حدیث میں ہوتی ہے۔
تبدیلِ اسناد سے حدیث درجہ آحاد سے تواتر معنوی یا شہرت کے
درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور یہ تکرار قند مکرر کا مزا دے جاتی ہے ؎

متن و مضمون احادیث بہ تبدیل رواۃ ٭ چوں مکرر شود آں قند مکرر گیرند

استخراج مسائل میں ایک بہت ہی عمدہ التزام یہ ہے کہ پہلے آیات سے
استدلال کرتے ہیں۔ اور حدیث اور آیت کی تطبیق و توفیق کا خیال
مقدم رہتا ہے۔ ضمناً آیت کی تفسیر حدیث سے یا حدیث کی تفسیر آیت سے
ہو جاتی ہے۔ استدلال کا پیرایہ بہت ہی لطیف اور دقیق ہوتا ہے اکثر
ناواقف لوگ حیرت میں پڑ کر امام کو نشانۂ اعتراض بناتے ہیں۔

چونکہ استخراج مسائل فقہیہ اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس لیے
بہتیرے ابواب میں صرف فیہ عن فلاں سے اس حدیث کی طرف اشارہ
کر دیتے ہیں جو پہلے گذر چکی ہے، خواہ قریب گزری ہو یا بعید، کبھی کسی
باب کے تحت میں متن حدیث مذکور ہے۔ لیکن سلسلۂ سند محذوف،
یا حدیث معلق ذکر کی ہے، بہتیرے تراجم ابواب ایسے ہیں جن کے تحت
میں متعدد حدیثیں مذکور ہیں، کبھی ایک ہی حدیث، کبھی صرف قرآن کی آیتیں
یہ سب انداز بتاتے ہیں کہ استخراج مسائل فقہیہ بھی صحیح بخاری کی تالیف
کے اہم مقاصد سے ہے۔

بعض تراجم ابواب کے تحت میں نہ کوئی حدیث ہے نہ قرآن کی
آیت نہ اثر صحابی نہ قول تابعی بلکہ بالکل بیاض ہے، یہ ایسا موقعہ ہے

کہ کوئی مسئلہ پیش آیا، لیکن اُس کی دلیل بر وقت نہ مل سکی، صورت مسئلہ بعنوان ترجمۃ الباب لکھ لیا اس خیال سے کہ اس پر غور کریں گے، اور حدیث یا آیت عقب سے استدلالاً یا ترید یداً ترجمۃ الباب کے تحت میں درج کی جائے گی لیکن موت نے مہلت نہ دی۔ بعض مقام میں حدیث ہے، ترجمۃ الباب ندارد، یہ اس وجہ سے کہ حدیث صحیح کا تیقن ہو گیا جس کو کتاب میں داخل کر لیا لیکن استنباط مسئلہ کی نوبت نہ آئی۔

صحیح بخاری کے تراجم ابواب

امام صاحب نے صحیح بخاری کے تراجم ابواب میں بڑے بڑے اعلیٰ مقاصد پیش نظر رکھے ہیں، کہیں تو وہ نہایت ہی دقیق فقہی نکتوں کی طرف ارشارہ کرتے ہیں، کسی جا محدثانہ اصول، اور حدیث کی علت غامضہ بتاتے ہیں، جن کے حل کے لیے نظر غائر اور فہم صائب ذکاوت وفطانت کے علاوہ کثرت اطلاع اور وسعت نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن کی طبیعتیں اوچھی یا کج ہیں جن کے دماغ تنگ اور نظر محدود ہے یا وہ لوگ جو رسمی اصول اور اہل الرائے کی تخریجات کے پابند ہیں امام صاحب کے تراجم کی تہ تک پہنچنے سے محروم رہتے ہیں اس لیے کہیں تو صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر، کہیں تراجم اور حدیثوں کی تطبیق پہ اعتراض جمانے لگتے ہیں ؎

وکم من عائب قولاً صحیحا وآفتہ من الفہم السقیم

صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شان میں فقہا اور محدثین کا مشہور مقولہ فقہ البخاری فی تراجم ابوابہ ضرب المثل ہے۔

صحیح بخاری کے تراجم ابواب کے مہتم بالشان ہونے کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اَجلّہ محدثین اور فحول مصنفین نے تراجم کے مقاصد جلیلہ اور اشاراتِ غامضہ کے حل کرنے میں مستقل تصنیفیں لکھی ہیں

تراجم ابواب کے متعلق مستقل تصنیفات

(۱) علامہ ناصر الدین احمد بن المنیر خطیب اسکندریہ نے تراجم ابواب پر ایک مبسوط مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام المتواری علی تراجم البخاری رکھا۔ اس کتاب میں علامہ موصوف نے چارسو ابواب صحیح بخاری کے ایسے چُنے ہیں جو نہایت دقت طلب ہیں، پھر ان کو نہایت بسیط بحثوں میں حل کیا ہے۔

(۲) علامہ محمد بن منصور المغربی السجلماسی نے بھی ایک مستقل تصنیف لکھی ہے جس کا نام فک اغراض البخاری المبہمۃ فی الجمع بین الحدیث والترجمۃ ہے۔

(۳) علامہ ابن ابی عبداللہ رشید السبتی نے ایک ضخیم اور مبسوط کتاب صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر لکھی جس کا نام ترجمان التراجم ہے۔ افسوس یہ عزیز اور مفید کتاب ناتمام رہی اور ایک ضخیم جلد میں صرف ابواب الصوم تک پہنچی، گو یہ کتاب ناتمام رہی، لیکن پھر بھی جس قدر عدم سے وجود میں آئی صحیح بخاری کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بہت کارآمد

ہ یہ لفظ بہ تشدید یا واقع ہے ہذا ما افادہ شیخنا الشیخ حسین عرب الیمنی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲ منہ

ثابت[ع] ہوئی۔"

(۴) علامہ زین الدین علی بن المنیر نے بھی ایک مستقل تصنیف تراجم پر لکھی جس کا ذکر حافظ ابن حجر نے ہدی الساری میں کیا ہے۔

(۵) شرح تراجم الابواب صحیح بخاری ایک ضروری اور جامع رسالہ ہے، جناب شاہ ولی اللہ صاحب کا جو حیدر آباد کے مطبع "دائرۃ المعارف" میں طبع ہو کر شائع ہے اور اس سے پہلے تیسیر القاری شرح فارسی صحیح بخاری کے حاشیہ پر لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔ اس رسالہ کے ابتدا میں تراجم ابواب کے متعلق چند اصول جامع اور مختصر تقریروں میں بیان کئے گئے ہیں۔ پھر فرداً فرداً چار سو سے زاید تراجم پر مفصلاً (لیکن نہایت ایجاز کے ساتھ) بحث کی گئی ہے، اور جا بجا بہت ہی مفید نکات ودیعت رکھے گئے ہیں جو مصنف کے تبحر اور صفائی ذہن و حکیم الامت ہونے کے شاہد عدل ہیں۔ ان مستقل تصنیفات کے علاوہ صحیح بخاری کی شروح میں تراجم ابواب پر بڑی تفصیلی بحث کی جاتی ہے، اور اپنی وسعت کے موافق ہر شارح نے اپنے علم و فہم کا تموج دکھلایا ہے۔ ان میں شیخ الاسلام ابن حجر اور ان کے بعد علامہ عینی نے خاص حصہ لیا ہے۔ علامہ ابن خلدون صحیح بخاری کے تراجم الابواب پر ریمارک فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:"

فاما البخاری وھو اعلاھا رتبۃ فاستصعب	صحیح بخاری حدیث کی کتابوں میں سب سے
الناس شرحہ واستغلقوا منحاہ	بلند پایہ ہے۔ اس لیے اہل علم اس کی شرح کو

ع مقدمہ فتح الباری ۱۲ منہ

من اجل ما يحتاج اليه من معرفة الطرق والعدة	سخت مشکل کام خیال کرتے ہیں اور اس کے
ورجالها من اهل الحجاز والشام والعراق	مقاصد تک پہنچنا بہت مشکل جانتے ہیں کیونکہ
ومعرفة احوالهم واختلاف الناس فيهم	صحیح بخاری کے مقاصد تک پہنچنے کیلیے
ولذلك يحتاج الى امعان النظر في	چند باتوں کا ہونا ضرور ہے (۱) ایک ہی
التفقه في تراجمه لانه يترجم الترجمة	حدیث کے اسانید متعددہ سے آگاہ ہونا
ويورد فيها الحديث بسند او طريق ثم	(۲) ان اسانید کے رجال کا علم ہونا اسطرح
يترجم اخرى ويورد فيها ذلك الحديث	کہ کون ان میں شامی ہے کون حجازی کون
بعينه لما تضمنه من المعنى الذى ترجم	عراقی (۳) ان کے حالات سے آگاہ ہونے
به الباب وكذلك في ترجمة وترجمة الى	کے علاوہ یہ جاننا کہ لوگ ان میں کیا اختلاف
ان يتكرر الحديث في ابواب كثيرة	رکھتے ہیں اور امام صاحب نے کیا فیصلہ
بحسب معانيه واختلافها۔	کیا ہے اس وجہ سے تراجم ابواب کے سمجھنے

میں بڑی دقیق نگاہ اور دقت نظر کی ضرورت پڑتی ہے امام بخاری ایک ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں اور اس میں ایک سند سے حدیث لاتے ہیں پھر دوسرا ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں اور اس میں بھی یہی حدیث دوسری سند سے لاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ دوسرے ترجمۃ الباب کی بھی دلیل ہے اسی طرح متعدد تراجم ابواب میں بوجہ کثرت معانی واختلاف سند حدیث مکرر ہو جاتی ہے۔"

صحیح بخاری کے تراجم ابواب کو دعاوی اور ان کے ماتحت کی حدیثوں یا آیتوں وغیرہ کو دلائل یا بمنزلہ دلائل خیال کر لینا ایک بڑی بھاری غلط فہمی ہے۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے اکثر صحیح بخاری کے مطالعہ کرنے والوں کو دھوکہ ہوتا ہے۔

مقاصد تراجم کی تفصیل

صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی مختلف صورتیں اور مختلف اغراض[1] ہیں۔

(۱) کبھی امام صاحب ترجمۃ الباب میں اس حدیث کے الفاظ ذکر کرتے ہیں جو ان کی شرط پر نہیں ہے۔ اور اس حدیث کی صحت کی شہادت کے لیے باب کے تحت میں وہ حدیثیں لاتے ہیں جو امام صاحب کی شرط پر صحیح ہیں۔ جس سے ترجمۃ الباب کی تائید اور تصحیح منظور ہوتی ہے۔"

(۲) کبھی ایسا مسئلہ ترجمۃ الباب میں ذکر کرتے ہیں جس کو امام صاحب نے کسی صحیح حدیث سے جو ان کی شرط پر ہے مستنبط کیا ہے خواہ صریح الفاظ یا اشارۃ النص یا اقتضاءً سے اب اس کے تحت میں جو حدیث یا آیت لاتے ہیں وہ مسئلہ ترجمۃ الباب کی دلیل ہوتی ہے، لیکن وجہ استدلال پر حاوی ہونا ہر ایک کا کام نہیں۔

(۳) ترجمۃ الباب میں کبھی وہ مسئلہ ذکر کرتے ہیں جس کی قائل پہلے سے مسلمانوں کی کوئی جماعت تھی، اور اس مسئلہ کی امام صاحب کی تحقیق واجتہاد میں، دلیل یا شہادت یا ترجیح ثابت تھی، ایسے مقامات کو امام صاحب ترجمۃ الباب کی صورت میں بایں لفظ لکھا کرتے ہیں۔ باب من قال کذا او ذھب الی کذا۔

(۴) کسی ترجمۃ الباب میں ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جس میں حدیثیں مختلف آئی ہیں اس باب کے تحت میں ان مختلف حدیثوں کو جمع کر دیتے ہیں۔ جس سے وہ تطبیق

---

[1] تراجم بخاری کے اغراض ومقاصد غور وفکر کے بعد تیس سے بھی زائد ثابت ہوئے۔ حضرت مؤلف نے بطور نمونہ چند اغراض کے ذکر پر اکتفا فرمایا ہے ۱۲ عبیداللہ رحمانی

وترجیح واستنباط میں آسانی منظور ہوتی ہے۔

(۵) کسی مسئلہ میں مثل سابق کے ادلہ متعارض ہوتے ہیں اور امام صاحب کے نزدیک صورت تطبیق متعین یا راجح ہوتی ہے، پہلے ترجمۃ الباب میں توفیق ذکر کرتے ہیں، اس کے بعد ان دلائل متعارضہ کو لاتے ہیں، جس سے متعلم میں قوت توفیق وتطبیق پیدا ہوتی ہے۔

(۶) کسی ترجمۃ الباب کے اثبات میں متعدد حدیثیں ذکر کرتے ہیں، ان حدیثوں میں کوئی ایسی حدیث ہوتی ہے جس میں امام صاحب کے خیال میں کوئی مفید ضروری بات ہوتی ہے۔ جس پر تنبیہ کرنا وہ ضروری خیال کرتے ہیں، ایسی جگہ بجائے فائدہ یا تنبیہ کے، باب کا لفظ ذکر کرتے ہیں، یہاں صحیح بخاری پڑھنے والوں کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہاں سے نیا مسئلہ شروع ہوا، حالانکہ وہ کوئی باب علیحدہ نہیں ہوتا، بلکہ جس طرح عام مولفین کا قاعدہ ہے کہ ایسے موقعہ پر لفظ فائدہ یا قف یا تنبیہ لاتے ہیں، امام صاحب نے لفظ باب کے سوا دوسرے الفاظ پسند نہ فرمائے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح جیسے کتاب بدء الخلق، ترجمۃ الباب (باب قول اللہ عزوجل وبث فیہا من کل دابۃ) کے تحت میں پہلے ایک حدیث اس باب کے مطابق ذکر کر کے (باب خیر مال المسلم غنم یتبع بہا شعب الجبال) ذکر کیا"

(۷) کبھی باب کو بجائے (ح) تحویل، یا بہذا الاسناد، کے قائم کرتے ہیں، جس طرح اسی کتاب بدء الخلق میں باب ذکر الملائکۃ ہے پہلے ترجمۃ الباب کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں پیش کیں، ابوسعید کے واسطہ سے حدیث یتعاقبون ملائکۃ باللیل وملائکۃ بالنہار الخ لائے۔ اس کے بعد "باب" کا لفظ لکھ کر حدیث اذا قال احدکم آمین والملائکۃ

فی السماء امین الحدیث ذکر کیا۔ جس سے مطلب یہ تھا۔ وبہذا الاسناد یعنی اسی اسناد سے ذیل کی حدیث بھی ہے۔

(۸) ترجمۃ الباب کے تحت میں کبھی وہ حدیث لاتے ہیں جو خود ترجمۃ الباب پر دلالت نہیں کرتی نہ بظاہر ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق اُس کے مذکورہ الفاظ کو ہوتا ہے، لیکن اُس حدیث کے بہت سے طرق ہوتے ہیں اور ان میں بعض طرق کے الفاظ ترجمۃ الباب پر دال ہوتے ہیں، جس سے یہ جتانا مقصود ہوتا ہے کہ اس باب کے لیے کچھ اصل ہے اور یہ مسئلہ بالکل بے اصل نہیں ہے۔"

(۹) کسی ترجمۃ الباب میں تردیداً وہ مسئلہ ذکر کرتے ہیں جو کسی خاص شخص کا مسلک ہے یا امام صاحب کے خیال میں شاید آیندہ کوئی اس کا قائل ہوجائے لیکن امام صاحب کے نزدیک غلط ہے۔

(۱۰) اسی طرح کسی ترجمۃ الباب میں ایسی حدیث لاتے ہیں جو امام صاحب کے نزدیک ثابت نہیں، ایسے مقامات میں باب کے تحت میں صحیح حدیثوں کے لانے سے اُس مسلک یا اُس حدیث کا رد کرنا منظور ہوتا ہے۔

(۱۱) کبھی ترجمۃ الباب کے بعد بجائے مسند حدیث کے صرف کسی صحابی یا تابعی کا اثر یا قرآن کی کوئی آیت کریمہ لاتے ہیں۔ ایسا اس مقام میں کرتے ہیں، جہاں ترجمۃ الباب کا لفظ کسی حدیث کا ٹکڑا ہوا کرتا ہے، لیکن وہ حدیث امام صاحب کی شرط پر نہیں ہوتی۔ وہاں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ اس باب میں گو یہ حدیث آئی ہے لیکن امام صاحب کی شرط پر صحیح ثابت نہیں ہوئی اور حدیث ترجمۃ الباب قابل عمل ہے۔

(۱۲) کبھی ترجمۃ الباب میں ایسا مسئلہ ذکر کرتے ہیں جو بظاہر نہایت قلیل النفع ہے۔

لیکن کسی خارجی وجہ سے وہ مہتم بالشان بن گیا ہے جس طرح باب قول الرجل ما صلینا[۵] بظاہر کوئی نتیجہ خیز بات نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ علاؤ کہ ایک جماعت ما صلینا کہنے کو بہت برا جانتی ہے۔ تو اس باب کا کثیر النفع ہونا ظاہر ہو جاتا ہے،

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں، اس قسم کے تراجم ابواب میں امام بخاری نے مصنف ابن شیبہ اور مصنف عبد الرزاق کے تراجم ابواب پر قدح کی ہے، اور ان دونوں کتابوں کے تراجم ابواب کے استدلالات میں جو آثار و شواہد پیش کئے گئے ہیں ان کو رد کیا ہے

قلت اکثر ذلک تعقبات وتبکیتات علی عبد الرزاق وابن ابی شیبۃ فی تراجم مصنفیہما او شواہد الآثار تروی عن الصحابۃ والتابعین فی مصنفیہما ومثل ھذا لا ینتفع بہ الا من ممارس الکتابین واطلع علی ما فیہما۔	ان ابواب کے فوائد اور خوبیوں سے کچھ وہی شخص منتفع ہو سکتا ہے۔ جس نے ان دونوں مصنفات کا مطالعہ کیا ہے اور ان دونوں کتابوں سے اس کو ممارست ہے

(۱۳) کبھی ترجمۃ الباب میں قرآن کی کسی آیت کو ذکر کرتے ہیں اور حدیث سے اس کی شرح کرتے ہیں، یا عموم کی تخصیص کرتے ہیں یا مطلق کو مقید، یا اس کے بعض محتملات کی تعیین، کبھی ترجمۃ الباب میں حدیث ذکر کرتے ہیں، اور آیت سے اس کی تخصیص یا بعض محتملات کی تعیین، یا شرح، جناب شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں،

وکثیرا ما یاتی بشواھد الحدیث من الآیات وشواھد الآیۃ من الاحادیث تظاھرا ولتعیین بعض المحتملات دون البعض فیکون	اکثر اوقات حدیثوں کی شہادت میں آیات اور آیت کی شہادت میں احادیث لاتے ہیں۔ اس سے مقصود یا تو ایک کو دوسرے سے

[۵] کسی آدمی کا یہ کہنا کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی ۱۲ منہ

کقول المحدث المراد بھذا العام الخصوص او بھذا الخاص العموم ونحو ذلک ومثل ھذا لا یدرک الا بفہم ثاقب وقلب حاضر ۔

قوت دینا ہوتا ہے۔ یا آیت وحدیث کے کئی احتمالوں میں ایک کی تعیین مقصود ہوتی ہے جیسے یوں کہا جائے کہ اس لفظ سے خاص مراد ہے یا لفظ خاص سے عمومیت مقصود ہے۔ اسی طرح اور باتیں ہیں اُس کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کی سمجھ روشن اور دل حاضر ہے۔

(۱۴) کہیں صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ طالبین حدیث کو مسئلہ کے مطابق حدیث پیش کرنے کا انداز مشق ہو جائے۔

(۱۵) امام صاحب نے بہتیرے تراجم ابواب میں اہل سیر و مورخین کا طریقہ اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ طرق روایات سے کسی واقعہ کے متعلق کوئی خاص بات نکالی فقیہ تو عدم ممارست فن کے باعث اس پر متعجب ہوتا ہے لیکن اہل سیر کو اس انداز کے ساتھ خاص اعتنا ہوتا ہے

شروط صحیح بخاری

امام ابو عبداللہ حاکم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے صحیح بخاری کی مسند حدیثوں کے لیے جو اصل موضوع کتاب ہیں یہ شرط معین فرماتے ہیں کہ ہر صحابی سے دو مشہور تابعیوں نے روایت کی ہو۔ اور ہر تابعی سے دو دو راوی ثقہ عادل ضابط جامع شروط صحت نے روایت کی ہو، اسی طرح سلسلہ روایت ہر طبقہ میں چلا جائے۔ یہاں تک کہ امام بخاری تک وہ حدیث پہنچی ہو۔

عہ صحاح ستہ کی شروط کے بیان میں مستقل تصنیفات لکھی گئی ہیں۔ علامہ حازمی ہمدانی اور علامہ ابو الفضل محمد بن طاہر کی شروط الائمہ بہت نافع تالیفات ہیں ۱۲ شرح الفیۃ العراقی۔

علامہ ابو معمر مبارک بن احمد نے حاکم کے اس دعوے سے مخالفت کی اور کہا کہ یہ دعویٰ حاکم کا صحیح بخاری کی بہتیری مسند حدیثوں میں ٹوٹ جاتا ہے۔ جن کو صحابی سے صرف ایک ہی مشہور تابعی نے روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مبارک بن احمد کا یہ اعتراض حاکم کے کلیہ پر تو ضرور پڑتا ہے جس سے بعض صحابی سے روایت لینے والوں (تابعیوں) میں اگر یہ قاعدہ کلیہ سالم نہیں رہتا۔ لیکن تابعی سے نیچے والے راویوں میں یہ شرط ضرور پائی جاتی ہے اسی وجہ سے دوسرے محدثین نے حاکم کی طرح یہ دعویٰ نہیں کیا۔ انہوں نے صحیح بخاری کی حدیثوں کے لیے ذیل کے شرط بیان کیے۔

(۱) سب ناقلین و رواۃ حدیث صحابی تک ثقہ ہوں اور ان کی ثقاہت پر اتفاق ہو۔ یعنی رواۃ مسلم۔ صادق۔ غیر مدلس۔ غیر مختلط۔ متصف بصفات عدالت۔ ضابط۔ متحفظ، سلیم الذہن قلیل الوہم سلیم الاعتقاد ہوں۔ اور یہ صفات اعلیٰ درجہ کے ہوں (۲) سلسلۂ روایت منقطع نہ ہو (۳) اگر معنعن روایت ہو تو راوی کا اپنے شیخ سے لقا ضرور ثابت ہونا چاہیے (۴) اس حدیث کی صحت اور مقبولیت پر امام بخاری سے پہلے کے محدثین کا اتفاق ہو۔ یا امام بخاری کے معاصرین کا اتفاق ہو (۵) علت اور شذوذ سے خالی ہو۔ باوجود ان صفات کے جو راویوں کے لیے اوپر مذکور ہوئے۔ رواۃ اعلیٰ طبقے کے ہوں، ادنیٰ یا اوسط غیر کافی ہیں۔ طبقات رواۃ کے امتیاز اور وضاحت کے لیے علامہ حافظ ابن حجر کی یہ مثال کافی ہے۔ مثلاً زہری کے تلامذہ کے پانچ طبقے ہیں اور ہر طبقہ اپنے سے نیچے کے طبقے پر فضیلت رکھتا ہے۔ طبقہ اولیٰ اعلیٰ درجہ کی صحت کا موجب ہے اور یہی امام صاحب کا مقصد ہے۔ طبقہ ثانیہ پہلے طبقے کے

ساتھ ثبت ثقاہت وغیرہ میں تو شرکت رکھتا ہے۔ لیکن پہلا طبقہ حفظ واتقان اور زہری کی طول صحبت میں طبقہ ثانیہ سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ زہری کے ساتھ اور حضر میں اس نے ملازمت اختیار کی اور ان کی حدیثوں کی بخوبی ممارست کی اور اچھی طرح ان کی جانچ پڑتال کی اس وجہ سے طبقہ اولیٰ کی حدیثیں زیادہ قابل وثوق ہوئیں۔ طبقہ ثانیہ نے چند روز زہری کی صحبت پائی۔ اس لیے یہ بات حاصل نہ ہو سکی۔ نہ ان کو زہری کی حدیثوں سے چنداں ممارست ہوئی (طبقہ اولیٰ کے رواۃ) یونس بن یزید الایلی۔ عقیل بن خالد الایلی۔ مالک ابن انس۔ سفیان بن عیینہ شعیب بن ابی حمزہ (طبقہ ثانیہ کے رواۃ) اوزاعی۔ لیث ابن سعد۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر۔ ابن ابی ذئب (طبقہ ثالثہ) جعفر بن مروان۔ سفیان ابن حسین۔ اسحاق بن یحییٰ الکلبی (طبقہ رابعہ) ربیعہ بن صالح۔ معاویہ بن یحییٰ الصدفی۔ مثنی بن الصباح (طبقہ خامسہ) عبدالقدوس بن حبیب۔ حکیم بن عبداللہ الایلی۔ محمد بن سعید المصلوب۔

طبقہ اولیٰ ہی کے رواۃ امام بخاری کی شرط ہیں۔ کبھی کبھی طبقہ ثانیہ کے رواۃ کی حدیثوں کو بھی (جن پر ان کو اعتماد ہے) صحیح بخاری میں لاتے ہیں۔ لیکن بالاستیعاب نہیں۔ بخلاف امام مسلم کے کہ وہ دونوں طبقوں کی حدیثوں کو بالاستیعاب لاتے ہیں۔ اور طبقہ ثالثہ (جن کو امام بخاری نے ہاتھ بھی نہیں لگایا) کی حدیثوں کو بھی لاتے ہیں گو بالاستیعاب نہیں۔ ہاں طبقہ ثانیہ اور ثالثہ کے رواۃ کی حدیثوں کو امام بخاری تعلیقاً ذکر کرتے ہیں۔ ثانیہ سے زیادہ ثالثہ سے کم۔ اسی طرح امام نافع۔ اور امام اعمش۔ اور امام قتادہ کے تلامذہ کے پانچ طبقے ہیں! اور ان میں بھی وہی صورتیں ہیں۔ یہ ان رواۃ کی

حالت ہے جو کثیر الحدیث ہیں۔ وہ رواۃ جو قلیل الحدیث ہیں۔ ان میں امام صاحب کبھی کسی متفرد راوی کی حدیث نہیں لیتے۔ جب تک سلسلہ رواۃ میں اس کا کوئی دوسرا راوی شریک نہ ہو۔ ہاں کبھی کسی راوی پر باوجود تفرد کے جب قوی اعتماد ہو جاتا ہے تو اسکی حدیث لیتے ہیں۔ جیسے یحییٰ بن سعید انصاری لیکن ایسا بہت کم، بلکہ شاذ و نادر کرتے ہیں[عہ]

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح اور فضیلت

ان شرائط اور نیز وجوہات مذکورۂ بالا کے لحاظ سے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو کر یہ ایک اصولی مسئلہ بن گیا کہ صحیح بخاری کو صحیح مسلم و نیز تمام کتب حدیثیہ پر ترجیح ہے خواہ باعتبار صحت کے ہو یا بجودت فقاہت کے غرض ہر اعتبار سے اس کو فضیلت ہے۔ تدریب میں ہے۔ البخاری اصحہما و اکثرہما فوائد وقیل مسلم والصحیح الصواب الاول، اور کیوں نہ ہو امام مسلم نے اسی تصنیف کو دیکھ کر اسی پر اپنی کتاب کی بنا رکھی۔ اور کچھ اضافہ کیا۔ لیکن پھر بھی اس کے رتبہ کو ان کی کتاب نہ پہنچ سکی۔ امام بخاری کے وہ تلمیذ تھے۔ اور شہادت دیتے تھے کہ امام بخاری اس فن میں ہر طرح متفرد ہیں۔ اور اُن کو سید المحدثین کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ حاکم ابو احمد نیساپوری لکھتے ہیں

رحم اللہ محمد بن اسمٰعیل فانہ الف	خدا رحمت نازل کرے امام بخاری پر کہ انہوں
الاصول یعنی اصول الاحکام من	نے اصول قائم کئے یعنی احادیث سے احکام
الاحادیث وبین للناس وکل من عمل	کے اصول۔ اور لوگوں کو تعلیم کر گئے اور جن
بعدہ انما اخذہ من کتابہ کمسلم	لوگوں نے لیا انہیں کی کتاب سے لیا جیسا امام مسلم

عہ مقدمہ فتح الباری و مقدمہ قسطلانی ۱۲ عہ دیکھو مقدمہ ابن الصلاح و شرح الفیۃ العراقی ۱۲

ابن حجاج وقال الدارقطنی لما ذکر عندہ الصحیحان لولا البخاری ما ذھب مسلم ولا جاء وقال مرۃ اخری وای شئ صنع مسلم انما اخذ کتاب البخاری فعمل علیہ مستخرجا وزاد فیہ زیادات۔

امام دارقطنی کے سامنے جب صحیحین کا تذکرہ ہوا تو امام دارقطنی نے کہا کہ اگر امام بخاری کا فیض صحبت نہ ہوتا تو مسلم کا کوئی نام بھی نہ لیتا ایک مرتبہ اور امام دارقطنی نے یہ فرمایا کہ امام مسلم نے کیا کیا۔ صحیح بخاری کو لے کر اسی کی حدیثوں کا استخراج کیا اور کچھ اضافہ کیا۔

بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو ترجیح دی تھی لیکن علمائے اسلام قدیماً و حدیثاً اس کی مخالفت کرتے آئے اور بعض مغاربہ کے قول کی تاویل اس طرح کی کہ صحیح مسلم کو آسانی کے اعتبار سے ترجیح دی جا سکتی ہے کیونکہ نہ اس میں اس قدر تدقیقات فقہیہ ہیں نہ نکات اصولیہ نہ انتشار سلسلۂ اسانید نہ اس قدر اشارات غامضہ جن کے حل کرنے کے لیے سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں۔ اور اس پر بھی علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں۔ کہ امت محمدی کے ذمہ اس کی شرح کا دین باقی ہے۔ حافظ عبدالرحمن ابن الدیبع کا یہ فیصلہ ہے [۱]

تنازع قوم فی البخاری ومسلم لدی وقالوا ای ھذین مقدم فقلت لقد فاق البخاری صحۃ کما فاق فی حسن الصناعۃ مسلم

ایک قوم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ترجیح میں بحث کرتی ہوئی میرے پاس فیصلہ کے لیے آئی اور پوچھا کہ کون ان میں سے مقدم ہے میں نے جواب دیا کہ صحت کے اعتبار سے صحیح بخاری کو ترجیح ہے اور حسن ترتیب کے اعتبار سے صحیح مسلم کو۔

---

[۱] الفوائد الدراری ۱۲ منہ

لیکن اس فیصلہ میں صحیح بخاری کی صرف صحت کے اعتبار سے فوقیت بتائی گئی ہے حالانکہ علاوہ صحت کے امام بخاری کی فقاہت سونے میں سہاگہ اور خاتم کے لیے فص۔

حدیثوں کی تکرار اور اختصار و تقطیع کے فوائد

بعض کوتاہ بینوں نے صحیح بخاری پر یہ اعتراضات کئے تھے کہ "اس میں اکثر حدیثیں مکرر ہیں"۔ (۲) بعض حدیثیں مختصر ہیں (۳) کہیں کہیں امام بخاری حدیثوں کو ٹکڑے کر کے لاتے ہیں"۔ یہ تینوں اعتراضات کچھ آج ہی کے نہیں ہیں آج سے بہت پہلے ہو چکے ہیں علامہ محمد بن طاہر مقدسی نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام جواب المتعنت ہے اس رسالہ میں علامہ موصوف نے ان باتوں پر مفصل بحث کی ہے شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے اپنے مقدمۃ الفتح میں اس کے ابحاث کچھ نقل کئے ہیں۔ ہم بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ ہماری اردو زبان اس سے بے نصیب نہ رہے۔

امام بخاری کا طرز عمل صحیح بخاری کی تالیف میں یہ ہے۔ کہ ایک ہی حدیث کو کئی کئی باب میں ذکر کرتے ہیں۔ لیکن ہر باب میں سلسلہ سند بدلا ہوا ہوتا ہے وہ ایک حدیث سے متعدد مسائل استخراج کرتے ہیں۔ اور تبدیل سند سے حدیث کی قوت کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیتے ہیں یہ نہیں ہے کہ ایک حدیث کو بلا تبدیل سند اور بلا تغایر الفاظ امام بخاری نے دہرایا ہو۔ تکرار سے چند فائدے حسب ذیل مقصود ہیں۔

(۱) کسی حدیث کو پہلے ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں۔ پھر دوسری جگہ دوسرے صحابی سے۔ تیسری جگہ تیسرے صحابی سے جس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث غرابت کے درجے سے نکل کر شہرت یا تواتر معنوی کے درجے کو پہنچ جائے۔ اسی طرح وہ

دوسرے طبقے اور تیسرے طبقے کے راویوں کے ساتھ کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنے شیوخ تک اس سلسلے کو لے جاتے ہیں۔ جو لوگ اس فن سے نابلد ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ امام بخاری نے حدیث کو مکرر سہ کر رکر دیا۔ حالانکہ اس تکرار میں علاوہ استنباط مسائل فقہیہ کے اہل فن کی نگاہ میں بہت سے فائدے ہیں۔

(۲) امام بخاری نے اس قاعدہ کی بنا پر بہتیری حدیثوں کی تصحیح اپنی شدید شرطوں کے مطابق کر ڈالی جو معانی متغائرہ اور مفاہیم متفرقہ عدیدہ رکھتی تھیں اور ان سے ہر باب میں جداگانہ مسائل مستنبط کیے۔

(۳) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی حدیث کو راوی مکمل روایت کرتا ہے۔ اور دوسرا مختصر۔ امام بخاری اُس حدیث کو جس طرح جس سلسلہ سے وارد ہوئی مکرر لاتے ہیں جس سے یہ شبہ ناقلین کی جانب سے رفع ہو جاتا ہے کہ یہی ایک راوی کبھی تو مختصر روایت کرتا ہے اور کبھی مکمل، حالانکہ اس اختصار اور تکمیل میں اس کو دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس حدیث کو صحابی یا تابعی نے بعض شاگردوں سے مکمل اور بعض سے مختصر بیان کیا ہوتا ہے۔

(۴) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناقلین صحابہ ایک ہی واقعہ یا حدیث کو روایت بالمعنی کے قاعدہ پر مختلف الفاظ میں روایت کرتے ہیں۔ جن سے مختلف معانی پیدا ہوتے ہیں امام بخاری ان سب الفاظ کو جداگانہ بابوں میں ذکر کرتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ وہ تمام الفاظ امام بخاری کی شرط کے مطابق ہوں اور ہر ایک کی سند بھی مختلف ہو۔

(۵) بعض احادیث ایسی ہوتی ہیں جن کے ارسال اور اتصال میں اختلاف ہوتا ہے، اور اتصال امام بخاری کے نزدیک راجح ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں سلسلہ سند کو ذکر کر کے اشارہ کرتے ہیں کہ یہاں ارسال کچھ مضر نہیں۔

(۶) بعض حدیثیں ایسی ہوتی ہیں جن کے موقوف اور مرفوع ہونے میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور امام بخاری کے نزدیک مرفوع ہونا راجح ہوتا ہے۔ یہاں بھی دونوں سلسلہ سند کو لاکر متنبہ کر دیتے ہیں کہ موقوف روایت کرنے سے رفع میں کسی قسم کا نقصان نہیں۔

(۷) بعض اوقات کسی حدیث کے سلسلہ سند میں کسی پیچھے کے راوی نے کسی شیخ کو بڑھا دیا۔ دوسرے راوی نے اس کو حذف کر کے روایت کیا امام بخاری ان دونوں سلسلہ سند کو ذکر کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ فلاں راوی نے اپنے شیخ سے حدیث سُنی اور اس کے بعد شیخ الشیخ سے بھی سُنی۔ لہٰذا ان دونوں راویوں کا قول صحیح ہے جس نے شیخ کو بڑھایا ہے وہ پہلے سماع کے اعتبار سے ہے جس نے حذف کر دیا وہ دوبارہ شیخ الشیخ کے سماع کے اعتبار سے ہے۔

(۸) کبھی معنعن کے اتصال ثابت کرنے کے لیے حدیث کو مکرر لاتے ہیں۔ بعض شیوخ حدیث نے صحیح بخاری کی شرح میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ باب قصر الخطبۃ بعرفۃ کے بعد باب تعجیل الوقوف بعرفۃ ہے! امام بخاری نے کسی اپنے تلمیذ سے فرمایا اس باب میں امام مالک کی وہ حدیث لانی مناسب ہے جو زہری سے مروی ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ حدیث بالکل مکرر ذکر کی جائے، اس حکایت سے معلوم ہوا کہ امام بخاری حدیث کو بلا کسی فائدہ کے مکرر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اگر صرف مسئلہ فقہی کے ثابت کرنے کے لیے (بلا نکتہ حدیثیں کے تکرار ہوگئی ہو تو محض شاذ ہوگا۔ اور محض کسی اتفاقی وجہ سے ہوا ہوگا۔ اگر متن حدیث کے الفاظ قلیل ہیں یا ایک جملہ کو دوسرے جملوں سے ایسا ارتباط ہے کہ الگ کرنے سے

معنی میں خلل پڑجاتا ہے۔ اور ساتھ اس کے حدیث سے کئی مسئلے بھی مستنبط ہوتے ہیں ایسی حالت میں حدیث کو بلا اختصار اور تقطیع کے مکرر لاتے ہیں لیکن فائدہ حدیثیہ کو ملحوظ رکھ کر سند کو بدل دیتے ہیں۔ اور کم از کم شیوخ ہی بدل جاتے ہیں اور سند قوی ہو جاتی ہے۔ اور اگر سند بالکل ایک ہوتی ہے۔ اور کوئی نکتہ حدیثیہ خیال میں نہیں آیا تو اس صورت میں ایک جگہ حدیث کو موصول پوری سند سے ذکر کرتے ہیں دوسری جگہ "فیہ عن فلاں" صرف اشارہ سے کام لیتے ہیں۔

اور اگر متن طویل ہے اور ایک باب کو دوسرے سے ایسا تعلق نہیں ہے کہ ان کو الگ کرنے میں معنی میں خلل واقع ہو۔ تو ایسی حالت میں ہر ٹکڑے کو علیحدہ باب میں نئی نئی سند سے لاتے ہیں۔ اور ان سے مسئلے ثابت کرتے ہیں۔ اور پوری حدیث کسی مقام میں ذکر کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ صورت کہ حدیث کے ایک ٹکڑے کو ذکر کیا ہو۔ اور بقیہ کہیں نہیں مذکور ہو۔ یہ صورت وہیں پیش آتی ہے جہاں مرفوع (حقیقی یا حکمی) اور موقوف دونوں ٹکڑے ملے ہوئے ہوں امام بخاری مرفوع کو ذکر کرتے ہیں اور موقوف کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ان کے موضوع کتاب سے خارج ہے۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود کی روایت ان اھل الاسلام لا یسیبون و ان اھل الجاھلیۃ کانوا یسیبون کو لے لو۔ چونکہ یہ ٹکڑا حکماً مرفوع ہے۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔ اور بقیہ الفاظ اس حدیث کے موقوف تھے۔ ان کو حذف کر دیا۔ پوری حدیث مرفوع اور موقوف مل کر یہ ہے جاء رجل الی عبداللہ بن مسعود فقال انی اعتقت عبدا لی سائبۃ فمات وترک مالا ولم یدع وارثا فقال عبداللہ ان اھل الاسلام لا یسیبون وان اھل الجاھلیۃ کانوا یسیبون فانت ولی نعمتہ فلک

میراثہ فان ناشمت دتحرجت فی شیئ فنحن نعقلہ منات ونجعلہ فی بیت المال
اس میں صرف وہ ٹکڑا جو حکماً مرفوع تھا اس کو امام بخاری نے ذکر کیا۔ بقیہ کو کتاب بھر میں کہیں نہیں ذکر کیا اور اس اختصار سے کسی طرح کا خلل نہیں پیدا ہوا۔ یہاں ہم صحیح بخاری کی تعلیقات (جس کو امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں یا ترجمۃ الباب کے استدلال یا تائید میں پیش کیا ہے) و نیز متابعات (جو سندوں کو قوت دینے کی غرض سے یا سند کا اتصال ثابت کرنے کے لیے لائے جاتے ہیں) ہم ان دونوں کی بحث بوجہ اس کے کہ صاحبان اردو خوان کے لیے یہ بحث چنداں مفید نہیں و نیز طویل بھی ہے ترک کرتے ہیں۔

صحیح بخاری کے شروح وحواشی اور ان کی کیفیتیں

صحیح بخاری کے جلیل القدر اور بلند پایہ ہونے کا اندازہ اس سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک علمائے اسلام بلا امتیاز کسی فرقہ کے برابر اس کی خدمت میں مصروف رہے ہیں۔ کسی نے شرح لکھی۔ کسی نے صرف اس کے رجال پر توجہ کی۔ بعضوں نے اس کے ابواب فقہیہ اور تراجم ابواب کے دقائق کی چھان بین کی کسی نے اس کی تجرید کی، کسی نے اختصار۔ بعض اہل علم نے اُس کے تعلیقات کو موصول کیا۔ اکثر اہل علم نے الفاظ غریبہ مشکلہ کے لغات لکھے۔ کسی نے نحوی مسائل کے شواہد جمع کئے بعض شیوخ نے اُس کے شروط پر بحث لکھی۔ بعض محدثین نے اس کی حدیثوں کی تنقید پر کتابیں لکھیں اکثر اساتذہ فن نے حواشی و تعلیقات لکھے۔ کسی نے مستدرک لکھی شروح میں بھی کسی نے مبسوط لکھی، کسی نے متوسط۔ اور ہر ایک کے مقاصد اور عنوان

الگ الگ صحیح بخاری کی شروح اور جو کتابیں اس کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ اُن کا استقصا کرنا ایک دشوار امر ہے۔ اس بے مائگی پر بھی جس قدر شروح و حواشی کا پتہ چل سکا۔ وہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔ افسوس وہ شروح جن کا ذکر محدثین نے اپنی تالیفات میں کیا ہے لیکن اُن کے نام اور مفصل حالات نہیں بتائے ان کے مفصل تذکرہ سے مجبوری رہی۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن بن سلیمان الاہدل الیمانی اپنی کتاب النفس الیمانی میں لکھتے ہیں کہ: ہمارے شیوخ میں علامہ عمر بن عبدالقادر بلغاری بھی ہیں جو مدتوں ہمارے وطن میں مقیم رہے وہ فرماتے تھے کہ میں نے قاضی بلخ کے کتب خانہ میں صحیح بخاری کی گیارہ شروح بچشم خود دیکھی ہیں۔ جو ہر ایک حجم میں فتح الباری کے برابر تھیں! افسوس کہ ان گیارہ شروح کے نام اور مفصل حالات معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں۔

عربی شروح و حواشی

نام کتاب	نام مؤلف	کیفیت
اعلام السنن	الامام ابو سلیمان احمد بن	یہ ایک نہایت پاکیزہ شرح ہے ابتدا کا

عــہ اصل عبارت یہ ہے منہم الشیخ العلامۃ المتقن عمر بن عبدالقادر من بلاد بلغار مکث لدینا مدۃ وذکر لی انہ شاہد عند قاضی بلخ احدے عشر شرحا علی صحیح البخاری کلہا تساوی فتح الباری فی الحجم انتہی۔ النفس الیمانی کا ایک نسخہ علامہ شمس الحق کے کتب خانہ میں موجود ہے ۱۲ منہ

کتاب	مصنف	کیفیت
	محمد البستی[1] المعروف بالخطابی المتوفی ۳۸۸ھ	"لفظہ الحمد للہ المنعم" ہے۔ مصنف نے اپنی مشہور کتاب معالم السنن[2] سے فرصت کرکے بلخ میں لوگوں کے بڑے تقاضے پر ایک جلد میں لکھی محمد تمیمی نے ان ضروری متروکات کے پورا کرنے کا التزام کیا جو خطابی سے واقع ہوئے تھے اور جس قدر اوہام خطابی سے اس شرح میں صادر ہوئے اُس پر بھی بحث کی، اس کا نسخہ کتب خانہ ایا صوفیا واقع قسطنطنیہ میں موجود ہے[3]
شرح المہلب[4]	مہلب بن ابی صفرۃ الازدی المتوفی ۴۳۵ھ	علاوہ شرح کے مہلب نے صحیح بخاری کی تجرید بھی کی ہے۔
مختصر شرح المہلب	ابو عبداللہ محمد بن خلف المرابط تلمیذ مہلب	اسی شرح مہلب کو مختصر کرکے اس پر بہت سے فوائد بڑھائے ہیں۔

[1] منسوب الی بست بضم الباء مدینۃ بین سجستان و غزنین وہراۃ ۱۲ عبید اللہ [2] شرح سنن ابی داؤد ۱۲
[3] اعلام السنن کا قلمی نسخہ کتب خانہ قلمی دار العلوم جرمنی میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا ۱۲ عبید اللہ رحمانی
[4] چند شارحین کے سنن وفات کا پتہ نہیں چل سکا صاحب کشف الظنون نے بھی باوجود اس خوش قسمتی کے بیاض چھوڑ دیا اور جس قدر ان کے پاس مواد تھے وہ کام نہ دے سکے۔ علامہ نواب صدیق حسن خاں بھی رقم طراز ہیں "ثم لم اقف علی سنۃ الوفات بہما وکذا فی ما بعد فی مواضع متعددۃ فمن وقف علیہا فلیثبتہا وکذالک لم یذکرہا صاحب کشف الظنون فیہ لانہ لم یقف علیہا ۱۲ احطہ

الاجوبہ علی المسائل المستغربہ من البخاری	المتوفی سنہ محمد بن البر المالکی المولود سنہ ۳۶۸ھ والمتوفی سنہ ۴۶۳ھ	مہلب نے جن سوالوں کے جوابات دینے تھے انہیں کو علیحدہ ضبط کیا ہے۔ علامہ ابن حزم کے جوابات بھی ہیں۔
شرح السراج	العلامۃ ابو الزناد المتوفی سنہ	اس شرح کے متعلق نہ صاحب کشف الظنون کچھ بولے نہ علامہ قسطلانی اور نہ علامہ عجلونی نے کچھ لکھا۔
شرح[1] ابن بطال	الامام ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال المتوفی سنہ ۴۴۴ھ اور سنہ ۴۴۹ھ	اس شرح کا اکثر حصہ مذہب مالکیہ کے مسائل سے مملو ہے گویا مولف نے اصل موضوع (شرح) سے الگ ہو کر اس شرح کو مالکی مذہب کا گنجینہ بنایا ہے۔
شرح صحیح البخاری	ابو حفص عمر بن الحسن ابن عمر العوزی الاشبیلی المتوفی سنہ	صاحب کشف الظنون و صاحب حطہ وغیرہ نے اس کا مفصل حال نہیں لکھا۔
شرح صحیح البخاری	ابو القاسم احمد بن محمد ابن عمر بن ورد التمیمی المتوفی سنہ	یہ شرح بہت بسیط ہے۔ لیکن مقاصد کا پتہ نہ معلوم ہو سکا۔

[1] شرح و حواشی و تعلیقات زیادہ تر کشف الظنون، مقدمہ قسطلانی، بعض اتحاف النبلاء، الفوائد الدراری اور مختلف کتب خانوں کی فہرستوں سے ماخوذ ہیں جو پٹنہ کے مشہور کتب خانہ میں موجود تھیں ان کے سوا میرا شیخ اور

استفادہ سے۔ ۱۲

شرح ابن التین	الامام عبدالواحد بن التین المتوفی سنہ	حافظ ابن حجر اکثر فتح الباری میں اس شرح کے اقوال رداً یا اثباتاً پیش کرتے ہیں
۱۰ شرح ابن المنیر	الامام ناصر الدین علی بن محمد بن المنیر الاسکندرانی المتوفی سنہ	یہ بہت بڑی شرح دس ضخیم جلدوں میں ہے۔ امام ناصر الدین نے ابن بطال کی شرح پر حواشی بھی لکھے ہیں۔
۱۱ المتواری علی تراجم البخاری	، ،	امام موصوف نے صحیح بخاری کے چار سو سوالات مشکلہ کو چن کر ان کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے
۱۲ شرح صحیح البخاری لابی الاصبع	ابو الاصبع عیسی بن سہل بن عبداللہ الاسدی المتوفی سنہ	اس شرح کا حال بھی صاحب کشف الظنون اور صاحب حطہ و علامہ عجلونی نے کچھ نہیں لکھا۔
۱۳ شرح صحیح البخاری للحلبی	قطب الدین عبدالکریم ابن عبدالنور ابن منیر[۵] الحلبی الحنفی المتوفی سنہ ۷۳۵ھ	یہ شرح دس جلدوں میں صرف نصف کتاب تک پہنچی ہے۔ علامہ حلبی نے ایک طویل شرح لکھنے کا قصد کیا تھا لیکن اس کے مقاصد کا حال معلوم نہ ہو سکا۔
۱۴ التلویح	الامام الحافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج الترکی	یہ شرح نہایت طویل ہے اس کے شروع کا لفظ الحمد للہ الذی ایقظ من خلقہ الخ ہے

۵ کذا فی کشف الظنون مسیر بالمیم ثم السین المہملۃ والصحیح منیر بالمیم بعدہا نون وکذا الصحیح فی سنۃ وفاتہ ما کتبہ ابن حجر فی الدرر الکامنۃ انہ مات سنۃ ۷۳۵ ۱۲

	المصری الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ	صاحب الکواکب اسی شرح کی تقریظ میں رقمطراز ہیں وشرحہ تتمیم الاطراف اشبہ و تصنیف تصحیح التعلیقات امثل وکاد من اخلائہ من مقاصد الکتاب علی ضمان ومن شرح الفاظ وتوضیح معانیہ علی امان
مختصر شرح مغلطائی [15]	جلال الدین رسولا بن احمد التبانی المتوفی ۷۹۳ھ	اس شرح کا حال بھی صاحب کشف الظنون نے بالتفصیل نہیں بتایا. شرح بالا کا اختصار ہے ۔
الکواکب الدراری [16]	العلامہ شمس الدین محمد ابن یوسف بن علی الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ	یہ ایک مشہور اور متوسط شرح جامع فوائد و زوائد و نافع اہل علم ہے. پہلے اس شرح میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ علم حدیث افضل علوم اور صحیح بخاری علم حدیث کی کتابوں میں سب سے اعلی اور تعدیل اور ضبط کے اعتبار سے سب کتابوں پر فائق ہے. لائق مصنف نے اعراب نحویہ بعیدہ الفاظ مشکلہ عزیزہ کا حل خوب کیا ہے روایات اسماء رجال القاب رواۃ کو بھی

عہ قال الشوکانی فی البدر الطالع صفحہ ۱۹۲ ج ۱ جلال الدین احمد بن یوسف التبریزی المعروف بالتبانی بمثناۃ ثم موحدۃ ثقیلۃ نسبۃ الی التبانۃ ظاہر القاہرہ اختصر شرح مغلطائی علی البخاری ۱۲ عبید اللہ

		خوب ضبط کیا ہے احادیث کے تعارض کو اٹھایا ہے ۸۳۳ھ میں مکہ معظمہ میں اس کی تالیف سے فراغت پائی لیکن حافظ ابن حجر نے درر کامنہ ص۱۳ ج۴ میں یہ لکھا ہے کہ اس میں بہت سے اوہام واقع ہوئے[1] ہیں اگرچہ شرح بہت مفید ہے قسطنطنیہ کے متعدد کتب خانوں میں اس کا نسخہ موجود ہے[2] اس شرح میں علامہ یحییٰ نے اپنے والد کی شرح الکواکب الدراری سے مدد لی ہے اور ابن ملقن کی شرح اور زرکشی اور دمیاطی اور فتح الباری اور البدر سے اضافہ کیا ہے
۱۸ شواہد التوضیح	سراج الدین عمر بن علی بن الملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ	یہ شرح آٹھ جلدوں میں ہے بڑی ضخیم شرح بیس جلدوں میں ہے مصنف نے ایک ضروری مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں یہ بیان کیا ہے کہ ہر حدیث کے مقاصد

[1] یعنی نقل میں اوہام واقع ہوئے کیونکہ زیادہ تر مضامین دوسری کتابوں سے ماخوذ ہیں ۱۲ [2] الحمد للہ کہ یہ مبسوط شرح مصر میں طبع ہو گئی ہے ۱۲ عبید اللہ رحمانی [3] بعض شروح کا ذکر اور ان کے نام اور ان کے وجود کا پتہ ان فہرستوں (کیٹلاگوں) کے ذریعہ سے معلوم ہوا جو پٹنہ کے اورینٹل پبلک خدا بخش خان بہادر کے کتب خانہ میں ہندوستان اور قسطنطنیہ ـ لندن ـ جرمن وغیرہ کی موجود ہیں ۱۲ منہ

		دس اقسام میں منحصر ہیں۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ اس شرح میں ابن ملقن کا اعتماد زیادہ تر اپنے شیخ مغلطائی کی شرح تلویح پر ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ شرح اخیر حصہ میں بالکل قلیل النفع ہے[۱]
۱۹ اللامع الصبیح	العلامۃ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الدائم ابن موسیٰ البرماوی المتوفی ۸۳۱ھ	خود مؤلف نے لکھا ہے کہ یہ میری شرح زرکشی کی شرح تنقیح اور کرمانی کی شرح سے ماخوذ ہے ہاں اس میں ایضاحات اور تنبیہات اور فوائد بڑھے ہوئے ہیں۔ عمدہ شرح ہے۔ چار جلدوں میں ہے۔ کتب خانہ ایا صوفیا واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے[۲]
۲۰ التلقیح لفہم قاری الصحیح	برہان الدین ابراہیم بن محمد الحلبی المعروف بسبط ابن العجمی المتوفی ۸۴۱ھ	مؤلف کے خط سے دو جلدوں میں ہے۔ اولے کار آمد شرح ہے۔ امام المالکیۃ محمد بن محمد الشافعی المتوفی [illegible] نے اس شرح کو مختصر کیا ہے اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے اس سے التقاط کیا ہے یہ وہی شرح ہے
۲۱ فتح الباری	شیخ الاسلام ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی	جس کی نسبت لا ہجرۃ بعد الفتح مشہور

[۱] اس کا قلمی نسخہ بخط حافظ سیوطی کتب خانہ قلمی دار العلوم برلن میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا۔ عبید اللہ

[۲] کتب خانہ دار السلام برلن میں بھی دوسری جنگ عظیم تک اس کا نسخہ موجود تھا ۱۲ عبید اللہ رحمانی۔

	المتوفی ۸۵۲ھ	ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں فرمایا تھا کہ بخاری

کی شرح کا دین امت پر باقی ہے حالانکہ علامہ موصوف کے عصر تک کتنی شرحیں ہو چکی تھیں
ان کا مقصود یہ تھا کہ صحیح بخاری کے وہ نکات جو فن حدیث اور رجال کے متعلق ہیں یا وہ
تدقیقات فقہیہ جو تراجم ابواب سے تعلق رکھتے ہیں ان پر آج تک کسی نے محققانہ بحث نہیں لکھی
ہے اس شرح کے بعد حافظ سخاوی[ع] صاحب فرماتے ہیں کہ غالباً امت سے یہ دین ادا ہو گیا صاحب
کشف الظنون فرماتے ہیں وشہرتہ وانفرادہ بما یشتمل علیہ من الفوائد الحدیثیۃ
والنکات الادبیۃ والفوائد الفقہیۃ تغنی عن وصفہ احادیث مکررہ کی شرح کرنے کا
یہ قاعدہ رکھا ہے کہ جس مقصد کے لیے جہاں اس حدیث کو امام بخاری لاتے ہیں اسی کی شرح و
بسط سے وہاں کام لیتے ہیں اور پوری حدیث کی شرح کا حوالہ دوسری جگہ پر محول کر دیتے ہیں۔
جہاں پوری حدیث کی شرح لکھی ہے۔ تحقیقات اور تدقیقات کے اعتبار سے یہ شرح اپنی آپ
نظیر ہے محققین جس وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اُس کے لیے لاہجرۃ بعد الفتح کا جملہ کافی ہے۔
ابتدائے تالیف ۸۱۳ھ سے ہوئی اس کے پہلے ایک مقدمہ لکھا جب مقدمہ پورا ہو گیا تو
شرح کی تالیف اس طرح شروع کی کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا لکھتے جب ایک معتدبہ حصہ پورا
ہو جاتا تو ائمہ محدثین کی ایک جماعت اُس کو نقل کر لیتی۔ ہر ہفتہ میں ایک روز اُس پر مباحثہ اور
معارضہ ہوتا اور مقابلہ کیا جاتا۔ علامہ برہان بن خضر پڑھتے اور لوگ اپنے اعتراضات و سوالات
و مباحثات پیش کرتے، حافظ صاحب جواب دیتے اسی طرح جس قدر لکھی جاتی سب مقابلہ کے
مہذب اور محرر کر لی جاتی اور اسی وقت اطراف عالم میں پھیل جاتی یہاں تک کہ ۸۴۲ھ ہجری میں

ع الضوء اللامع ۱۲

مکمل ہوگئی۔ بعد تکمیل مصنف نے کچھ اضافہ کیا۔ لیکن اختتام تالیف مصنف کی عمر کے ساتھ ہوا۔ اختتام کے بعد ولیمہ کی عام دعوت کی جس میں پانچ سو اشرفیاں خرچ کی گئیں اور بڑے بڑے علما کے سامنے یہ کتاب پیش کی گئی اور اس قدر مقبول ہوئی کہ سلاطین زمانہ نے اس کو سونے سے تول کر خریدی[1] اور چشم زدن میں تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئی۔ آنے والے شارحین کا قلم توڑ دیا۔ وکل من جاء بعدہ فہو عیالہ جوان کے بعد آیا انہیں کی تحقیقات کا خوشہ چیں رہا۔

غایۃ التوضیح للجامع الصحیح[۲۲]	العلامہ عثمان بن ابراہیم الصدیقی الحنفی المتوفی سنہ ۔	شاہی کتب خانہ رامپور میں قلمی موجود ہے جلد اول ۱۲ میں از اول کتاب بدء الوحی تا باب القران فی التمر عند الاکل ہے اور جلد ثانی از باب رقیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تا آخر کتاب ہے۔
الکوکب الساری فی شرح الجامع الصحیح للبخاری[۲۳]	شیخ ابوالحسن علی بن حسین عروۃ الموصلی[۲] المتوفی سنہ	شاہی کتب خانہ رامپور میں قلمی بخط دا کا غذ عرب ۱۲ میں موجود ہے۔
شرح صحیح البخاری	العلامہ عبدالرحمن البصرہ المتوفی سنہ	جلد اول قلمی ۱۲ ناقص از باب کیف کان بدء الوحی الی باب القراۃ و ایضاً قلمی جلد اول از باب بدء الوحی تا باب القراۃ بخط نسخ کتب خانہ

[1] صاحب تاریخ قرۃ العیون فی یمن المیمون ایک مقام میں حوادثات گناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سنہ کے حوادثات میں یہ بھی ہے کہ اس سنہ میں فتح الباری کئی ہزار اشرفیاں صرف کر کے سلطان یمن کے شاہی کتب خانہ میں داخل کی گئی ۱۲ھ

[2] بالفتح وکسر الصاد نسبۃ الی الموصل مدینۃ مشہورۃ ۱۲

۲۵ شرح صحیح البخاری	لم اقف علی اسم مؤلفہ	شاہی رام پور میں دو نسخے موجود ہیں۔ یہ شرح بھی کتب خانہ شاہی رامپور میں ۳۹۴ از ابتدا تا باب الشرود قلمی بخط نستعلیق موجود ہے۔
۲۶ شرح البخاری ؎	عبدالکریم بن عبدالنور ابن منیر بن عبدالکریم ابن علی بن عبدالحق الحلبی المتوفی ۷۳۵ھ	علامہ سیوطی نے اس کا ذکر حسن المحاضرہ میں کیا ہے (حاشیۂ الفوائد البہیہ۔
داودی	ابو جعفر احمد بن سعید الداودی المتوفی سنہ	اس شرح کا پتہ شیخ الکل علامہ السید نذیر حسین المحدث الدہلوی کے نسخہ عتیقہ کے حواشی سے چلتا ہے۔ اس عتیق نسخہ کے حواشی اس شرح سے مملو ہیں جس پر علامت (دا) بنائی گئی ہے بعض مقامات میں تال للداودی بھی لکھا ہے۔ اس شرح سے ابن التین اکثر نقل کرتے ہیں شیخ الکل علامۃ السید نذیر حسین

؎ یہاں تسامح ہوگیا ہے۔ اس شرح کا ذکر ۲۰ میں بعنوان شرح صحیح البخاری حلبی ہو چکا ہے یہ شرح ۲۶ کوئی دوسری شرح نہیں ہے۔ چلپی نے کشف الظنون میں صرف شرح ۲۰ کو ذکر کیا ہے اور شارح یعنی قطب الدین عبدالکریم کے دادا کا نام مسیر اور سنہ وفات ۷۴۵ غلط لکھا ہے۔ صحیح نام منیر ہے اور سنہ وفات ۷۳۵ ہے۔ حافظ الدنیا ابن حجر الدرر الکامنہ ص۳۹۵ ج۲ میں قطب الدین عبدالکریم بن عبدالنور بن منیر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں وشرح فی شرح البخاری وہو مطول ایضا بیض اوائلہ الی قریب النصف (الی ان قال) مات فی رجب ۷۳۵ھ انتہی ۱۲ عبید اللہ رحمانی

		کے نسخہ پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ شرح داودی بڑی مفید شرح ہے حل مطالب و دفع اشکالات و دفع تعارض و تطبیق احادیث میں مصنف نے نہایت عمدہ پیرایہ اختیار کیا ہے۔ اس لیے اس نسخہ پر اس کے حواشی بہت ہیں۔
عثمانی [۲۹]	علی حاشیۃ صحیح البخاری لمولانا احمد علی المتوفی ۱۲۹۸ سنہ	اس شرح کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا اور مولانا احمد علی صاحب (جو اس نام کے لینے والے ہیں) وہ بھی اس کا کچھ حال نہ بتا سکے بجز اس کے کہ نسخہ منقول عنہ میں ایسا ہی تھا۔
شرح صحیح البخاری [۲۹]	علی بن مصطفے الشافعی الحلبی المتوفی سنہ تلمیذ العلامۃ السندی	یہ شرح غزوات تک پہنچی اور مکمل نہ ہو سکی اس شرح کا ذکر سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر میں علامہ فاضل مورخ ادیب محمد خلیل آفندی نے کیا ہے۔
ہدی الساری [۳۰] مقدمہ فتح الباری	شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر العسقلانی	یہ وہی مقدمہ ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یہ مقدمہ ایک ضخیم جلد میں ہے۔ اور

بجائے خود ایک مستقل اور جامع شرح ہے اور اس قدر ضروری ہے کہ اگر کہا جائے کہ بغیر اس کے صحیح بخاری کی حقیقت سے آگاہی غیر ممکن ہے تو غالباً بہت صحیح ہو گا۔ اس مقدمہ میں دس فصلیں ہیں اور ہر فصل کے ضمن میں بہت سی فصلیں ہیں (پہلی فصل میں) صحیح بخاری کی

تالیف کے اسباب اور بہت سی کام کی باتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ حدیث کی تدوین رائج نہ تھی۔ کیونکر شروع ہوئی اور ترقی کرتے کرتے کس حد تک پہنچی۔ (دوسری فصل میں) یہ مذکور ہے کہ صحیح بخاری کا اصل موضوع کیا ہے۔ اور اس کتاب کی حدیثوں کے لیے کیا کیا شروط ہیں۔ یہ کتاب اصح الکتب کیونکر ہوئی۔ اس کے تراجم ابواب میں کیا کیا نکات اور کس کس قسم کی تدقیقات فقہیہ ہیں۔ جن کی وجہ سے صحیح بخاری کو تمام کتب حدیثیہ پر فوقیت ہوئی (تیسری فصل میں) حدیثوں کی تقطیع۔ اور اختصار۔ اور تکرار کی صورتیں اور حکمتیں اور فوائد بیان ہیں (چوتھی فصل میں) احادیث مرفوعہ کے معلق لانے اور آثار موقوفہ کے ذکر کرنے کے وجوہات بیان ہیں اسی ضمن میں کل احادیث مرفوعہ معلقہ کے سلسلۂ سند کو بھی بیان کر دیا ہے۔ اور جس محدث نے ان کو موصول کیا ہے۔ اُن کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے (پانچویں فصل میں) الفاظ مشکلہ غریبہ جو متون حدیث میں آئے ہیں۔ ان کو بہ ترتیب حروف تہجی حل کیا ہے یہ فصل ایک خاصی لغت کی کتاب ہے (چھٹی فصل میں) بہ ترتیب حروف تہجی ان اسماء اور القاب و کنیتوں کا ذکر کیا ہے جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں جن کی صورتیں تو یکساں ہیں اور تلفظ مختلف۔ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جن کا اشتباہ صحیح بخاری ہی کے رواۃ کے ساتھ ہے (۲) وہ جن کا اشتباہ ان رواۃ سے ہے جو صحیح بخاری سے خارج ہیں۔ اس تحقیق کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ یہ راوی کس کتاب اور باب اور کس حدیث و سند میں ہے۔ (ساتویں فصل میں) امام بخاری کے ان شیوخ کی توضیح ہے جن کو امام بخاری نے مبہم ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ مشترک ہیں جیسے محمد۔ اس لیے جن میں اشتراک کم ہے اُن کو نہیں ذکر کیا ہے۔ بقیہ جس قدر مہمل و مبہم تھے سب کو بہ ترتیب حروف تہجی ذکر کیا ہے (آٹھویں فصل میں) اُن احادیث کا سلسلۂ سند مذکور ہے جن پر

امام دارقطنی یا دیگر نقادِ فن نے تنقید کی تھی۔ پھر ایک ایک حدیث ذکر کر کے اُن کے تسکین بخش جواب دیئے ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ امام بخاری کی شرط کے خلاف کوئی حدیث نہیں ہے (نویں فصل میں) اُن رواۃ کا ذکر ہے جن پر بعض محدثین نے کلام کیا تھا۔ اُن کو بہ ترتیب حروف تہجی ذکر کر کے ہر ایک کے جواب دیئے ہیں اور جواب میں بڑے انصاف سے کام لیا ہے جہاں قدح کو رجحان ہے وہاں یہ دکھایا ہے کہ یا تو جس جہت سے قدح ہے اس حیثیت سے امام بخاری نے احتراز کیا ہے۔ یا اُس کے راوی کی موافقت میں اُس سے کوئی بڑھا ہوا راوی مذکور ہے یا کسی دوسری وجہ سے اُس حدیث کو صحیح بخاری میں لائے ہیں (دسویں فصل میں) کتاب کے ابواب کی خاص فہرست ہے اور ہر باب میں جس قدر احادیث ہیں اُن کو گنا یا ہے جس سے احادیث مکررہ کا پتہ چلتا ہے۔ پھر صحیح بخاری میں جس قدر حدیثیں مذکور ہیں اُن کی فہرست ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ کس صحابی سے کس قدر حدیث اس کتاب میں ہے۔ مقدمہ کے خاتمہ میں امام بخاری کی سیرت اور سوانح عمری (حلیہ، تالیفات وتلامذہ) کا ذکر ہے۔

الاعلام بمن ذکر فی البخاری من الاعلام	شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر	تہذیب الکمال میں جو رواۃ مذکور ہیں ان کے علاوہ اس میں ذکر کئے گئے ہیں۔
تعلیق التعلیق	ایضاً	اس میں صحیح بخاری کے تعلیقات کو موصول کیا ہے اور آثار اور موقوفات ہر ایک کی صحت وضعف ومتابعات سے پوری بحث کی ہے۔ اور جن جن محدثین نے ان تعلیقات آثار

		موقوفات کا اخراج کیا تعدد سب کو مفصل بتایا ہے۔ مقدمۃ الفتح میں اس کی تلخیص کی ہے۔ سنہ ۸۰۰ھ میں اس کی تسوید سے فراغت پائی۔
۳۳ انتقاص الاعتراض	ایضاً	اس میں[1] ان اعتراضات کے جواب ہیں جو علامہ عینی نے اپنی شرح میں حافظ ابن حجر پر کئے تھے لیکن افسوس یہ کتاب تمام نہ ہونے پائی اور مصنف نے داعی موت کو لبیک کہا[2]
۳۴ تجرید التفسیر	ایضاً	سورتوں کی ترتیب سے تفسیرات صحیح بخاری کو علٰحدہ کیا ہے جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے
۳۵ عمدۃ القاری	العلامۃ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی سنہ ۸۵۵ھ	یہ ایک مشہور شرح دس جلدوں میں ہے اور بیروت میں طبع ہو کر شائع ہے خود علامہ موصوف نے لکھا ہے کہ میں بلاد

شمالیہ میں قبیل ۸۰۰ھ کے اپنے ہمراہ صحیح بخاری لے کر پہنچا تو بعض شیوخ سے مجھے اس کتاب کے

---

[1] وجہ تالیف یہ لکھی ہے کہ فتح الباری مکمل ہو گئی تو اس قدر لوگوں کی رغبتیں ہوئیں کہ سلاطین وقت نے فرمائشات بھیجیں ایک نسخہ کی فرمائش سلطان ملک مغارب ابی الفارس کی جانب سے دوسری فرمائش بادشاہ شاہ رخ کی طرف سے اور تیسری فرمائش ملک الظاہر کی طرف سے پے در پے پہنچیں تو علامہ عینی کو حسد نے گرفتار کیا اس وجہ سے یہ اعتراضات واہیہ کئے ۱۲ اتحاف۔ [2] اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ رامپور میں موجود ہے عبید اللہ [illegible]

متعلق بڑی بڑی نادر باتیں ہاتھ لگیں پھر جب یہ مصر پلٹا تو جامع ازہر کے قریب محلہ خارہ کتامیہ ۸۲۱ھ میں اس کی شرح لکھنی شروع کی اور ۸۲۷ھ تک ایک سدس مکمل ہو گئی۔

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں واستمد فيه من فتح الباري بحيث ينقل منه الورقة بكمالها وكان يستعيره من البرهان بن الخضر باذن مصنفه له ديعقبه في مواضع یعنی علامہ عینی نے اپنی شرح میں فتح الباری سے بہت کچھ مدد لی یہاں تک کہ ورق کا ورق نقل کرتے ہیں۔ برہان بن الخضر سے مصنف کی اجازت سے عاریتاً لیتے علامہ موصوف نے حافظ ابن حجر پر تعقبات بھی کئے ہیں۔ اور جن باتوں کو حافظ ابن حجر نے بالقصد ترک کر دیا تھا اس میں بہت طول دیا ہے مثلاً (۱) پوری حدیث متن میں نقل کرنی (۲) ہر راوی کا پورا ترجمہ لکھنا (۳) انساب رواۃ کی بحث (۴) معانی بیان، کسی نے حافظ ابن حجر سے عرض کیا کہ، علامہ عینی کی شرح کو آپ پر فوقیت ہے، کیونکہ اس میں معانی بیان بدیع وغیرہ زائد ہیں شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے بے ساختہ جواب دیا کہ ان باتوں کو علامہ رکن الدین کی شرح سے نقل کیا ہے۔ مجھے شیخ رکن الدین کی شرح پہلے ہاتھ لگی تھی۔ لیکن کتاب ناتمام تھی اس وجہ سے میں نے اس سے نقل کرنا مناسب نہیں سمجھا چنانچہ علامہ عینی اس ٹکڑے کے ختم ہونے کے بعد سے معانی بیان بدیع وغیرہ سے بالکل ساکت ہیں کیونکہ جو ماخذ تھا اس کا خاتمہ ہو چکا تھا پھر علامہ چلپی صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں وبالجملة فان شرحه حافل كافل في معناه لكن لم يشتهر كاشتهار فتح الباري في حياة مؤلفه وهلم جرا خلاصہ یہ کہ شرح عینی مطالب کی توضیح تو خوب کرتی ہے لیکن اسے فتح الباری کی سی شہرت نصیب نہ ہوئی نہ مؤلف کی حیات میں نہ آج تک کسی ماہر فن کا یہ قول بہت صحیح ہے۔

الاول عــــہ (فتح الباری) مفید للکملۃ والثانی (العینی) مفید للطلبۃ، فاضل لکھنوی کا فیصلہ اسی کے ہم معنی ہے حیث قال ویفضل الاول (فتح الباری) علی الثانی (عمدۃ القاری) تحقیقا وتنقیدا والثانی علی الاول توضیحا وتفصیلا (تقریظ تیسیر القاری مطبوعہ مطبع علوی ۱۲۹۸ھ)

شرح صحیح البخاری ۳ــــ التنقیح لہ	العلامۃ رکن الدین احمد ابن محمد بن عبد المومن القرمی المتوفی ۷۸۳ھ الشیخ بدر الدین محمد بن بہادر بن عبد اللہ الزرکشی الشافعی المتوفی ۷۹۴ھ	یہ وہی شرح ہے جس کا ذکر شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے عینی کی شرح بخاری کی تفصیل کے جواب میں کیا ہے۔ یہ ایک مختصر شرح ہے۔ لائق مصنف نے اس میں الفاظ مشکلہ کی شرح اور اعراب غامضہ کا ایضاح اور جن انساب رواۃ یا اسمائے رواۃ میں تصحیف یا اشتباہ کا خیال تھا اس کا ضبط کیا ہے اور مختلف اقوال سے جو قول صحیح تھا مختلف معانی سے جو واضح تر تھا اسی کو اختیار کیا اور ایسے فوائد ایزاد کئے ہیں جن پر حاوی ہو جانے سے ایک ہوشیار شخص بڑی بڑی شروح سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ پٹنہ کے کتب خانہ اورینٹل پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

عــــہ فتح الباری منتہیوں کے لیے مفید ہے۔ اور عینی مبتدیوں کے لیے ۱۲ عــــہ فتح الباری کو عینی پر بحیثیت تحقیق وتنقید کے فضیلت ہے، اور عینی کو بحیثیت تفصیل اور توضیح مطلب کے ۱۲

نام کتاب	مصنف	کیفیت
		نیز کتب خانہ ایا صوفیہ واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔
نکت ۳۸	شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر العسقلانی	علامہ زرکشی کی شرح تنقیح پر نکت لکھے ہیں لیکن افسوس (بقول صاحب کشف الظنون) پوری نہ ہوئی۔
نکت ۳۹	القاضی محب الدین احمد ابن نصر اللہ البغدادی الحنبلی المتوفی سنہ ۸۴۴	اسی علامہ زرکشی کی شرح پر یہ بھی نکت لکھے گئے ہیں۔
مصابیح الجامع	العلامۃ بدالدین محمد بن ابی بکر الدمامینی[ع] المتوفی سنہ ۸۲۷	مشہور تو یہ ہے کہ یہ شرح سلاطین ہند میں احمد شاہ بن محمد بن مظفر شاہ کے لیے لکھی گئی لیکن صاحب کشف الظنون تحریر فرماتے ہیں کہ مصنف نے اس کتاب کے دیباچہ میں کہیں اس کا ذکر نہیں کیا ہے حالانکہ مصنفین کے عام قاعدہ کے خلاف ہے، سنہ ۸۲۸ میں روز شنبہ بوقت ظہر بمقام زبید یمن میں اختتام کو پہنچی کتب خانہ نور عثمانیہ جامع شریف واقع

ع نسبتہ الی دمامین بفتح اولہ وبعد الالف میم اخری مکسورۃ ویاء تحتہا نقطتان ونون قریۃ کبیرۃ بالصعید شرقی النیل علی شاطئہ ۱۲ عبید اللہ

		قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے ایک مختصر اور نہایت لطیف اور جامع شرح ہے اس کا حجم تنقیح زرکشی کے قریب قریب ہے اس کے علاوہ ایک شرح اور ہے جس کا نام ترسیخ ہے لیکن ناتمام رہی اس کا نسخہ کتب خانہ شریفی واقع قسطنطنیہ سلطان احمد خاں ثالث میں موجود ہے
۲۲ فتح الباری	الحافظ زین الدین عبدالرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی المتوفی ۷۹۵ھ	صحیح بخاری کے ایک ٹکڑے کی شرح ہے۔ مصنف نے اس کا نام بھی فتح الباری رکھا صرف کتاب الجنائز تک پہنچی۔ صاحب الجوہر المنضد فی طبقات متاخری اصحاب احمد نے اس شرح کا ذکر طبقات حنابلہ میں کیا ہے
۲۳ شرح صحیح البخاری للنوادی	العلامۃ النوادی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ	اس شرح کا ذکر علامہ موصوف نے مسلم کی شرح کے مقدمہ میں کیا ہے افسوس یہ شرح کامل نہیں ہوئی صرف کتاب الایمان تک پہنچی مصنف نے اس کی تعریف یوں کی ہے انہ جمع فیہ جملا مشتملۃ علی نفائس من انواع العلوم یہ شرح انواع علوم کی بڑی بڑی نفیس باتوں کے مجموعہ پر مشتمل ہے۔

نام شرح	شارح	کیفیت
شرح صحیح البخاری	الحافظ عماد الدین اسماعیل ابن عمر بن کثیر الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ	یہ بھی صحیح بخاری کے صرف ایک ٹکڑے کی شرح ہے اختتام کو نہ پہنچ سکی۔
۴۵ الفیض الجاری	العلامۃ سراج الدین عمر بن رُسلان البُلقینی الشافعی المتوفی ۸۰۵ھ	یہ بھی صحیح بخاری کے صرف ایک ٹکڑے کی شرح ہے ناتمام پچاس جزء میں کتاب الایمان تک پہنچی عہ
۴۶ منح الباری بالسیح الفسیح الجاری	العلامۃ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی الشیرازی صاحب القاموس المتوفی ۸۱۷ھ	صرف ربع عبادات تک یہ شرح بیس جلدوں میں پہنچی۔ علامہ موصوف نے اس کے اختتام کا اندازہ چالیس جلدوں میں کیا تھا۔ علامہ سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ اس شرح میں ابن عربی کی فتوحات مکیہ کے اکثر مضامین درج کئے گئے اس وجہ سے محدثین کے مرغوب خاطر نہ ہوئی شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کی نظر سے اس کا کچھ حصہ گذرا تھا لیکن نہایت کرم خوردہ تھا۔
۴۷ ہدایۃ الباری	شیخ الاسلام زکریا الانصاری تلمیذ الحافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۹۲۸ھ	یہ شرح مصر میں طبع ہوگئی ہے اور عنوان شرح قولہ قولہ کر کے ہے۔ بعض مورخین نے بجائے ہدایۃ الباری ہدایۃ القاری لکھا ہے

عہ نسبۃ الی تلمسان بکسرتین وسکون المیم وسین مہملۃ مدینۃ ۱۲

نام کتاب	مصنف	کیفیت
المتجر الربیح والمسعی الرجیح	العلامۃ ابو عبداللہ محمد ابن مرزوق التلمسانی عہ المالکی شارح البردہ المتوفی سنہ ۸۴۲	بقول صاحب کشف الظنون یہ شرح بھی ناتمام رہی۔
۴۹ شرح صحیح البخاری	برہان الدین ابراہیم ابن النعمان المتوفی سنہ	صرف کتاب الصلوٰۃ تک پہنچی اور جس کا التزام کیا تھا پورا نہ ہوسکا۔
۵۰ شرح صحیح البخاری	ابو البقا محمد بن علی ابن خلف الاحمدی المصری الشافعی نزیل المدینۃ المتوفی سنہ	یہ ایک طویل شرح ہے ابتدائے تالیف سنہ ۹۰۹ ہے شرح کرمانی۔ شرح عینی فتح الباری وغیرہ سے ملخص کر کے ایک عمدہ شرح تیار کی ہے۔ لائق مصنف کا انہی اس شرح کے بارے میں یہ مقولہ بہت درست ہے عہ جعلتہ کالوسیط برزخا بین الوجیز والبسیط
۵۱ نجاح القاری	ابو عبداللہ محمد الشہیر بیوسف آفندی المتوفی سنہ ۱۱۶۷	کتب خانہ ولی الدین سلطان بایزید واقع جامع شریف قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے علامہ یوسف آفندی نے صحیح مسلم کی بھی شرح لکھی ہے۔
بغیۃ السامع فی	جمال الدین ابو یوسف	ایضاً مذکورہ بالا کتب خانہ میں اس کا

عہ وقال الشوکانی فی البدر الطالع صفحہ ۵۰۷ ج ا فی ترجمۃ عمر بن رسلان کتب من شرح البخاری علی نحو عشرین حدیثا مجلدین ۱۲ عبیداللہ عہ یعنی طویل اور مختصر دونوں کے درمیان ہے ۱۲۔

| شرح الجامع شرح صحیح البخاری | المتوفی سنہ العلامۃ زین الدین عبدالرحیم ابن عبدالرحمٰن بن احمد العباسی الشافعی المتوفی سنہ ۹۶۳ | نسخہ موجود ہے۔ اس شرح کی ترتیب بالکل انوکھی اور نئے انداز کی ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری کی جامع الاصول کی طرز پہ ہے لائق مصنف نے احادیث کو سلسلہ سند سے مجرد کرکے ہر حدیث کے مقابل حاشیہ پر ایک حرف یا کئی حروف بطور علامت لکھے ہیں جس سے انہوں نے صحاح خمسہ کے مخرجین کی طرف اشارہ کیا ہے جنہوں نے امام بخاری کی اس حدیث کی تخریج میں موافقت کی ہے۔ پھر کتاب کے خاتمہ پر الفاظ غریبہ کی شرح کا باب قائم کیا ہے اور ہر لفظ کی شرح میں حاشیہ پر اس لفظ کو بعینہ درج کردیا ہے اس شرح پر علامہ برہان الدین ابو شریف اور علامہ عبدالبر بن الشحنہ نے تقریظیں لکھی ہیں |
| ترجمان التراجم | ابو عبداللہ محمد بن عمر بن رشید السبتی المتوفی سنہ ۷۲۲ | لائق مصنف نے صرف صحیح بخاری کے ابواب پر بحث کی ہے لیکن افسوس یہ نادر کتاب ناتمام رہی۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں کہ باوجود ناتمام ہونے |

		کے یہ کتاب نہایت مفید ہے۔ صحیح بخاری کے سو ترجموں پر بحث کی ہے۔
۵۵ حل اغراض البخاری المبہمہ فی الجمع بین الحدیث والترجمہ	الفقیہ ابو عبد اللہ محمد ابن منصور بن حمامۃ المغراوی السجلماسی[عہ] المتوفی سنہ	
۵۶ ارشاد الساری	شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی المصری صاحب المواہب اللدنیہ المتوفی سنہ ۹۲۳	یہ شرح حامل متن ہے شرح اور متن کا اس طرح مزج کیا گیا ہے کہ اگر حدیث کے الفاظ خطوط کے نیچے نہ ہوں تو اکثر مقام میں متن اور شرح کا امتیاز مشکل ہو۔ مشکلات کو حل کیا ہے۔ مہملات کو مقید کیا ہے اور مبہمات کو واضح۔ اور جو الفاظ مشکلہ مکرر آئے ہیں اُن کی شرح بھی ویسی ہی مکرر کی ہے اس وجہ سے صحیح بخاری کے درس دینے والوں کو اس شرح کا سامنے رکھنا بہت آسانی بخشتا ہے۔ کوئی وقت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ سہ کرر ایک ہی لفظ کی شرح چلی آرہی ہے۔ خود مصنف کا قول ہے ولم اتحاش من الاعادۃ فی الافادۃ عند الحاجۃ الی

عہ نسبۃ الی سجلماسۃ بکسر اولہ وثانیہ وسکون اللام وبعد الالف سین مہملۃ مدینۃ فی جنوب المغرب فی طرف بلاد السودان ۱۲ عبید اللہ رحمانی

		البیان یہ شرح بڑی بڑی شروح کی تلخیص ہے بالخصوص فتح الباری تو اس کا اصل ماخذ ہے۔ اس شرح میں پہلے ایک مقدمہ لکھا گیا ہے۔ جس میں کئی فصلیں ہیں (۱) فضیلت علم حدیث (۲) جن لوگوں نے فن حدیث کو پہلے جمع کیا اور جو ان کے بعد آئے (۳) اصول حدیث (۴) صحیح بخاری کی شروط اور ترجیح (۵) امام بخاری کی سوانح عمری و شروح بخاری مقدمہ مع ایک مختصر شرح کے علٰحدہ بھی طبع ہو گیا ہے۔
۵۷ الخیر الجاری	العلامۃ یعقوب البنانی المتوفی سنہ ۱۰۰۳	صحیح بخاری کی یہ شرح قسطلانی۔ عینی فتح الباری وغیرہ سے ماخوذ ہے عنوان تالیف قولہ قولہ کے ساتھ ہے، حل عمدہ ہے، لائق مصنف نے علاوہ ان شروح کے بہت سی کارآمد باتیں لکھی ہیں۔ اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے کتب خانہ میں کتاب الزکوٰۃ تک ایک جلد کلاں موجود ہے اور مصنف کے اندازہ سے چار جلدوں میں ہے،
۵۸ تحفۃ السامع	العلامۃ القسطلانی	اس کا ذکر علامہ سخاوی نے الضوء اللامع

کتاب	مصنف	کیفیت
والقاری لختم صحیح البخاری	المتوفی سنہ ۹۲۳	میں کیا ہے موضوع بحث نہ معلوم ہو سکا غالباً صحیح بخاری کے ختم کا طریقہ بتایا ہے
۵۹ شرح صحیح البخاری	الامام رضی الدین حسن ابن محمد الصغانی الحنفی صاحب المشارق المتوفی سنہ ۶۵۰	ایک مختصر شرح صرف ایک جلد میں ہے۔ علامہ صغانی کی تالیفات سے ایک موضوعات بھی ہے جو مصر میں طبع ہوگئی ہے
۶۰ الکوثر الجاری علی ریاض البخاری	الفاضل احمد بن اسمٰعیل الکورانی الحنفی المتوفی سنہ ۸۹۳	ایک متوسط شرح ہے۔ اکثر اس شرح میں علامہ کرمانی اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کا رد بھی ہے ان رواۃ کے اسما بھی (جن میں اشتباہ کا خوف ہے) ضبط کئے گئے ہیں۔ لغات مشکلہ کا حل بڑی خوبی سے کیا ہے۔ قبل شرح کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک اور مصنف کے مناقب جمیلہ اور صحیح بخاری کی خوبی کا ذکر کیا گیا ہے سنہ ۸۷۴ جمادی الاولیٰ میں مصنف نے تالیف سے فراغت پائی۔ کتب خانہ ایا صوفیا واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے
شرح صحیح بخاری	الامام عفیف الدین سعید	سنہ ۷۶۶ ہجری میں شہر شیراز میں مصنف نے

نمبر	نام کتاب	مصنف	کیفیت
		ابن مسعود الکازرونی المتوفی ۸۵۸ھ	اس کی تالیف سے فراغت پائی۔
۶۲	شرح صحیح بخاری	الامام زین الدین ابو محمد عبد الرحمن بن ابی بکر العینی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ	یہ شرح تین جلدوں میں ہے اور صحیح بخاری اس کے حاشیہ پر ہے۔
۶۳	التوضیح للاوہام الواقعۃ فی الصحیح	ابو ذر احمد بن ابراہیم ابن السبط الحلبی المتوفی ۸۸۴ھ	اس کے مصنف نے شرح کرمانی اور فتح الباری اور شرح برماوی سے تلخیص کی ہے۔
۶۴	التوضیح لمبہمات الجامع الصحیح	ایضاً	نام سے موضوع بحث ظاہر ہے صاحب کشف الظنون نے کچھ تفصیل نہیں لکھی۔
	شرح صحیح البخاری	فخر الاسلام علی بن البزدوی الحنفی المتوفی ۸۹۴ھ	یہ شرح بھی ایک مختصر شرح ہے
۶۵	فیض الباری	العلامۃ عبد الرحیم بن عبد الرحمن العباسی المتوفی ۹۶۳ھ	اس کا نسخہ کتب خانہ جامع شریف سلطان عبد الحمید خان اول واقع قسطنطنیہ میں موجود ہے
۶۶	کتاب النجاح فی شرح کتاب اخبار الصحاح	الامام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی الحنفی المتوفی ۵۳۷ھ	اس شرح کے آغاز میں مصنف نے اپنا سلسلہ سند امام بخاری تک پچاس واسطوں سے بیان کیا ہے۔ صاحب کشف الظنون نے اور کچھ تفصیل نہیں لکھی۔

عہ اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ قلمی دار العلوم حسینی میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا ۱۲ عبید اللہ رحمانی

کتاب	مصنف	کیفیت
٦٨ شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح	الشیخ جمال الدین محمد بن عبداللہ بن مالک النحوی المتوفی سنہ ٦٧٢	صحیح بخاری کے ان اعراب مشکلہ کے دلائل وشواہد بیان کئے ہیں جو ظاہر میں مروجہ قواعد نحویہ کے خلاف نظر آتے ہیں شہر الہ آباد میں طبع ہو گئی ہے۔
٦٩ فیض الباری	السید العلامۃ عبدالاول الجونفوری المتوفی سنہ ٩٦٨	ان دونوں شرحوں کا ذکر علامہ ابوالطیب نواب صدیق حسن خاں نے اپنی قابل قدر تاریخ (اتحاف النبلا) میں کیا ہے۔ اور مآثر الکرام مصنفہ آزاد بلگرامی سے لیا ہے
٧٠ نور القاری	الشیخ نور الدین الاحمد آبادی المتوفی سنہ ١١٥٥	
٧١ شرح صحیح البخاری	القاضی مجد الدین اسمٰعیل ابن ابراہیم البلبیسیؔ المتوفی سنہ ٨٠١	ان دونوں شرحوں کا حال بھی صاحب حطہ نے کچھ نہیں لکھا اور صاحب کشف الظنون نے بھی سکوت کیا
٧٢ شرح صحیح البخاری	القاضی زین الدین عبدالرحیم ابن الرکن احمد المتوفی سنہ ٨٦٤	
الفیض الجاری	اسماعیل العجلونی المتوفی سنہ ١١٦٢ تلمیذ العلامۃ السندی	ابتدائے تصنیف سنہ ١١٤٥ ہے علامہ موصوف نے جامع اموی کے قبہ نسر میں صحیح بخاری کی تدریس کے زمانہ میں اس شرح کو شروع کیا۔ علامہ موصوف نے العوائد الدراری فی ترجمۃ البخاری میں اسکی تالیف کا سبب بھی لکھا ہے۔

عـه نسبتہ الی بلبیس بکسر البائین وسکون … بینہما یاء آخرہ سین مہملۃ کذا ضبطہ نصر الاسکندری قال العامۃ تقول بلبیس ١٢

شرح غریب صحیح البخاری	ابوالحسن محمد بن احمد الجیّانی^عہ النحوی المتوفی سنہ ۵۴۰ھ	اس کا بھی کچھ مفصل حال صاحب حطہ اور علامہ عجلونی نے نہیں بتایا اور نہ صاحب کشف الظنون اور علامہ قسطلانی نے کچھ لکھا۔
شرح صحیح البخاری	القاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ العربی المالکی الحافظ المتوفی سنہ ۵۴۳ھ	اس شرح کا بھی مفصل حال نہ صاحب کشف الظنون نے بتایا نہ صاحب حطہ نے
صیانۃ القاری عن الخطار فی صحیح البخاری	ابوالحسن علی بن ناصرالدین المتوفی سنہ	معونۃ القاری اور صیانۃ القاری، ان دونوں شرح کا ذکر علامہ عجلونی نے اپنی قابل قدر کتاب الفوائد الدراری میں
معونۃ القاری	ابوالحسن علی بن ناصرالدین محمد بن محمد المالکی المتوفی سنہ	کیا ہے علی بن ناصرالدین امام سیوطی کے تلمیذ ہیں۔
شرح صحیح البخاری	شہاب الدین احمد بن رسلان المقدسی الرملی الشافعی المتوفی سنہ ۸۴۴ھ	یہ شرح تین جلدوں میں ہے۔
اضاءۃ الدراری	العلامۃ الشہاب احمد المنینی^عہ العثمانی المتوفی سنہ ۱۱۷۲	اس کا ذکر ابن عابدین صاحب ردالمحتار نے اپنی ثبت میں کیا ہے

عہ نسبۃ الی جیان بفتح الجیم ثم تشدید التحتیۃ وآخرہ نون مدینۃ ۱۲ عبیداللہ عہ المنینی المنسوب الی منین بالفتح ثم الکسر فیاء مثناۃ وآخرہ نون اخری قریۃ فی جبل سنیر من اعمال الشام قبل من اعمال دمشق ۱۲

کتاب	مصنف	کیفیت
مفتاح القاری	الامام عبدالرحمٰن الاہدل[عه] الیمنی المتوفی سنہ	
[۱۸۱] شرح صحیح البخاری	ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی الحافظ المتوفی ۵۳۵ھ	ان دونوں شرحوں کا ذکر علامہ نواب صدیق حسن خاں نے الحطہ میں کیا ہے اس شرح کے حال سے بھی مورخین ساکت ہیں۔
[۱۸۲] ضوء الدراری	العلامۃ غلام علی البلجرامی الادیب صاحب التصانیف المتوفی ۱۲۰۰ھ	ابتدا سے آخر کتاب الزکوٰۃ تک ہے خود مؤلف نے اس شرح کا ذکر اپنی قابل قدر تصنیف سبحۃ المرجان میں کیا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں رقمطراز ہیں کہ یہ شرح بڑے وسیع پیمانہ پر لکھنی شروع ہوئی تھی لیکن ناتمام رہی۔
[۱۸۳] ضیاء الساری	العلامۃ عبداللہ بن الشیخ سالم البصری المالکی المتوفی ۱۱۳۴ھ	اس شرح کا ذکر علامہ نواب صدیق حسن خاں نے الحطہ میں اور علامہ عجلونی نے الفوائد الدراری میں کیا ہے اور کتب خانہ قسطنطنیہ نور عثمانیہ جامع شریفی میں اس کا نسخہ[عسه] موجود ہے ایضاً سلطان بایزید کے کتب خانہ واقع قسطنطنیہ میں اس کا ذکر نواب صدیق
[۱۸۴] سلم القاری	السید العلامۃ محمد بن احمد	

عه قال الشوکانی فی البدر الطالع الحسین بن عبدالرحمٰن الحسینی العلوی الشافعی المعروف بالاہدل صنف حاشیۃ علی البخاری انتقاعا من شرح الکرمانی مع زیادۃ سماہا مفتاح القاری لجامع البخاری المتوفی ۹۰۳ھ ۱۲ عبیداللہ عسه قسطلانی سے بسیط اور فتح الباری سے چھوٹی ہے ثلث تک پہنچی ۱۲

۸۵ نور الشاری	الاہدل الیمنی المتوفی سنہ العلامۃ شیخ حسن العدوی المتوفی سنہ ۱۳۰۳	حسن خان نے حطہ میں کیا ہے۔ قاہرہ میں جو صحیح بخاری فی سنہ ۱۲۷ ہجری میں دس جلدوں میں طبع ہوئی اس کے حاشیہ پر یہ شرح بھی طبع ہوئی اس کا ذکر صاحب اکتفاء القنوع نے کیا ہے۔
۸۶ حل صحیح بخاری یعنی نسخہ عتیقہ صحیحہ مع حل مشکلات وحواشی وجمیع نسخ	من خزانۃ الکتب للعلامۃ شمس العلماء مولانا السید نذیر حسین المحدث الدہلوی المتوفی سنہ ۱۳۲۰	یہ نسخہ بہت عتیق نہایت واضح خوشخط ہے۔ مع جمیع نسخ وحل مشکلات وحواشی ورق کلاں پر تین ضخیم جلدوں میں ختم ہوا ہے اس نسخہ کی صورت اس کی قدامت کی دلیل روشن ہے یہ وہ نسخہ ہے جو بڑے بڑے اساتذہ اور شیوخ کے درس

وتدریس میں رہا۔ اور ہر زمانہ میں بڑے بڑے افاضل نے اس پر حواشی ونکات چڑھائے۔ مختلف اوقات میں حواشی چڑھانے کی وجہ سے حاشیہ لکھنے کا کوئی نظم نہیں۔ جس نے جس طرف جگہ پائی لکھ دیا۔ حضرت شیخ الکل کے خاص ہاتھ کے حواشی لکھے ہوئے بھی اس پر موجود ہیں۔ اس طرح مدت کے بعد یہ نسخہ اس کمال کو پہنچا۔

حضرت شیخ الکل اس نسخہ کی بڑی حفاظت فرماتے اور اپنی .... جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے۔ الحمد للہ کہ اس نسخہ کے دیدار سے ہماری آنکھیں بھی منور ہیں اور اس کی جلدیں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں اور تیسوں جلدیں الگ الگ ہیں تحشی میں ذیل کے علامات لکھے ہوئے ملتے ہیں۔

د	م	ک	لو	ت	ج	جامع الاصول	
ق	ف	ع	ز	ذ	قن	توسل	تق
حب	توصل		ن	ب	خ	انساب	صحاح	الکمال
استیعاب	کاشف	قاضی خاں	اکثر بلا علامت حواشی لکھے ہیں۔				

یہ نسخہ بحیثیت صحت قدامت جامعیت نسخ وحل مشکلات وحواشی یادگار سلف ہے اور لعل بے بہا، جابجا حل مشکلات کا یہ طریقہ ہے کہ جب کسی مشکل مقام کو اٹھایا ہے تو متعدد شروح سے حل کر دیا ہے۔ اس طرح ایک ایک حاشیہ میں فتح الباری کرمانی قسطلانی، داؤدی۔ توشیح، تنقیح، تیسیر جاری، کئی کئی شرحیں موجود ہیں۔ پہلے پہل ہندوستان میں جو نسخہ مولانا احمد علی صاحب نے محشی کرکے شائع کیا وہ اسی نسخہ کا خوشہ چین ہے۔ بوجہ اتحاد دار تباط زمانہ قدیم حضرت مولانا شیخ الکل سے یہ نسخہ عاریت لے کر اپنا نسخہ طبع کرایا۔ شرح داؤدی جس کی نسبت مولانا سہارنپوری نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ شرح داؤدی اصل منقول عنہ میں موجود تھی اور دؔ سے اسی کی طرف اشارہ ہے بجز اس نسخہ کے اس کے وجود کا پتہ نہیں چلتا۔ مولانا سہارنپوری نے اس پر عینی شرح بخاری اور کتب اصول حنفیہ سے مذہب حنفی کی تائید اور حدیثوں کی تاویل کا اضافہ کر دیا۔ گو دونوں حضرات مولانا شیخ محمد اسحاق صاحب کے تلامذہ میں تھے۔ لیکن جب مولانا احمد علی صاحب دہلی تشریف لاتے تو حضرت میاں صاحب کی درس گاہ میں جب تک طلبہ کا سبق ہوتا دو زانو ساکت بیٹھتے۔ اور درس سے فراغت ہوتی تو بات چیت کرتے اور نہایت اخلاص مندانہ باتیں ہوتیں۔ اکثر فتاویٰ پیش کرتے یا کوئی اور علمی تذکرہ رہتا اور جب تک تقیید

حیات رہے اس دمنع کو نباہا۔ اس کے شواہد وہ خطوط[ع] ہیں جو مولانا احمد علی صاحب کے خاص ہاتھ کے لکھے ہوئے (جو انہوں نے بنام شیخ الکل لکھے تھے) مولانا شمس الحق صاحب کے پاس محفوظ ہیں۔

حل صحیح بخاری	مولانا احمد علی السہارنفوری تلمیذ شیخ شیخنا مولانا محمد اسحاق المحدث الدہلوی المتوفی سنہ ۱۲۹۸	اس کا منقول عنہ نسخہ (جو حضرت مولانا سید علامہ نذیر حسین محدث دہلوی سے عاریۃً لیا گیا تھا) اصل مایہ ناز ہے اصل نسخہ منقول عنہ کی کیفیت اوپر گذر چکی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ صحیح

بخاری کو صحت بلیغ کے ساتھ مع حل کے طبع کر کے تمام ہندوستان میں شائع کر دیا جہاں بجز فقہ حنفی دوسرے فنون اسلامیہ کا بہت کم چرچا بخاریہ خاندان ولی اللہ کا اثر اور فیض ہے۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مولانا احمد علی صاحب باوجود اس کے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان سے ان کو تلمذ تھا۔ لیکن مقلدین کی عام روش سے وہ بھی نہ بچ سکے۔ علمائے مقلدین کا عام قاعدہ ہے کہ حدیث کی شرح کرنے بیٹھتے ہیں تو منجملہ اور مقاصد کے ایک ضروری مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ نصوص کو اپنے امام کے مذہب یا امام کے قواعد مخترعہ کا پابند کریں گے۔ چونکہ یہ روش پہلے سے چلی آتی ہے پھر مولانا احمد علی صاحب اس سے کیونکر بچ سکتے تھے۔ صحیح بخاری کو شرح عینی اور دیگر کتب اصول حنفیہ سے اول سے آخر تک مذہب حنفی کا پابند کر دیا اور نصوص کی تاویل کرنے میں کس کس طرح کی دقتیں

[ع] اس کے علاوہ حضرت میاں صاحب کے قدیم طلبہ اس کے شاہد موجود ہیں۔ ۱۲

انھوں نے باتیں ادر کیسی کیسی تادیلات باردہ سے کام لیے۔ اگر مولانا سہانپوری نسخہ منقول عنہ کے حل پر کفایت کرتے یا دقائق حدیثیہ کا اضافہ کرتے اور نصوص کو اپنے مذہب کا پابند نہ کرتے تو ہندوستان میں آج محدثین کی بڑی جماعت نظر آتی اور تحقیق کا مذاق عام ہوتا۔ مولانا احمد علی صاحب نے اس حاشیہ کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے فن حدیث کے اصول کے علاوہ صحیح بخاری کے متعلق بہت سی مفید باتیں لکھی ہیں یہ مقدمہ تمام تر مقدمہ فتح الباری اور مقدمہ قسطلانی سے ماخوذ ہے اور بعض مضامین شاہ ولی اللہ صاحب کے رسالہ تراجم الواب بخاری سے بھی ماخوذ ہیں

تعلیقہ علی صحیح البخاری	مولی لطف اللہ بن حسن التوقانی المقتول سنہ ۹۰۰	یہ تعلیق صرف اوائل صحیح بخاری کے متعلق ہے۔
۸۹ تعلیقہ "	العلامۃ شمس الدین احمد ابن سلیمان بن کمال پاشا المتوفی سنہ ۹۴۰	اس کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا۔
سنہ ۹۰ تعلیقہ "	مولی نفض بن علی الجمال المتوفی سنہ ۹۹۱	اس کا بھی کچھ مفصل حال صاحب کشف الظنون وعلامہ قسطلانی وعلامہ عجلونی نے نہیں بتایا۔ یہ ایک کبیر حاشیہ ہے نصف صحیح بخاری تک
۹۱ تعلیقہ "	مصلح الدین المصطفے بن شعبان الشروری المتوفی سنہ ۹۶۹	
۹۲ تعلیقہ "	مولی حسین الکفوی المتوفی سنہ ۱۰۱۲	اس کا حال بھی مفصل معلوم نہ ہوسکا صرف علامہ زرقانی نے شرح المواہب

عہ نزیل سر در مدینہ بقہستان ۱۲

تعلیقہ		
۹۴ حل صحیح البخاری	العلامۃ السندی الحنفی المتوفی سنہ ۱۱۳۸ مرزا حیرت الدہلوی	اللدیہ میں اس کا ذکر کیا ہے صحیح بخاری مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر طبع ہو کر شائع ہے۔ متن مولانا حافظ احمد علی مرحوم کا رکھا ہے لیکن صحیح بخاری کے حل میں قسطلانی اور فتح الباری سے کچھ زیادہ مدد لی ہے صحت وصفائی کے اعتبار سے بھی اچھی ہے۔ حل لغات علیحدہ دیا ہے۔ لیکن بین السطور کے حواشی نکال دیئے ہیں۔ اس سے حل مشکلات میں کمی ہو گئی۔
۹۵ عون الباری لحل ادلۃ البخاری	العلامۃ النواب ابو الطیب صدیق حسن خاں بہادر المتوفی سنہ ۱۳۰۷	علامہ زبیدی نے جو تجرید کی تھی اسی کی یہ شرح عربی میں ہے۔ علاوہ اس کے اس تجرید کی شرح علامہ شرقاوی اور
۹۶ شرح تجرید الصحیح للزبیدی	الشیخ عبداللہ الشرقاوی المتوفی سنہ	الشیخ الغزی نے بھی لکھی ہے ان دونوں شرحوں کا ذکر علامہ ابو الطیب نواب صدیق حسن خاں نے اپنی شرح عون
۹۷ شرح تجرید الصحیح للزبیدی	الشیخ ابن القاسم الغزی المتوفی سنہ	الباری میں کیا ہے۔ عون الباری نیل الاوطار فی شرح منتقی الاخبار کے حاشیہ پر طبع ہو کر شائع ہے۔
مختصر صحیح البخاری	الامام جمال الدین	اس مختصر کی کوئی کیفیت صاحب کشف الظنون نے

التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح التجرید الصریح الاحادیث الجامع الصحیح	ابو العباس احمد بن عمر الانصاری القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ زین الدین ابو العباس احمد بن احمد بن عبد اللطیف الشرجی الزبیدی المتوفی ۸۹۳ھ	نہ بتائی نہ اس کی شرح کا حال معلوم ہو سکا نہ اختصار کی غرض معلوم ہوئی۔ اس تجرید میں مرفوع حدیثوں کو اسناد سے الگ کر کے مکررات کو حذف کر دیا ہے اور احادیث متفرقہ کو جمع کیا ہے اکثر صحیح بخاری کی حدیثوں کے تلاش کرنے والے بعض حدیثوں کے نہ ملنے سے گمان کر بیٹھتے تھے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں نہیں ہے اس وجہ سے کہ جس حدیث کی تلاش میں وہ ہوتے ہیں وہ حدیث بوجہ استنباط مسئلہ فقہیہ ایسے باب میں مذکور ہوتی ہے جس کی طرف ان کا ذہن بالکل نہیں جاتا اس مختصر سے یہ دقت جاتی رہی۔ قاہرہ سے طبع ہو کر شائع ہے۔
ارشاد السامع والقاری المنتقی من صحیح البخاری ومن الکتب المصنفة علی صحیح البخاری ۱۴۱ النہایہ فی بلاد الخیر	العلامہ بدر الدین حسن ابن عمر بن حبیب الحلبی المتوفی ۷۷۹ھ ابن عمر بن عبد اللہ بن سعد بن ابی	گو اس کا کچھ مفصل حال معلوم نہ ہو سکا تاہم نام سے واضح ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی حدیثوں کو لے کر شروع صحیح بخاری سے ان کو حل کیا ہے یہ بھی صحیح بخاری کا ایک اختصار ہے، اس کی تحشی علامہ محمد

ذ الغایہ	حمزۃ الازدی المتوفی ۶۷۵ھ	شنوانی المتوفی ۱۲۳۳ھ نے کی اور یہ مختصر مع حاشیہ قاہرہ ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوا۔ صاحب اکتفاء القنوع لکھتے ہیں والمختصر ہذا مع حاشیۃ ہذہ مرغوبان عند طلبۃ علم الحدیث یعنی یہ مختصر اور یہ حاشیہ دونوں طالبان حدیث کو بہت پسند ہیں۔
۱۰۲ شرح مختصر البخاری	العلامۃ احمد بن العلامۃ الشیخ احمد الشجاعی المتوفی سنہ	
۱۰۳ بہجۃ النفوس	عبداللہ بن سعد بن ابی جمرۃ الازدی المتوفی ۶۷۵ھ	اسی نہایہ فی بدء الخیر والغایہ کی شرح ہے۔ اس کے ابتدا کے الفاظ یہ ہیں الحمد للہ الذی فتق رتق ظلمات جہالات القلوب خود صاحب الاختصار نے یہ شرح بھی لکھی کتب خانہ ولی الدین سلطان بایزید جامع شریف واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔
۱۰۴ حاشیہ صحیح بخاری	ابو العباس السندی احمد زروق شارح حکم	علامہ عجلونی نے لکھا ہے کہ یہ ایک حاشیہ صحیح بخاری کے حل میں ہے۔
شرح صحیح بخاری	العلامۃ الکفیری محمد بن احمد المتوفی سنہ	علامہ کفیری نے اس شرح کے خطبہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس شرح کو سعید بن مسعود گازرونی کی مقاصد التنقیح سے

عہ مختصر ابن ابی جمرہ ۱۲۵

شرح	مصنف	کیفیت
۱۰۳ شرح صحیح بخاری	العلامة عبد الباقی المتوفی سنہ	لیا ہے۔ حسب بیان علامہ عجلونی ایک حصہ معتد بہا کی شرح ہے۔
۱۰۴ شرح صحیح بخاری	العلامة السید ابراہیم الشہیر بابن حمزة نقیب اشراف دمشق المتوفی سنہ	علامہ عجلونی لکھتے ہیں کہ اس شرح کو انشاء الکتاب الصلوٰۃ تک میں نے بچشم خود دیکھا ہے ہر باب کی شرح میں خطبہ حمد و نعت تام لکھتے ہیں
۱۰۵ شرح صحیح بخاری	الشیخ علی الشامی الحدیدی المتوفی سنہ	علامہ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں این شرح پارۂ از اول او است شیخ علی را در ۱۲۸۰ھ ملاقات کردم و رسالہ حطہ بطور ہدیہ دادم[1]

شروح فارسی و اردو و تراجم وغیرہ

شرح	مصنف	کیفیت
تیسیر القاری[2]	علامہ نور الحق بن مولانا عبد الحق الدہلوی المتوفی ۱۰۷۳ھ	جس زمانہ میں شیخ عبد الحق نے شرح فارسی مشکوٰۃ لکھنی شروع کی صاحبزادہ موصوف نے صحیح بخاری کی شرح فارسی میں لکھنی شروع کی مورخ احمد المجی نے اپنی تاریخ خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر میں اس شرح کا ذکر کیا ہے
۱۱۰ شرح ثلاثیات البخاری	ملا علی بن محمد سلطان القاری الہروی ثم المکی المتوفی ۱۰۱۴ھ	

[1] اتحاف ۲۶۵ [2] یہ تینوں شروح معہ تراجم ابواب شاہ ولی اللہ مع رجال البخاری بحکم نواب ذیک لکھنو میں طبع ہو کر شائع ہے۔

شرح فارسی [۱۱۱]	شیخ الاسلام نبیرۂ مولانا عبدالحق محدث دہلوی المتوفی سنہ	یہ شرح فارسی تیسیر القاری سے مختصر ہے گویا ایک مطلب خیز ترجمہ ہے ترجمہ میں جا بجا ایضاحات اور ضروری باتیں بھی ہیں
منح الباری [۱۱۲]	ملا حسن صدیقی پنجابی معروف بہ علامہ دراز پشاوری المتوفی سنہ ۱۳۶۰	یہ شرح بھی فارسی میں بہت مفید ہے. لیکن کچھ ایسی ضخیم نہیں شیخ الاسلام کی شرح کے قریب قریب ہے۔
فضل الباری [۱۱۳]		ترجمہ اردو صحیح بخاری یہ ترجمہ صرف ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایک طویل شرح سمجھنی چاہیے لاہور سے طبع ہو کر شائع ہوا
صحیح بخاری مترجم [۱۱۴]	میرزا حیرت دہلوی	ترجمہ نہایت مطلب خیز ہے اور بریکٹ (قوس) میں جا بجا حل بھی کر دیا ہے اور زیادہ وضاحت کے لیے حاشیہ اور نوٹ بھی لکھے ہیں اس کی فہرست کلاں ص ۱۲۴ ترجمہ متن سے علیحدہ چھپی ہے۔
تیسیر الباری [۱۱۵]	مولانا وحید الزماں المخاطب بہ نواب وقار نواز جنگ بہادر	یہ ترجمہ مطلب خیز ہے اور صحیح بخاری کے ساتھ چھپا ہے۔ لائق مؤلف نے اس کے ابتدا میں ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں اپنا سلسلۂ سند امام بخاری تک دس طریقوں سے ملایا ہے

		جابجا حواشی اور حل بھی لکھے ہیں اور نہایت آب و تاب بڑی خوش اسلوبی سے چھپ کر شائع ہوا ہے
صحیح بخاری کا ترجمہ انگریزی زبان میں [1]	اس کا مترجم کریزن ایک یورپی ہے	سنہ ۱۲۹۶ ہجری میں یورپ کے شہر بلک میں طبع ہوئی ہے اور دس جلدوں میں ختم ہوئی [عہ]
معلم القاری شرح ثلاثیات البخاری	مولوی رضی الدین ابوالخیر عبدالمجید [عہ] خاں ٹونکی	مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۰۸ھ پر سنہ ۱۲۶۱ میں طبع ہو چکی ہے۔
الریاض المستطابہ فی جملۃ من روی فی الصحیحین من الصحابہ	الامام عماد الدین یحیی بن ابی بکر العامری الیمانی المتوفی سنہ	علامہ عماد الدین نے اس کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے۔ پہلے ان صحابیوں کے نام گنائے ہیں جو صحیحین میں مذکور ہیں اور راوی اُن کے لیے شرف روایت یا رویت ثابت ہے۔ پھر متفق علیہ کو ذکر کیا پھر افراد بخاری پھر افرادِ مسلم۔
الافہام بما وقع فی البخاری من الابہام	جلال الدین عبدالرحمن ابن عمر البلقینی [عہ] المتوفی سنہ ۸۲۴ھ	ماہ صفر سنہ ۸۲۲ھ میں فراغت پائی اس کا نسخہ کتب خانہ ولی الدین سلطان بایزید جامع شریفی واقع قسطنطنیہ میں موجود ہے

[1] صحیح بخاری کے دو پاروں کا انگریزی ترجمہ مع مختصر نوٹ و حواشی کے علامہ اسد جرمنی نو مسلم کے قلم سے شائع ہو چکا ہے۔ ملک کے مؤقر اسلامی جرائد و رسائل نے ترجمہ کے متعلق اچھی رائے ظاہر کی ہے اللہ تعالیٰ اس کو جلد پورا کرا دے ۱۲ عبید اللہ عہ دیکھو انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ۱۲ عہ داماد نواب زبدۃ الدولہ بہادر ۱۲ عہ نسبۃ الی بلقینۃ بالضم وکسر القاف یا ساکنۃ و فون قریۃ من نخوۃ مصر من کورۃ بنا لیقل لہا البوب ایضاً ۱۲ عبید اللہ الرحمانی

۱۲۰ اسماء رجال صحیح البخاری	الامام ابو نصر احمد بن محمد ابن الحسین الکلاباذی المتوفی سنہ ۳۱۸	ونیز کتب خانہ ایا صوفیہ واقع قسطنطنیہ میں. صاحب کشف الظنون نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن تفصیلی حالت کچھ نہیں لکھی
۱۲۱ کتاب التعدیل والتجریح لرجال البخاری	القاضی ابوالولید سلیمان ابن خلف الباجی المتوفی سنہ ۴۷۴	نام سے موضوع بحث ظاہر ہے. صاحب کشف الظنون نے کچھ مفصل حال نہیں لکھا.
۱۲۲ المنہل الجاری	الشیخ قطب الدین محمد بن محمد الخیضری الدمشقی الشافعی المتوفی سنہ ۸۹۴	کچھ سوال وجواب کے طور پر لکھا ہے. جو فتح الباری سے ماخوذ ہے.
رفع الالتباس	العلامۃ ابوالطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی مصنف غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد وغیرہ	ایک رسالہ کسی نے عربی زبان میں صحیح بخاری مطبوعہ مصطفائی کے ساتھ علامہ عینی کی ان تقریرات کو لے کر شائع کیا تھا جن میں امام بخاری کے ان اعتراضات کے جوابات ہیں جو امام بخاری صحیح بخاری میں قال بعض الناس لکھ کر کیا کرتے ہیں. اس رسالہ کا نام دفع الوسواس عن بعض الناس ہے. علامہ ابوالطیب نے اس رسالہ کا جواب بنام الالتباس

نام کتاب	مصنف	کیفیت
		شائع فرمایا اور اخلاص سے اپنا نام ظاہر نہ فرمایا اس رسالہ میں بعض تحقیقات قابل دید ہیں۔ علامہ عینی کی ان غلط فہمیوں کو نہایت تحقیق سے دکھایا ہے جن کی بناپر امام بخاری کے اعتراضات کو وہ غلط بتاتے ہیں[ع] ۱۳۰۰ سنہ ہجری میں دہلی میں طبع کرا کر شائع کیا گیا۔
۱۲۴ غایۃ المرام فی رجال البخاری	الشیخ محمد بن داؤد بن محمد البازلی الکردی الحموی الشافعی المتوفی سنہ ۹۲۵	ایک مجلد ضخیم کتاب ہے اس کا آغاز الحمد للہ الذی رفع منار الحق ہے، لائق مصنف نے لکھا ہے کہ میں علم حدیث کی تحصیل میں مشغول تھا اور اس کے لیے ملکوں ملکوں پھرا بعد تکمیل اس کتاب کو حروف تہجی کی ترتیب پر لکھا کتب خانہ نور عثمانیہ واقع قسطنطنیہ جامع شریفی میں اس کا نسخہ موجود ہے۔
۱۲۵ درر الدراری فی شرح رباعیات	العلامۃ احمد بن محمد الشاحی الشافعی المتوفی سنہ	صحیح بخاری سے ان حدیثوں کو چنا ہے جن کی سند چار واسطہ سے رسول اللہ

عـہ علامہ ابو الطیب کے علاوہ عینی کی تقریرات کے بہت لوگوں نے جواب لکھے ہیں اور امام بخاری کے اعتراضات صحیح دکھائے ہیں ۱۲ منہ

کتاب	مصنف	کیفیت
البخاری		صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اور اس کی شرح تنقیح زرکشی اور کرمانی سے منتخب کی ہے اور لفظ قلت لکھ کر اپنے فوائد بڑھائے ہیں۔
۱۲۶ المعلم فی ماروا‌ه البخاری علی شرط مسلم	ابو العباس بن الرومیہ احمد بن محمد الاشبیلی النباتی المتوفی ۶۳۷ھ	اس کتاب کا موضوع نام ہی سے ظاہر ہے صاحب کشف الظنون نے اس کی اور کوئی تفصیلی حالت نہیں بتائی
عہ شرح ثلاثیات البخاری	محمد شاہ ابن الحاج حسن المتوفی ۹۳۹ھ	صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جو تین واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں جن کی تعداد ۲۲ تک ہے اور اکثر مکی بن ابراہیم کے واسطہ سے مروی ہیں۔ مکی بن ابراہیم امام بخاری کے طبقہ اولی کے شیوخ سے ہیں۔ اور تابعیوں سے روایت کرتے ہیں جس طرح ابو نعیم خلاد بن یحیی علی بن عیاش وغیرہ محمد شاہ نے اس کی لطیف شرح لکھی ہے۔ اس کے علاوہ ثلاثیات کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں۔

عہ ثلاثیات صحیح بخاری علحدہ بھی مع ترجمہ وشرح عربی طبع ہو کر شائع ہے ۱۲

رجال الصحیحین ۱۲۸	ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن حسن الطبری المتوفی سنہ ۴۱۸	اس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کتابوں کے رجال کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔
۱۲۹ الفوائد المنتقیات المخرجۃ علی الصحیحین	تخریج ابی عبداللہ الحمیدی المتوفی سنہ	شیخ ابوبکر احمد بن بدران الحلوانی البغدادی المتوفی سنہ ۵۰۷ کے اصول سماعات سے ہے۔
کشف ۱۳۰ مشکل حدیث الصحیحین	ابوالفرج ابن الجوزی المتوفی سنہ ۵۹۷	سنہ ۵۷۶ میں اس کی تالیف سے فراغت پائی۔ بعض اہل علم نے اس کو مختصر بھی کیا ہے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ لائق مصنف نے احادیث مشکلہ اور غیر مشکلہ دونوں کو ذکر کیا تھا اور خوب شافی حل نہیں کیا تھا اس وجہ سے میں نے اس کا اختصار کیا۔ اس صورت سے کہ ایک صحابی کی حدیث کو ذکر کیا پھر اس صحابی سے جس قدر حدیثیں آئی ہیں ان کو ذکر کیا اور ترتیب یہ رکھی کہ پہلے متفق علیہ حدیث کو ذکر کیا پھر بخاری کی منفرد حدیث کو اس کے بعد مسلم کی منفرد حدیث کو سنہ ۱۲۶ میں

عہ بہت سے مؤلفین وشارحین ایسے ہیں جن کی توجہ صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں کی جانب ہوئی ۱۲

تقیید المہمل[۱۳۵] و تمییز المشکل	ابو علی حسین بن محمد الغسانی الجیانی الحافظ المتوفی سنہ ۴۹۸ھ	اس کے اختصار سے فراغت پائی۔ اس کتاب میں ان رواۃ کے نام ضبط کئے گئے ہیں جن سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے رجال میں لفظی اشتباہ ہوتا تھا دو جز میں ختم ہوئی۔
ترجمہ صحیح بخاری[۱۳۶] بزبان فرانسیسی	ادہوداس۔ وڈبلو مارکوئیس	مع حواشی و فہرست جملہ مضامین و الفاظ بہ ترتیب حروف تہجی پانچ جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ جلد اول جس میں ۶۸۲ صفحے ہیں کی قیمت ۱۸ شلنگ یعنی للعہ علاوہ خرچ ڈاک ہے۔
اطراف الصحیحین[۱۳۷] ؎	متعدد مؤلفین نے لکھی ہے۔	صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے اطراف علاوہ اُن کے جو صحاح ستہ کے ہمراہ لکھے گئے ہیں مستقل طور پر متعدد لوگوں نے لکھے ہیں۔

؎ اطراف لکھنے والوں کا اصلی مقصد ہوتا ہے حدیثوں کی سندوں کا ضبط کر لینا جن کتابوں کی حدیثوں کے اطراف انہوں نے لکھے اُن کی تمام سندوں اور راویوں کو ضبط کر لیا اور بتا دیا کہ یہ متن فلاں کتاب میں فلاں سند سے مروی ہے اور فلاں کتاب میں فلاں سند سے اب اگر غلطی سے کوئی راوی رہ جائے یا بڑھ جائے تو اطراف سے فی الفور پتہ لگ جاتا ہے۔ اس لیے مؤلفین اطراف متن کو بالتبع لکھتے ہیں کیونکہ بغیر اس کے سندوں کا انضباط نہیں ہو سکتا ۱۲

مصابیح الاسلام من حدیث خیر الانام	العلامۃ نقیر اللہ المتوفی ۔۔۔	(اول) شیخ حافظ امام ابومسعود ابراہیم بن محمد ابن عبید الدمشقی المتوفی سنہ ۔۔۔ (۲) ابو محمد خلف بن محمد بن علی بن حمدون الواسطی المتوفی سنہ ۔۔۔ ان دونوں کا ذکر حافظ ابو القاسم بن عساکر نے اپنی کتاب الاشراف کے شروع میں کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ خلف کی کتاب باعتبار ترتیب و رسم کے عمدہ ہے اور خبط اور وہم اس میں بہت کم ہے۔ اسی وجہ سے الاشراف میں ہم نے اسی پر اکتفا کی (۳) ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی المتوفی سنہ ۔۔۔ (۴) حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ یہ ایک عمدہ انتخاب صحیح بخاری کا ہے بترتیب ابواب فقہیہ صحیح حدیثوں پر عمل کرنے والوں کے لیے ایک بے نظیر چیز ہے مؤلف صدر المہام محمد امین خاں کے حکم سے اس کو مشکوٰۃ کے ابواب پر ترتیب دیا ہے۔ مؤلف

		نحو وکہتا ہے سا تخبتہ انتخابا جامعا للاحادیث المسندۃ مع بعض التعلیقات حاذقا للاسانید والمکررات مرتبا علی ترتیب المشکوۃ کتبا وابوابا مع زیادۃ نفضا یسیر اور نیشنل پبلک لائبریری پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے
۱۳۵ غنیۃ القاری	العلامۃ نواب صدیق حسن خاں المتوفی ۱۳۰۷ھ	یہ ترجمہ ثلاثیات صحیح بخاری اردو میں نہایت دلچسپ ہے۔
۱۳۶ فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری	العلامۃ ابو الطیب شمس الحق العظیم آبادی	یہ شرح ابھی غیر مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد اختتام کو پہنچائے۔[۱]
۱۳۷ شرح ثلاثیات البخاری	العلامۃ احمد بن عجمی المتوفی سنہ	اس کا نسخہ کتب خانہ علی پاشا غازی سلطان محمود خاں ثانی واقع قسطنطنیہ میں موجود ہے۔
۱۳۸ غریب حدیث البخاری	ابو عبید قاسم بن سلام الجمحی المتوفی ۲۲۲ھ	ایضاً مذکورۃ بالا کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے
۱۴۰ الجمع بین الصحیحین[۲]	ابو محمد عبد الحق بن عبد الرحمن الازدی الاشبیلی المتوفی ۵۸۲ھ	اس کا نسخہ کتب خانہ نور عثمانیہ جامع شریف قسطنطنیہ میں موجود ہے۔

[۱] افسوس ہے کہ علامہ اس شرح کو اپنی زندگی میں مکمل نہ کر سکے ۱۲ عبید اللہ [۲] اس کے علاوہ حسینؒ بغوی۔ ابو بکر جوزقی۔ ابن فرات سرخسی۔ ابو جعفر وحلبی۔ ابو بکر برقانی۔ ابن عبید دمشقی نے الجمع بین الصحیحین کی ترتیب پہ لکھی ۱۲

كتاب الجمع بين رجال الصحيحين	العلامة المقدسي المتوفى سنہ ۵۰۷	حیدرآباد کے مطبع دائرۃ المعارف میں ہو چکی ہے اس کا مقصود نام سے واضح ہے
قرة العين في ضبط اسماء رجال الصحيحين	العلامة بحراني المتوفى سنہ	حیدرآباد سے طبع ہے۔ اور نام سے موضوع بحث ظاہر ہے
الجمع بين الصحيحين	العلامة الحميدي محمد بن ابي نصر الاندلسي القرطبي المتوفى سنہ ۴۸۸	اس کا ذکر صاحب مشکوۃ نے مشکوۃ کے مقدمہ میں کیا ہے۔ یہ کتاب مشہور ہے نشہ

مفتاح صحيح البخاري۔ علامہ احمد محمد شاکر شرح جامع ترمذی مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں ومنذ بضع عشرات من السنين صنع محمد الشريف بن مصطفى التوقادي من علماء الاستانة كتابين هما مفتاح صحيح البخاري ومفتاح صحيح مسلم فرغ من تاليفهما سنہ ۱۳۱۲ھ وطبعا في الاستانة سنہ ۱۳۱۳ھ رتب احاديث

سلہ ۱۳۵۷ھ میں مولوی انور شاہ صاحب مرحوم کشمیری دیوبندی کی تقریر بخاری مع حاشیہ چار جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اصل تقریر کا نام فیض الباری اور حاشیہ کا نام البدر الساری ہے شروع میں ایک مختصر مقدمہ ملحق ہے عبادات اور معاملات تک قدرے تفصیل اور تطویل لاطائل سے کام لیا ہے اس کے بعد آخر تک بالکل مختصر بلکہ صفر ہے۔ صاحب تقریر نے جوش میں آکر علماء اہلحدیث کو بعض السفہاء اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی کو بلید قلیل العلم کے ساتھ یاد فرمایا ہے فالی اللہ المشتکی ۱۲

کل واحد منها علی الحروف باعتبار اوائل اللفظ النبوی الکریم واشار الی موضع کل حدیث فی مفتاح البخاری بالابواب والکتب وبارقام الاجزاء والصفحات لمتن البخاری وشروحہ لابن حجر والعینی والقسطلانی وفی مفتاح مسلم کذلک لمتن مسلم وشرحہ للنووی انتہی۔

نبراس الساری فی اطراف البخاری۔ اس کا موضوع بھی وہی ہے جو مفتاح صحیح البخاری کا ہے۔ مصنف مولوی عبد العزیز صاحب مرحوم خطیب گوجرانوالہ نے صحیح بخاری کی احادیث کے اطراف جمع کئے ہیں اور ایک ایک حدیث کے متعلق بتایا ہے کہ وہ کس کس باب میں مختصر یا مطول آئی ہے اور فتح الباری اور عمدۃ القاری کے صفحات بھی ذکر کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب اول الذکر سے زیادہ مفید ہے مصنف نے میتھو کی طباعت کے لیے اس کی کاپی خود لکھی ہے

انعام المنعم الباری بشرح ثلاثیات البخاری مصنف مرحوم مولوی عبد الصبور بن مولانا عبد التواب ملتانی نے بزمانہ طالب علمی فتح الباری قسطلانی۔ داودی سندھی وغیرہ سے اخذ کر کے ثلاثیات بخاری کی یہ شرح مرتب کی تھی ۱۳۵۰ھ میں مصر سے طبع ہو کر شائع ہوئی۔

وصنف احمد بن محمد بن منصور الاسکندری المالکی ناصر الدین ابو العباس بن المنیر المتوفی ۶۸۳ھ مناسبات علی البخاری وعمل محمد بن ابی بکر بن ابراہیم البہاء المشہدی المتوفی ۸۸۶ھ شرحا علی البخاری ملتقطا من شروح فی مجلدین الف ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحموی المتوفی ۸۲۲ھ افتتاح القاری لصحیح البخاری وصنف صالح بن عمر بن رسلان البلقینی المتوفی ۸۶۸ھ تفسیرا وشرحا علی البخاری کما فی البدر الطالع وللامام الشاطبی صاحب الاعتصام والموافقات تالیف شرح فیہ کتاب البیوع من صحیح البخاری اسمہ کتاب المجالس فیہ من الفوائد والتحقیقات بالا یعلم الا اللہ کذا فی المکتب بابا التکرور فی ثم التبکی ولصحیح البخاری شروح اخری لم نتعرض لها روما للاختصار

۱۲ عبید اللہ

المستدرک علی الصحیحین [۱۴۴]

حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المتوفی ۴۰۵ھ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر مستدرک لکھا جس کا منشا ہے شیخین کی متروک حدیثوں کو (جو ان کی شرط پر ہیں) جمع کرنا چنانچہ حاکم بعد اخراج حدیث فرمایا کرتے ہیں۔ یہ حدیث شیخین کی شرط پر یا امام بخاری کی شرط پر یا امام مسلم کی شرط پر تھی اور باوجود اس کے ان لوگوں نے صحیحین میں اس کو نہیں ذکر کیا۔ قطع نظر اس کے کہ حاکم کا تساہل مشہور ہے اور ان کے حق میں واسع الخطوفی شرط الصحیح متساہل فی القضاء بہ (ابن الصلاح) کہا گیا ہے [۱] اس بارے میں مستند فیصلہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کا کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ حاکم نے صحیحین پر مستدرک لکھی اور دعویٰ یہ کیا کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر تھی اور ان دونوں نے صحیحین میں اس کو ذکر نہیں کیا۔ میں نے حاکم کی مستدرک کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کی تو مجھے معلوم ہوا کہ بات ایک پہلو سے صحیح ہے۔ اور دوسرے پہلو سے غیر صحیح۔ اس لیے کہ مستدرک میں ایسی حدیثیں ہیں جو شیخین کے رجال سے اور انہیں کی شرط پر مروی ہیں پس اس پہلو سے حاکم کا استدراک اور قول صحیح ہے لیکن ایک دوسرے پہلو سے دیکھو تو غیر صحیح۔ وہ یہ ہے کہ شیخین اسی حدیث کو ذکر کرتے ہیں جس پر ان کے شیوخ کے بحث مباحثے ہو کر صحت پر اجماع ہو گیا ہو اور اس حدیث کی صحت مشائخ نے

---

[۱] حاکم کی مستدرک پر علامہ ذہبی نے تنقید لکھی ہے اور اختصار بھی کیا ہے اور علامہ ابن الملقن نے بھی تنقید لکھی ہے اور حافظ سیوطی نے ایک حاشیہ لکھا ہے جس کا نام توضیح المدرک فی تصحیح المستدرک ہے۔ کشف الظنون

قبول کرلی ہو۔ چنانچہ امام مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے یہاں (صحیح مسلم میں) انہیں حدیثوں کو ذکر کیا ہے جن کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ اور مستدرک کی متفرد حدیثیں وہ ہیں جو محدثین اور شیخین کے شیوخ پر مخفی اور مستور رہیں۔ گو آگے چل کر پھیل گئیں یا وہ حدیثیں ہیں جن کے رجال میں محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ پس صحیحین کو خصوصیت یہ ہوئی کہ وہ صرف قاعدہ اور اصول سے حدیث کی صحت تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہر ہر حدیث کے وصل و انقطاع رفع و ارسال شذوذ و نکارت سے مستقل طور پر بحث کر کے اور اپنے اساتذہ کی طرح علیحدہ علیحدہ جانچ پڑتال کر کے صحت کا فتویٰ دیتے اور انہیں حدیثوں کو صحیحین میں لیتے جن کی صحت پر اُن سے پہلے کے محدثین کا یا اُن کے زمانہ کے محدثین کا بعد تحقیقات اتفاق ہوگیا ہو۔ بخلاف حاکم کے کہ وہ صرف قواعد و اصول کی بنا پر حدیث کو صحیح کہہ دیتے ہیں۔ مثلاً قاعدہ (زیادتی ثقہ کی مقبول ہوا کرتی ہے) یا دوسرا قاعدہ (جب محدثین وقف و ارسال رفع و اتصال میں کلام کریں تو بات اُس راوی کی لی جائے گی جس نے زائد بات یاد رکھی) اور حق یہ ہے کہ اکثر حفاظ کو قواعد و اصول کی بنا پر تصحیح کرنے میں بہت خلل پڑ جاتا ہے۔ پس شیخین کی مزیت اور فوقیت اس میں ہے کہ انہوں نے علاوہ اصول و قواعد کے ہر حدیث کو (جس کی صحت اُن کو مسلم ہے) علیحدہ علیحدہ طور پر جانچ لیا ہے (حجۃ اللہ البالغہ)

یہ وہ فیصلہ ہے جس کو شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ ان کے علاوہ شروح الفیہ و دیگر کتب اصول حدیث میں حاکم کی مستدرک کی نسبت جو لکھا ہے اس کو ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے علامہ بلقینی و دیگر محدثین کا

فیصلہ بھی نقل کیا ہے جس سے اور بھی مستدرک حاکم کی حالت اُوڈَن معلوم ہوتی ہے اور صحیحین سے کوئی نسبت اس کتاب کو نہیں معلوم ہوتی۔ حاکم کے بعد ابو ذر ہروی مالکی المتوفی ۴۳۴ھ نے بھی مستدرک علی الصحیحین لکھی۔ غالباً اس کی بھی حالت اُسی مستدرک حاکم جیسی ہو گی۔ لیکن اس کی نسبت کوئی صریح فیصلہ نہ ملا۔

امام بخاری و مسلم کے بعد اور لوگوں نے صحیح حدیثوں کے جمع کرنے کا التزام کیا منجملہ اُن کے صحیح ابن خزیمہ[۱]۔ صحیح ابن حبان[۲]۔ صحیح ابی عوانہ[۳] مشہور کتابیں ہیں۔ لیکن ان کی متفرد حدیثیں (جو صحیحین میں نہیں ہیں) گو مستدرک حاکم سے اعلیٰ درجہ کی ہیں لیکن پھر بھی صحیحین کی حدیثوں کے برابر اُن کا درجہ نہیں تسلیم کیا گیا ہے۔

---

[۱] ابن خزیمہ کا نسخہ جرمن کے کتب خانہ میں موجود ہے اور یہ وہ نسخہ ہے جو حافظ ابن حجر کے کتب خانہ میں تھا کے کتب خانہ کی فہرست عرب کے ایک ملک التجار کے ذریعہ سے پہنچی اس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جرمن کے کتب خانہ میں فن حدیث اور تفسیر کی بڑی بڑی نایاب کتابیں ہیں اکثر مؤلفین یا اُن کے شاگردوں کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ خدا کی شان مسلمانوں کا علمی خزانہ نصرانیوں کے قبضہ میں ہے اور وہ اس کے قدرشناس ہیں واللہ یؤید الدین بالرجل الکافر ۱۲ منہ [۲] صحیح ابن حبان کا ٹکڑا ہندوستان میں بھی موجود ہے۔ علامہ حمید مفتی عنایہ کا نسخہ علامہ عبدالحی لکھنوی کے کتب خانہ میں ہے لیکن ناتمام ہے اور اس کی ایک نقل علامہ ابو الطیب عظیم آبادی کے کتب خانہ میں بھی ہے ۱۲ منہ [۳] صحیح ابو عوانہ کا ایک عتیق نسخہ بخط عرب علامہ ابو الطیب محمد شمس الحق صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے جس پر بڑے بڑے حفاظ نے خاص اپنے ہاتھوں سے قراءت و سماع و بلاغ لکھا ہے جیسے حافظ ذہبی اور اُن کے معاصرین ۱۲ منہ ۲ الحمد للہ کہ یہ مبارک کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد سے طبع ہو کر شائع ہو گئی ہے ۱۲ عبید اللہ رحمانی

صحیح بخاری پر عامیانہ اعتراضات

امام المحدثین بخاری پر قلت تدبر اور کوتاہ نظری و عدم تحقیق کی وجہ سے جہاں اور بہت سے عامیانہ اعتراضات کئے گئے ہیں ایک اعتراض یہ ہے کہ بعض صرفی غلطی نکالی اور کہا کہ علم صرف کے ساتھ اُن کو چنداں مزاولت نہ تھی۔ اس کی شہادت میں صحیح بخاری کا وہ مقام پیش کرتے ہیں جس کی تردید آتی ہے اگرچہ ایسے ہی اعتراضات اس سے پہلے خود امام ابو حنیفہ پر مسلمات سے شمار کئے گئے، چنانچہ مورخ ابن خلکان امام ابوحنیفہ پر جو اعتراضات کئے گئے تھے ان کی حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ولم یکن یعاب بشئی سوی قلۃ العربیۃ یعنی امام ابو حنیفہ میں بجز قلت عربیت اور کوئی عیب نہ تھا، اس کے بعد منجملہ اور شہادتوں کے قلت عربیت (فن صرف و نحو و ادب سے کم واقفیت) کی شہادت میں ایک ذیل کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ خاص ان کی عبارت یہ ہے۔

فمن ذلک ان اباعمرو بن العلاء المقری النحوی سألہ عن القتل بالمثقل ھل یوجب القود ام لا فقال لا فقال ابوعمرو ولو قتلہ بحجر المنجنیق فقال ولو قتلہ بابا قبیس یعنی الجبل المطل علی مکۃ

یعنی منجملہ اور شہادتوں کے امام ابوحنیفہ کی قلت عربیت کی ایک شہادت یہ ہے کہ ابو عمرو بن علاء نحوی نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا کہ آیا قتل بالمثقل میں قصاص ہے یا نہیں امام صاحب نے فرمایا نہیں۔ ابو عمرو نے کہا اگرچہ منجنیق کے پتھر سے مار ڈالے جب بھی قصاص نہیں۔ آپ نے فرمایا با قبیس

جو کہ مکہ کا پہاڑ ہے اس سے قتل کرے جب بھی قصاص نہیں۔

یہاں امام صاحب نے بجائے بابی قبیس کے جو مجرور واقع ہے ابا قبیس فرمایا جو قاعدہ نحو کے خلاف ہے لیکن جامع صحیح میں جو کچھ ہے اس کی حقیقت سنو جس سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ جس کو قصور یدیا لغزش قلم کی دلیل میں پیش کیا گیا ہے اُس سے اور امام المحدثین کا علم اللغۃ میں باریک بین ہونا ثابت ہوتا ہے۔

قال ابو عبداللہ استیأسوا افتعلوا من یئست (عینی علی البخاری جلد ہفتم ص۳۸۶) علامہ بدرالدین عینی حنفی نے اس عبارت کی نسبت یہ لکھا ہے "والظاہر ان مثل ہذا من قصور الید فی علم التصریف" (عینی البخاری جلد ہفتم ص۳۸۶) عینی کا یہ لکھنا کوتاہ بینو کے لیے دیوانہ را ہوے بس است کا کام دے گیا۔ جامع صحیح میں استیأسوا کے بعد افتعلوا لکھا ہونے کے جواب میں دو طریق اختیار کئے گئے ہیں

اول یہ کہ صحیح بخاری کے کئی نسخوں میں استیأسوا استفعلوا لکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام المحدثین نے اس کا وزن استفعال سے ظاہر کیا ہے جو واقعی درست ہے چنانچہ صحیح بخاری محشی مولوی احمد علی صاحب مرحوم حنفی سہارنپوری میں لکھا ہے۔

استیأسوا استفعلوا من یئست جلد اول ص۴۸۵؟

اسی طرح فتح الباری حامل المتن بخاری مطبوعہ مطبع انصاری دہلی میں بھی استیأسوا استفعلوا لکھا ہے۔ اور شرح میں حافظ ابن حجر استفعلوا ہی کو اختیار کر کے

عہ فاضل لکھنوی نے التعلیق الممجد کے مقدمہ میں امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے اس اعتراض کا ایک جواب لکھا ہے۔۱۲

فرماتے ہیں وقع فی کثیر من الروایات افتعلوا والصواب الاول فتح الباری مطبوعہ دہلی پارہ سیزدہم ص ۲۶۶

اسی طرح شارح قسطلانی نے بھی بروایت اصیلی جو صحیح بخاری کے راویوں میں سے ایک ہے استفعلوا نقل کر کے کہا ہے۔ وھو الصواب۔

اسی طرح علامہ عینی حنفی نے خود بھی اپنی شرح عمدۃ القاری میں شارح کرمانی سے استفعلو نقل کیا ہے رہا یہ تعجب ہے کہ استفعلوا نقل کرنے کے بعد یہ عامیانہ اعتراض بھی کر دیا، اسی طرح صحیح بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی میں بھی استفعلو لکھا ہے۔"

پس بموجب ان تصریحات کے معلوم ہوا کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے استیأسوا کا وزن استفعلوا بتایا ہے جو واقعی درست ہے"

اب اگر کہا جائے کہ کئی روایات ونسخہ جات میں افتعلوا بھی لکھا ہے، جیسا کہ بخاری مطبوعہ مصر تقطیع خورد میں، اور نیز متن قسطلانی میں ہے، تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ حسب تصریحات بالا امام المحدثین سے افتعلوا کی روایت درست نہیں، جیسا کہ فتح الباری اور ارشاد الساری میں استفعلوا کی نسبت وھو الصواب لکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، پس امام المحدثین پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔

دوسرا طریق جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ استیأسوا کے بعد افتعلوا کی روایت درست ہے تو اس سے امام المحدثین کی مراد وزن ظاہر کرنے کی نہیں ہے بلکہ اظہار معنی کے لیے باب افتعال کا ذکر کیا ہے چنانچہ علامہ عینی نے اس امر کو خود شارح کرمانی سے نقل کیا ہے وقال الکرمانی استیأسوا استفعلوا وفی بعض

الثانی افتعلوا وغرضہ بیان المعنی وان الطلب لیس مقصودا فیہ ولا بیان الوزن ولا الاشتقاق (عینی جلد ہشتم صفحہ ۳۸)

اور یہی عبارت بعینہ حاشیہ مولوی احمد علی صاحب حنفی سہارنپوری میں منقول ہے۔ اور اس توجیہ پر نہ کوئی جرح ہے نہ اعتراض لیکن علامہ عینی بلا کسی معقول نقض اور بلا کسی دلیل کے اس توجیہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ واہی ہے، اور جو اس توجیہ کے واہی ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں، اس سے اور بھی علامہ کرمانی کی توجیہ مذکور کی تائید اور امام المحدثین کے مطلب کی تقویت ہو جاتی ہے۔ شارح عینی فرماتے ہیں وقولہ ان الطلب لیس مقصودا منہ "کلام واہ لان من قال ان السین فیہ للطلب قال لیس الا للمبالغۃ حالانکہ امام المحدثین اور شارح کرمانی کا یہی مطلب ہے کہ استیأسوا اپنے باب پر نہیں ہے اور اس کی سین کی طلب کے لیے نہیں ہے، ایک اور امر ہے کہ جب استفعلوا اپنے باب پر سوال کے لیے نہیں ہے۔ تو اس کی سین مبالغہ کے لیے ہے یا یہ افتعال کے معنی میں ہے اور اس میں موافقت افتعال کی ہے لیکن شارح کرمانی کی طرح علامہ عینی نے بھی تسلیم کر لیا کہ سین سوال کے لیے نہیں ہے، پس علامہ عینی کا نقض شارح کرمانی کی توجیہ کو توڑ نہیں سکا۔ بلکہ الٹی تائید ہو گئی، وافسوس یہ کہ اس تائید کے بعد بھی ان کے خیال میں اب تک امام المحدثین پر اعتراض باقی ہے، آخر مذہبی مخالفت کا اثر بھی ضرور ہوتا ہے۔

شارح کرمانی کی اس توجیہ (کہ یہاں استیأسوا کے بعد افتعلوا کا ذکر وزن کے اظہار کے لیے نہیں بلکہ معنی اور مطلب بیان کرنے کے لیے ہے) کی طرف امام المحدثین کا کلام خود اشارہ کر رہا ہے۔ اس لیے کہ امام صاحب اس کے بعد استیأسوا کا

اشتقاق بیان فرماتے ہیں۔ من نیست یعنی اس کا اشتقاق نیس سے ہے، جو اس کا مجرد ہے پس یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ ایک متبحر کسی لفظ کے مادہ اور اصل کو معلوم کرے اور اس کے مزید فیہ کے وزن میں اس سے صریح غلطی ہو جائے، کیونکہ وزن میں غلطی ہونی متفرع ہے اس کے مادہ میں غلط فہمی ہونے پر، جب مادہ ہو گیا تو وزن کس طرح غلط بنایا جا سکتا ہے، اس سے یقیناً یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ امام المحدثین نے استیأسوا کے بعد افتعلوا محض اظہار معنی کے لیے ذکر کیا ہے نہ اظہار وزن کے لیے۔

باب استفعال افتعال کے معنی میں آتا ہے ارباب فن تصریف اور علمائے لغت نے اس کی تصریح کی ہے۔ صراح، استیأس ائتأس۔ ناامید شدن۔ قاموس، کاستیأس۔ ائتأس۔ لسان العرب وآیسہ فلان من کذا استیأس منہ بمعنی ایسی وائتأس ایضا وہو افتعل فاء غیر مثل اتعد کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صراح میں استیأس کے بعد ائتأس اس واسطے ہے کہ استیأس اور ائتأس کا وزن ایک ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر استفعلوا ہے تو وزن کرنے کے لیے ہے اور اگر افتعلوا ہے تو معنی بیان کرنے کے لیے ہے نہ اظہار وزن کے لیے جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام المحدثین کے قصور ید کی بجائے ان کا علم التصریف وعلم اللغۃ میں باریک بین ہونا ثابت ہوتا ہے ع

جہاں اور سفیہانہ اعتراضات کج فہمی یا کوتہ اندیشی سے جامع صحیح پر کئے گئے ہیں۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ صحیح بخاری کے شروع میں عام تصنیفات کی طرح

ع وکم من عائب قولا صحیحا وآفتہ من الفہم السقیم

رواجی خطبہ نہیں ہے۔ مناسب تو یہی تھا کہ ایسے ایسے عامیانہ اعتراضات سے سکوت کیا جاتا، لیکن علامہ عینی شارح بخاری جیسے شخص نے اس عامیانہ اعتراض کو نقل کر کے بہت سے جوابات لکھے اور پھر ہر ایک جواب پہ کچھ نہ کچھ جرح کر کے ساکت ہو گئے۔ گویا اس مہمل اعتراض کو تسلیم کر لیا۔ بعض کوتہ اندیش شیعی نے اپنی فطرت کے اقتضا سے اس اعتراض کو مایۂ ناز سمجھ کر اس کو نمک مرچ لگا کر شائع کیا۔

اولاً ہم متقدمین کی ایک نہیں بیسیوں کتابیں ایسی پیش کرتے ہیں جس میں خطبہ (یا بمعنی دیگر حمد و نعت) رواجی نہیں ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ متقدمین کا دستور ہی نہ تھا۔ کہ خطبہ کو جزو کتاب بناتے، اگر تھا تو شاذ و نادر۔ مناسب تو یہ تھا کہ ہم اس کی شہادت میں دو چار سو متقدمین کی تالیفات سے گنا دیتے لیکن اس کو ایک فضول کام سمجھ کر نظر انداز کرتے ہیں اور چند تالیفات مختلف فنون کی پیش کرتے ہیں جو ہر شخص کو میسر ہیں۔ حسب ذیل تصانیف میں سے کسی ایک میں بھی خطبہ نہیں ہے، موطا امام محمد۔ موطا امام مالک۔ سنن ابی داؤد۔ سنن نسائی۔ سنن ترمذی۔ مسند احمد بن حنبل۔ رسالہ امام شافعی۔ سنن دارقطنی۔ سنن دارمی۔ وقایہ۔ تنویر الابصار۔ کافیہ۔

ثانیاً علامہ ابو الہیثم الکشمیہنی، علامہ فربری سے روایت کرتے ہیں، اور فربری امام المحدثین سے روایت کرتے ہیں، کہ امام صاحب فرماتے ہیں "کوئی حدیث صحیح بخاری میں میں نے اس وقت تک نہیں داخل کی جب تک غسل اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر استخارہ نہ کر لیا اور دربار الٰہی سے دعا نہ مانگ لی، اور کبھی تو اس کا مبیضہ درمیان حجرۂ نبوی منبر کے کیا اور

کبھی حرم محترم میں۔

ہم سخت حیرت میں ہیں کہ اس سے بڑھ کر حمد و نعت کا کونسا طریقہ اکمل ہو سکتا ہے دوسرے مؤلفین کتاب کے ابتدا میں کچھ حمد و نعت رسمی طور پر لیتے ہیں، یہاں تو ہر ہر حدیث لکھنے کے قبل حمد و نعت ہے، اس سے زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ بعض لوگوں نے اس بے معنی سوال کا جواب محض احتمال پر دیا تھا کہ ممکن ہے کہ زبان سے کہہ لیا ہو، افسوس جب خود مؤلف بیان کرتا ہے کہ میں نے ہر حدیث داخل کرنے کے وقت سب سے اعلیٰ عنوان حمد و نعت کا اختیار کیا، اور سب سے اکمل اور افضل طریقہ پر حمد و نعت ادا کی تو ایسی قطعی اور یقینی بات کو محض احتمال کہنا کیسی کج فہمی اور عصبیت ہے اور یہ کون نہیں جانتا کہ حمد کے لیے کتابت شرط نہیں۔ حمد کی تعریف بایں طرح کی گئی ہے الحمد ہو الثناء باللسان علی الجمیل الاختیاری نعمۃ کان او غیرہا اور نماز کے جلسہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور عباد صالحین پر دعا و سلام کا بھیجنا بھی ضرور ہے۔

امام بخاریؒ اور جامع صحیح کے استدلالات پر چند عامیانہ اعتراض،

نعمانی صاحب نے بھی سیرۃ النعمان میں کئے ہیں، جو محض قلت تدبر اور عدم تحقیق کی وجہ سے ہیں۔

ہم ان اعتراضات کو ان کے جواب کے ساتھ حسن البیان سے نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں،

پہلا اعتراض: امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ امام اور مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہیے۔ امام بخاریؒ برخلاف اس کے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے

ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، لیکن اس حدیث میں جہر کا کہاں ذکر ہے (سیرۃ النعمان) یہ زلیق کا پہلا نا اعتراض ہے جس کے بہت ہی اعلیٰ اور تسکین بخش جواب ہو چکے ہیں، ارباب دیانت صاحب سیرۃ النعمان کے اعتراضات کی حقیقت سنیں اور جواب ملاحظہ فرمائیں۔

امام المحدثین نے جامع صحیح میں آمین کے متعلق تین باب آگے پیچھے منعقد کئے، (۱) امام کے آمین بجہر کہنے کا باب (۲) امین کی فضیلت کا باب (۳) مقتدی کے بجہر آمین کہنے کا باب، اور تینوں باب میں امام المحدثین حدیثیں لائے، پہلے باب میں یہ حدیث ہے، کہ جب امام آمین کہے تو تم لوگ آمین کہو، اور دوسرے باب میں یہ حدیث ہے، کہ جب کوئی آمین کہتا ہے، تو ملائکہ آسمان میں آمین کہتے ہیں دونوں آمینیں ساتھ ہوتی ہیں تو اس شخص کے اگلے گناہ بخشے جاتے ہیں اور تیسرے باب میں یہ حدیث ہے، کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، پہلی حدیث سے امام کا بجہر آمین کہنا اس طرح ثابت ہے کہ مقتدی کا آمین کہنا اسی پر معلق ہے، اگر امام زور سے آمین نہ کہے گا تو مقتدی کو کیونکر معلوم ہوگا کہ آمین کہی یا نہیں اور مقتدی کا آمین بالجہر کہنا اس سے اس طرح ثابت ہے کہ مقتدی اور امام کی تامین دونوں متقابل واقع ہوئیں، پھر بغیر کسی قرینہ کے ایک سے مراد جہر اور ایک سے آہستہ مراد ہونی خلاف سیاق ہے، جس کو عربیت کا مذاق ہے وہ اس کو خوب سمجھ سکتا ہے، اسی طرح پچھلے باب (مقتدی کا آمین بجہر کہنا) کی حدیث (جب امام ولا الضالین کہے تو تم

آمین کہو سے جہر اس طرح ثابت ہے کہ دو قول (۱) اذ قال الامام ولا الضالین اور فقولوا آمین، متقابل واقع ہیں، اور ایک سے مراد جہر ہونے میں اتفاق ہے پھر دوسرے قول (جو قول اول کا مقابل واقع ہے) سے آہستہ مراد ہونا خلاف سیاق ہے۔ دیکھو حنفیہ تیمم میں دونوں ہاتھ کہنیوں تک مسح کرنے کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگرچہ تیمم میں ید مطلق واقع ہے مگر چونکہ وضو کی آیت میں ید مقید واقع ہے اور آیت تیمم کے تقابل میں ہے اس تقابل کی وجہ سے تیمم میں بھی ید مقید ہی مراد ہوگا، اسی طرح فریق کو یہاں بھی سمجھنا چاہیے کہ اگرچہ یہاں قول مطلق واقع ہے۔ لیکن چونکہ اس کا مقابل واقع ہے جس میں باتفاق جہر مراد ہے تو اس سے بھی یہی بجہر مراد ہونا چاہیے حالانکہ تیمم اور وضو کی آیتیں الگ الگ ہیں، اور یہاں آمین کی حدیث میں دو قول ایک جملہ میں متقابل واقع ہیں، علاوہ بریں یہ کون نہیں جانتا کہ مطلق منصرف لفرد کامل ہوتا ہے اور قول بالجہر، کا فرد کامل ہونا بھی کون نہیں جانتا، (حسن البیان)

دوسرا اعتراض صاحب سیرۃ النعمان کا یہ ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہ ہو وضو جائز ہے۔ امام بخاری اس کے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہیں اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ کل مسکر حرام، سیرۃ النعمان،

یہ صاحب سیرۃ النعمان کی خوش فہمی یا نیک دیانتی ہے، امام المحدثین نے اس مقام میں ترجمۃ الباب میں دو مسئلے ذکر کئے ہیں (۱) نبیذ سے وضو جائز نہیں (۲) مسکر سے وضو جائز نہیں۔ پہلے مسئلہ کی دلیل میں امام صاحب نے چند ائمہ تابعین کے اقوال نقل کئے ہیں۔

اور دوسرے مسئلے کی دلیل[1] میں یہ حدیث لاتے ہیں، صاحب سیرۃ النعمان کو موقع اعتراض عجب تھا کہ دوسرا مضمون جس پر حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے ترجمۃ الباب میں نہ ہوتا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ نبیذ تمر سے وضو جائز ہے یا نہیں، اس مسئلہ کے بیان میں، پہلی غلطی صاحب سیرۃ النعمان نے یہ کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کی طرف قول بالجواز کی مطلقاً نسبت کر دی، حالانکہ نبیذ سے وضو جائز ہونے کے لیے امام ابوحنیفہؒ یہ شرط لگاتے ہیں کہ جب پانی نہ ملے تب نبیذ سے وضو جائز ہے۔ چنانچہ طحاوی نے شرح معانی الآثار میں امام ابوحنیفہ کا قول بھی نقل کیا ہے، قاضی ابویوسف صاحب جو امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سب سے معزز ہیں، بھی اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مخالف ہیں۔ طحاوی نے بھی اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت کی ہے، اور ان پر دو اعتراض بھی کر دیئے ہیں، پہلا اعتراض یہ ہے، کہ نبیذ مثل پانی کے ہے یا نہیں . . . . اگر مثل پانی کے ہے تو اس سے وضو جائز ہونے کے لیے پانی نہ ملنے کی قید لگانے کی کیا ضرورت ہے اور اگر مثل پانی کے نہیں ہے

---

[1] وقال بعضهم حديث الباب كل شراب اسكر فهو حرام يدل على كلا الجزئين من الترجمة بان يقال انه لا يجوز التوضئ بالمسكر الحرام اتفاقاً فهذا مخرج من اسم الماء في اللغة والشريعة وكذلك النبيذ الغير المسكر ايضاً هو في معنى المسكر من جهة انه لا يقع عليه اسم الماء يدل عليه حديث ابن مسعود رض عند احمد والدار قطني ان النبي صلى الله عليه وسلم قال له ليلة الجن امعك ماء قال لا الحديث ولو جاز ان يسمى النبيذ ماء لان فيه ماء لجاز ان يسمى الخل ايضا ماء لان فيه ماء ۱۲ عبيد الله الرحماني ۱۲

تو اس سے وضو جائز ہونے کے لیے دلیل درکار ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ صرف خرمہ کی نبیذ سے وضو جائز کہتے ہیں اور منقی وغیرہ کی نبیذ سے وضو خود نا جائز بتاتے ہیں۔ اور اس تفریق کے کوئی معنی نہیں، صاحب سیرۃ النعمان پہلے طحاوی کے اعتراضوں کے جواب دیں، پھر محدثین کی طرف رُخ کریں" حسن البیان۔

تیسرا اعتراض نعمانی صاحب کا قلت تدبر سے یہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

(امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کے لیے قراءۃ فاتحہ ضروری نہیں، امام بخاری وجوب کے مدعی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندھا ہے کہ امام و مقتدی پر ہر نماز میں خواہ جہری ہو یا سری قراءۃ واجب ہے اس دعویٰ پر دو حدیثیں پیش کی ہیں، ایک یہ کہ کوفہ والوں نے حضرت عمرؓ کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے اُن کو معزول کر دیا، اور بجائے ان کے عمّارؓ کو مقرر کر دیا۔ کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے کہ اُن کو تو نماز بھی پڑھنی نہیں آتی حضرت عمرؓ نے عمار کو بُلا بھیجا اور ان سے کہا کہ ان لوگوں کا یہ گمان ہے، عمارؓ نے کہا۔ واللہ میں اُن کے ساتھ رسولؐ کی سی نماز پڑھتا تھا، اور اُس سے کچھ کم نہیں کرتا تھا میں عشا کی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا اور دو اخیر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا، اس حدیث سے قراءۃ فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا،

صاحب سیرۃ النعمان نے اس تیسرے اعتراض میں تو اپنی روش محدثانہ اور مجتہدانہ جس کا انہوں نے ابتداء کتاب میں دعویٰ کیا ہے سب کو کھو دیا اور ایسی باتیں لکھیں جو ان کی استعداد مطلب فہمی پر بھی دھبہ لگا دیتی ہیں۔ اس کو بہ تفصیل

سن لیجیے۔ آپ لکھتے ہیں ۔کوفہ والے عمارؓ کے بھی شاکی ہوئے ۔حضرت عمرؓ نے عمار کو بلا بھیجا اور اُن سے کہا؛

حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ اہل کوفہ نے عمار کی شکایت کی تھی اور نہ حضرت عمرؓ نے اُن کو بلا بھیجا تھا۔ یہ سعد بن ابی وقاص کا قصہ ہے۔ کوفہ والوں نے انکی شکایت کی تھی اور حضرت عمرؓ نے انہیں کو بلا کر کہا تھا۔ صحیح بخاری میں یہ روایت بایں عبارت مذکور ہے شکی اهل الکوفة سعدا الی عمر فعزله واستعمل علیهم عمارا فشکوا حتی ذکروا انه لا یحسن یصلی فارسل الیه فقال یا ابا اسحق ان هؤلاء یزعمون انك لا تحسن تصلی اس عبارت میں فشکوا شکی اہل الکوفہ کی تفسیر و بیان ہے۔ فا عاطفہ تفسیری ہے اور بیچ میں فعزلہ واستعمل علیہم عمارا جملہ معترضہ ہے۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ حضرت عمر نے جن کو بلا کر کہا ان کو ابو اسحاق کہہ کر خطاب کیا، اور ابو اسحاق کنیت سعد بن ابی وقاص کی ہے، حضرت عمار کی کنیت ابو الیقظان ہے، دیکھو اصابہ فی تمیز الصحابہ۔ دوسری دلیل اس پر یہ ہے کہ اس روایت کے اخیر میں دو جگہ حضرت سعد کا نام صراحۃً مذکور ہے۔ پورا قصہ یوں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے بلا کر پوچھا اور انہوں نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ کی سی نماز پڑھتا تھا تو حضرت عمر نے چند آدمی ساتھ کر کے ان کو کوفہ بھیجا کہ کوفہ کی ہر مسجد میں جا کر اس کی تحقیق کریں، وہاں جب لوگ پہنچے اور دریافت کیا تو ہر مسجد والوں نے تعریف کی مگر ایک مسجد میں ایک شخص نے شکایت کی اور سعد کا نام لے کر کہا فان سعد الا یسیر بالسریة الخ۔ اس پر سعد کا یہ مقولہ مذکور ہے۔ قال سعد۔ ایسی صورت میں کسی طرح یہ صحیح نہیں ہو سکتا کہ جن کو حضرت عمر نے بلا کر کہا تھا وہ عمار تھے۔

صاحب سیرۃ النعمان کی دوسری غلطی اس روایت کے بیان میں یہ ہے کہ ذاک الظن بک یا ابا اسحٰق جو حضرت عمر کا مقولہ ہے۔ اس کے معنی آپ لکھتے ہیں ان لوگوں کا گمان ہے، حالانکہ یہ حضرت عمر نے اپنی نسبت کہا تھا یعنی جب حضرت سعد نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھتا تھا۔ تو حضرت عمر نے ان کو کہا کہ میرا گمان تمہارے ساتھ ایسا ہی ہے۔ کیونکہ حضرت سعد عشرہ مبشرہ سابقین اولین میں سے تھے، اور آیات واحادیث ان کے فضل میں وارد تھیں، ل حضرت عمر کا مطلب یہ تھا کہ تم جیسے شخص پر بدگمانی کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہمارا خیال تمہاری طرف سے ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو، اس جملہ کا یہ مطلب کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا کہ حضرت عمر پہلے فرما چکے ان ہٰؤلاء یزعمون انک لاتحسن تصلی یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے،

اس جگہ صاحب سیرۃ النعمان کے طرز مورخانہ اور محدثانہ اور مجتہدانہ کا پتہ چل جاتا ہے آپ بایں مطلب فہمی واستعداد فی الحدیث اپنے کو محدث قرار دیتے ہیں تو ائمہ کوفہ کو محدث کہنا بہت بجا بلکہ ضرور اور نہایت ضرور ہے۔

اب اس کا جو آپ نے لکھا ہے، اس حدیث سے قراءۃ فاتحہ کا وجوب کیونکر نکلا) اولاً یہ کہ امام المحدثین کے ترجمۃ الباب میں مطلق قراءۃ مذکور ہے۔ چنانچہ ترجمۃ الباب کا لفظ یہ ہے "باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلہا فی الحضر والسفر وما یجہر فیہا وما یخافت" آپ نے قراءۃ فاتحہ کیوں لکھ دیا اس تصرف کا آپ کو کیا حق تھا، ثانیاً امام المحدثین اس باب میں دو حدیثیں لائے ہیں آپ نے ایک کو کیوں چھوڑ دیا، دوسری حدیث میں چونکہ صریح مذکور تھا کہ بغیر

سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی اس لیے آپ نے اُسے چھوڑ دیا (غرب کیا)

اب وجہ دلالت حدیث اول سنیے، امام المحدثین کے ترجمۃ الباب کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی نماز میں قراءۃ واجب ہے، اور حضرت سعد کی روایت میں جملہ (اصلی بہم صلاۃ رسول اللہ) فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (صلوا کما رایتمونی اصلی) کا بیان ہے، جس میں عموماً حکم دیا گیا ہے کہ جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ اسی طرح پڑھا کرو۔ اور اس حکم سے کوئی فرد مصلی کا مستثنیٰ نہیں، اور آنحضرت کی نماز میں قراءۃ مسلم اور متفق علیہ ہے، تو ہر نماز میں مطابق اس فرمان (صلوا کما رایتمونی اصلی) کے قراءۃ ہونی چاہیے اور یہی مضمون ہے امام بخاری کے ترجمۃ الباب کا جب تک اس حکم عام سے صلوۃ مقتدی کا استثنا ثابت نہ کیا جائے تب تک فریق کو اس عام کی قطعیت میں کوئی محل سخن نہیں ہے۔

دوسرے امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ تھا کہ قراءۃ صرف دو رکعت اولی میں فرض یا واجب ہے پچھلی دو رکعتوں میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک قراءۃ نہیں ہے، امام المحدثین نے حضرت سعد کی روایت اس وجہ سے ذکر کی کہ اس روایت میں یہ مضمون تھا کہ عشا کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں ہم طول کرتے ہیں، اور پچھلی دو رکعتوں میں تخفیف۔ جس سے ظاہر ہے کہ چہار رکعت میں قراءۃ تھی، اور اسی کو حضرت سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کہا، پس خلاف مذہب امام ابوحنیفہ کے ہر چہار رکعت میں قراءۃ کی مشروعیت ثابت ہوئی۔

دوسری حدیث جو اس باب میں امام المحدثین لاتے ہیں، وہ قراءۃ فاتحہ کی دلیل خاص ہے، تو صورت یہ ہوئی کہ ایک باب کی دو دلیلیں بیان کیں، ایک عام اور

دوسری خاص۔ یا یوں سمجھو کہ ایک حدیث مطلق قراءۃ کی دلیل، اور دوسری حدیث اسی مطلق کی تقیید، کیونکہ مطلق آخر جب پایا جائے گا تو تحت میں کسی مقید ہی کے "

غرض دوسری حدیث میں اس کا بیان ہے کہ مطلق قراءۃ کو تحت میں اس مقید کے پایا جانا چاہیے"! باقی رہا یہ کہ اگر صاحب سیرۃ النعمان نے اس نکتہ کو نہیں سمجھا اور یہ کہا کہ اس حدیث سے قراءۃ فاتحہ کا وجوب کیوں کر ثابت ہوا تو یہ کوئی محل تعجب نہیں ہے! جب حضرت سعد کی حدیث کا مطلب رجو ظاہر تھا، نعمانی صاحب کی سمجھ میں ٹھیک نہ آسکا تو امام المحدثین کے وجوہ استدلال اور نکات استنباط کو جس کی نسبت تراجم البخاری حیرت الافکار مشہور ہے کیوں کر سمجھ سکتے ہیں (حسن البیان)

بقیہ سقطات سے جو سیرۃ النعمان میں واقع ہوئے اور حسن البیان میں ان کو ذکر کیا گیا ہے اس سے ہم سکوت کرتے ہیں کیونکہ ہمارے موضوع بحث سے یہ خارج ہے علاوہ حسن البیان کے سیرۃ النعمان کے بہت سے سقطات" الارشاد میں بیان کئے گئے ہیں لیکن مؤلف الارشاد نے بھی یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ جس قدر ہم نے اور صاحب حسن البیان نے نعمانی صاحب کے سقطات ذکر کئے ہیں بہت ہی کم ہیں "

عہ مصر شمس العلما نعمانی صاحب کی رنگ آمیزیوں کے دلچسپ منظر دیکھنے ہوں تو حسن البیان ہاتھ میں لیجئے حسن البیان سیرۃ النعمان ہی کے کشف حقیقت اور اسی کا سین دکھانے کے لیے لکھی گئی ہے۔ معصر موصوف کے مورخانہ محدثانہ مجتہدانہ تینوں طرز کی تحریر پر کامل ریمارک ہے، سچی بات یہ ہے کہ سیرۃ النعمان کے مطالعہ کا لطف کچھ حسن البیان ہی کے دیکھنے سے آتا ہے۔ مشہور مناظر علامہ رحیم آبادی کی تالیف ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ معصر نعمانی صاحب نے تیسری بار طبع کرنے میں سیرۃ النعمان کی موٹی موٹی غلطیاں (جیسے غلط آیت نقل کر کے استدلال کرنا صحیح بخاری کی حدیث کا مطلب نہ سمجھنا) کی (بر صفحہ آئندہ)

التنقید

صحیح بخاری کو ایک نظر اور دیکھو

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۔ پھر تم بار بار نظر اٹھا کر دیکھو تمہاری آنکھیں خیرہ رہ جائیں گی اور کوئی نقص نہ نکال سکو گے ،

آزادی اور حق گوئی اسلام کی خصوصیات میں شمار کی جاتی ہیں، اور حق یہ ہے کہ اسلام اس پر جس قدر فخر کرے حق ہے۔ اسی آزادی اور حق گوئی پر تنقید کی بنا ہے۔

صحیح بخاری کو اہل اسلام نے اصح الکتب کا خطاب بہت کچھ جانچ پڑتال کرنے کے بعد دیا ہے۔ علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل یحییٰ بن معین اور ان کے معاصرین اس کے اول ناقد ہیں۔ صحیح بخاری کی تصنیف کے بعد جماعت محدثین صدیوں تک اس کی تنقید کرتی رہی اور ایک ایک حدیث اس کی جانچی گئی۔

امام دارقطنی بڑے پایہ کے ناقد حدیث تسلیم کئے گئے ہیں انہوں نے صحیح بخاری کو بلا تقلید احد سے حرفاً حرفاً جانچا اور بلا تردد دل کھول کر لیکن دیانت سے جو جو شکوک

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور پھر امام بخاری کے استدلال پر اعتراض کرتا وغیرہ) درست کریں اور حسن البیان کی تالیف کا اچھا ثمرہ مرتب ہو اہم حسن البیان کے ناظرین کو مطلع کرتے ہیں کہ حسن البیان کے مطالعہ کے وقت سیرۃ النعمان طبع اول و دوم کا بھی لحاظ رکھیں اور طبع سوم وغیرہ دیکھ کر حسن البیان پر غلط اعتراض کا الزام نہ قائم کریں ۱۲ منہ

حواشی صفحہ ہذا) ؎ تہذیب الاسماء واللغات مقدمہ فتح طبقات کبری ۱۲

ان کے ذہن میں آئے سب کو رسالہ کی صورت میں جمع کیا۔ خواہ وہ شکوک متن سے لگاؤ رکھتے ہوں یا سلسلۂ اسناد سے یا راویوں سے۔

حافظ ابن حجر نے ان تمام شکوک کو ھدی الساری میں نقل کیا ہے۔ اور ان تمام کا حل کیا ہے۔ اور بہت ہی انصاف سے کام لیا ہے۔ رواۃ پر جو شکوک تھے ان کے جواب کے لیے علیحدہ فصل قائم کی ہے اور جو سلسلۂ اسانید یا متن حدیث پر تھے ان کے جواب کے لیے الگ۔ اس طرح امام دار قطنی کے جس قدر شکوک تھے سب صاف ہو گئے کیونکہ ان کے شکوک کی بنا کچھ تو عدم واقفیت پر تھی کچھ تشدد پر۔ کچھ ان اصول کی عدم پابندی پر جو محدثین نے قائم کئے ہیں، ہم ان شکوک اور ان کے جواب کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں، شکوک اور ان کے حل و جواب مل کر ایک بڑی ضخیم کتاب بن جائے گی۔ حافظ ابن حجر کے علاوہ علامہ عینی نے ان شکوک پر خاص توجہ کی ہے اور اس کے لیے انہوں نے کوئی مستقل کتاب یا مستقل فصل اور باب تو نہیں قائم کئے لیکن جب صحیح بخاری میں وہ مقام آگیا ہے جو دار قطنی کے شکوک سے تعلق رکھتا ہے تو اس کو اعلیٰ عنوان سے رفع کیا ہے اسی طرح علامہ قسطلانی اور دیگر شارحین صحیح بخاری نے بھی فی الحال عظیم آباد کے بعض کوتہ اندیشوں نے چند جاہلانہ اعتراض اردو زبان میں شائع کئے ہیں۔ اسی طرح بعض شیعوں نے بھی تنقید بخاری کے نام سے ایسی ہی جاہلانہ اور بدعت کی پامال باتیں لکھی ہیں جن کی طرف اہل علم کا توجہ کرنا مناسب نہیں۔ نہ ان پر تنقید کا اطلاق کسی طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں شیعی نے اس میں اُس کمال کا اضافہ کیا ہے جو شیعہ مذہب کا جزو اعظم ہے دریدہ دہنی

اور زبان درازی وسقط گوئی ، ہم نے پہلے لکھا ہے کہ آزادی اور حق گوئی دونوں تنقید کے دو جزو ہیں اور انہیں دونوں پر تنقید کی بنا ہے۔ اگر ان میں کا ایک جز دبھی مفقود ہے تو اس پر تنقید کا اطلاق صحیح نہیں ہو گا۔ جو آزاد نہیں ہیں وہ پوری طرح حق نہیں بول سکتے۔ اور جو آزاد ہو کر حق نہیں کہتے وہ کسی طرح قابل اعتبار نہیں ایسا شخص تعصب سے جھوٹ بولے گا اور لوگوں کو دھوکا اور فریب دینے کی کوشش کرے گا۔ آزادی اور حق گوئی یہ دونوں تنقید کے دو عنصر ہوئے۔ ان کے لیے جو شئے روح رواں ہے وہ واقفیت ہے۔ ان دونوں عنصروں (آزادی اور حق گوئی) کے ساتھ واقفیت کا ہونا ایسا ہی ضروری ہے جیسا بدن کے لیے روح۔ اگرچہ اس وقت آزادی کا بہت زور ہے لیکن حق گوئی اور واقفیت دونوں عنقا صفت ہیں۔

تم ایک نگاہ اٹھا کر آریوں کے ان اعتراضات کو دیکھو جو کلام اللہ یا اسلام پر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ بڑی بڑی ڈگری انگریزی تعلیم کی حاصل کئے ہوتے ہیں۔ کوئی ان میں بی۔اے ہے۔ کوئی ایف۔اے۔ کوئی بی۔اے۔ ایل۔ لیکن ان کی اکثر باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو سن کر ایک لڑکا بھی ہنس پڑتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ ان میں آزادی تو ہے۔ لیکن تعصب اور غلط گوئی نے ان کو اندھا بہرہ بنا دیا ہے۔ اور تنقید کا ایک جز و (حق گوئی) فوت ہے یا واقفیت جو تنقید کی روح رواں ہے اس سے وہ خالی ہیں۔ کبھی ناواقفیت سے ایسی باتیں بولتے ہیں جن کو سن کر انسان ان کی صورت دیکھتا رہ جائے۔ آریوں نے اپنے مذہب کا اصل اصول اعتراضات اور زبان درازی اور دیدہ

ذہنی کو قرار دیا ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ حق باتوں پر بھی جس طرح ہو سکے، اعتراضات کئے جائیں۔ خواہ وہ اعتراضات کے ساتھ جب ان کے اعتقادات اور ذریعۂ نجات کو ملاؤ تو اور بھی تعجب خیز بات معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح شیعوں کے ان اعتراضات پر نظر ڈالو جو تنقید صحیح بخاری کے نام سے شائع کئے جاتے ہیں تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ آزادی میں تو شتر بے مہار ہیں۔ لیکن تنقید کا دوسرا جزو "حق گوئی" ان سے فطرۃً مسلوب ہے۔ اور مذہبی اعتقاد تقیہ نے ان کو کذب کا شیدا بنا دیا ہے۔ اس اخلاقی کمزوری کے ساتھ ناواقفیت نے اور بھی ان کو گرا دیا اور شیعوں نے بھی آریوں کی طرح اپنے مذہب کا اصل اصول اعتراضات اور دریدہ دہنی کو قرار دے دیا ہے۔

چونکہ ابھی ہم کو امام المحدثین کی سیرت اور علمی کارناموں کے متعلق بہت سی ضروری باتیں لکھنی ہیں۔ اس لیے ان عامیانہ باتوں کی طرف جن کا نام جہل مرکب سے تنقید رکھا گیا ہے، توجہ کرنا ہم ضروری نہیں سمجھتے۔ اس کے لیے حصۂ ثالثہ کا انتظار کرنا چاہیے۔

غیر ضروری سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کوتاہ بینوں کے اعتراضات کچھ تو شارحین بخاری پر ہیں جن کو صحیح بخاری سے کچھ تعلق نہیں۔ کچھ وہی پامال اعتراضات ہیں جن کے جواب بڑے تشفی بخش دئے جا چکے ہیں۔ لیکن عوام کے قلوب کو تشویش میں ڈالنے کے لیے دہرا دہرا کر انہیں پامال باتوں کو دیسی زبان میں شائع کیا گیا ہے۔ کچھ حصہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور جان نثاران اسلام پر سبّ و شتم و سقط گوئی کا ہے۔ اور زیادہ حصہ اسی کا ہے
اس کو بھی صحیح بخاری سے کوئی تعلق نہیں کچھ وہ سوالات ہیں جن کو شارحین
بخاری نے بطور دفع دخل لکھے تھے۔ ان کے علاوہ جو باتیں ہیں وہ
بالکل اصول حدیث سے ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ انشاء اللہ حصہ ثالثہ
میں جب ہم اُن کو نقل کریں گے تو خود ان کی حقیقت معلوم ہو جائے گی ؎

فسوف تری اذا انکشف الغبار افرس تحت رجلك ام حمار

عقائد و کلام

امام بخاری کو جہاں مجتہد۔ فقیہ اور محدث ہونے کی حیثیت سے باکمال
مانا جاتا ہے وہیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ بڑے پایہ کے متکلم بھی تھے لیکن
قبل اس کے کہ ہم امام بخاری کا متکلم ہونا بیان کریں۔ یہ بتا دینا ضرور ہے کہ علم
کلام کیا چیز ہے۔ کب ایجاد ہوا۔ کس طرح ترقی کی۔ اس کی کئی قسمیں ہیں کیونکہ متقدمین
کی ایک جماعت علم کلام کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے بعض متقدمین
نے اس کی ہجو میں قصیدے لکھے۔ بعض نے متکلمین کو فاسق ہی نہیں کہا بلکہ ان کی
تکفیر تک کے قائل ہوئے۔

عام طور پر مشہور ہے، کہ مسلمانوں میں علم کلام، فلسفہ کے بعد پیدا ہوا،
اور آغوش فلسفہ میں تربیت پائی لیکن واقعات بتاتے ہیں، کہ علم کلام کے
مسائل فلسفہ سے بیسوں برس پہلے وجود میں آچکے تھے۔ اور ان میں فلسفہ
کی مطلق آمیزش نہ تھی، عربی میں فلسفہ خلیفہ منصور کے عہد میں آیا۔ مگر اس کا

عام رواج مامون کے زمانہ میں ہوا، منصور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ اور مامون رشید ۱۹۳ھ میں۔ اس لیے خاص فلسفہ کی کتابیں کم از کم ۱۳۶ھ تک عربی میں ناپید تھیں، حالانکہ غیلان دمشقی معبد جہنی، یونس اسواری، واصل بن عطاء بصری، عمرو بن عبید وغیرہ پیدا ہو چکے تھے جو معتزلہ کے سرخیل، اور علم کلام کے بانی ہیں،

لیکن تفحص واقعات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دراصل علم کلام کے دو حصے ہیں علم کلام عقلی، علم کلام نقلی نقلی علم کلام گو فلسفہ سے پہلے پیدا ہوا۔ لیکن عقلی علم کلام کی بنیاد فلسفہ کے بعد پڑی،

عقلی علم کلام سے مراد وہ علم ہے جس میں عقلی دلائل سے فلسفہ کے مقابل میں اسلامی عقائد ثابت کئے جائیں۔ اس علم کا موجد علاف معتزلی ہے۔ اور اس کی تدوین ہارون کے وقت سے شروع ہوئی۔

نقلی علم کلام کو محدثین کا علم کلام کہنا چاہیے، امام ابوحنیفہؒ کی طرف جو فقہ اکبر منسوب ہے وہ اور امام بخاری کی کتاب خلق افعال العباد، والرد علی الجہمیۃ یا جامع صحیح کی کتاب التوحید۔ امام احمد بن حنبل کی تعلق اتصل ابن خزیمہ کی کتاب التوحید۔ امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات، حافظ ابن تیمیہ کی کتاب الایمان اسی سلسلہ کی کتابیں ہیں۔ اس قسم کے علم کلام کی بنیاد، خود صحابہ کے اخیر عہد میں پڑ چکی تھی، کیونکہ اختلاف عقائد خود صحابہ کے عہد میں شروع ہو چکا تھا، صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے، یحییٰ بن معمر کہتے ہیں کہ قدر کا سب سے پہلے بصرہ میں معبد نے انکار کیا۔ میں یحییٰ بن معمر اور حمید بن عبدالرحمن

حج یا عمرہ کے ارادے سے البصرہ سے چلے، تو ہم لوگوں نے آپس میں کہا کہ اگر کسی صحابی سے ملتے تو ضرور معبد وغیرہ جو کچھ کہتے ہیں، اس کے بارہ میں ان سے پوچھتے، اتفاق سے حضرت ابن عمرؓ مل گئے جو مسجد جا رہے تھے۔ ہم دونوں، حضرت ابن عمرؓ کے دائیں اور بائیں ہو گئے، میں نے کہا اے ابو عبدالرحمن، ہمارے ہاں (البصرہ میں) کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں، اور علم کی تحقیق کرتے ہیں، (اور ان کے حالات بیان کئے) وہ کہتے ہیں، تقدیر کوئی چیز نہیں، بلکہ ہر چیز بغیر کسی تقدیر سابق کے ہوتی ہے۔"

اس حدیث سے صرف یہی نہیں ثابت ہوتا کہ اس قسم کے مباحث صحابہ کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے، بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ اختلاف عقائد کی پہلی صدا بصرہ ہی سے اٹھی، گو بعض حدیثوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بعض صحابہ کو مسئلہ قدر میں شبہ پڑا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی فرما دی، بخاری مسلم دونوں میں یہ حدیث موجود ہے حضرت علیؓ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں ہر شخص کا دوزخی اور جنتی ہونا قسمت میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ تو پھر ہم اپنی قسمت پر بھروسہ کر کے عمل کیوں نہ چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا عمل کئے جاؤ۔ کیونکہ ہر شخص فطرۃً اسی چیز کو آسانی سے کرتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ نیکوں پر نیکی کا راستہ سہل کر دیا جاتا ہے۔ اور بُروں کے لیے بُرائی کا راستہ"

چند اور آثار ہیں، جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کے عہد میں کچھ

ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جن کے عقائد نئے رنگ اختیار کر چکے تھے۔ مسئلہ
امامت اور خلافت کے اختلاف سے شیعہ اور خوارج اور ان کی بہت سی شاخیں نکل پڑیں؛
تابعین کے زمانہ میں یہ چند چنگاریاں اور زیادہ مشتعل ہو گئیں، بصرہ
میں معبد جہنی ایک شخص پیدا ہوا جو تقدیر کا بالکل منکر تھا غیلان دمشقی اور
یونس اسواری بھی اسی خیال کے لوگ تھے۔

قرائن بتاتے ہیں کہ تابعین کے زمانہ تک اختلاف عقائد کا اتنا سرمایہ
موجود ہو چکا تھا کہ عام مساجد میں اس کی تعلیم دی جاتی تھی، کیونکہ حضرت
حسن بصری محدثین کے علم کلام کا درس دیتے تھے، واصل بن عطاء،
حسن بصری ہی کا شاگرد تھا، جو تفسیق اہل کبائر کے مسئلہ میں حسن بصری سے
الگ ہو گیا، یہ معتزلہ کی تاریخ کا پہلا دن تھا، خوارج گنہگار مسلمانوں کو کافر
اور جہنمی کہتے تھے، اہل سنت والجماعت کہتے تھے، کہ اہل کبائر مسلمان ہیں،
مگر فاسق ہیں، واصل نے کہا کہ اہل کبائر نہ مسلمان ہیں، نہ کافر ہیں، خوارج کے
مقابلہ میں گروہ مرجیہ پیدا ہو گیا، جس کا خیال تھا کہ اگر مسلمان کے دل میں
ایمان ہو تو بدتر سے بدتر گناہ بھی اس کے دامن ایمان میں کوئی داغ پیدا نہیں
کر سکتا؛ "ایمانی کایمان جبرئیل و میکائیل، میرا ایمان جبرئیل کے ایمان کے برابر ہے۔
ایک گروہ قدریہ پیدا ہوا، جس نے کہا، انسان بالکل خود مختار ہے۔
ان کے مقابلہ میں دوسرا گروہ جبریہ آیا کہ انسان مجبور محض ہے، بنی امیہ کے
اخیر زمانہ میں خراسان سے جہم بن صفوان نکلا، جو معتزلہ کی طرح خدا کی صفات
ازلی کا منکر تھا، جبر و قدر کے مسئلہ میں جبریہ کا ہم زبان تھا، ان لغویات کے سا

خدا کی ان صفات کا بھی منکر تھا جو ناقص طریقہ سے انسان میں بھی پائی جاتی ہیں، مثلاً حیات، علم، سمع، بصر، وہ اس کا بھی قائل تھا کہ خدا کے علم میں تبدلؔ و تغیر بھی ہوسکتا ہے، دوزخ اور جنت جزا اور سزا کے بعد فنا ہو جائے گی،

جہمیہ اور معتزلہ اس بات کے قائل تھے کہ کلام خدا حادث اور مخلوق ہے بعض اصحاب ظواہر کو اس پر اصرار تھا کہ نہ صرف کلام خدا قدیم... اور غیر مخلوق ہے بلکہ الفاظ قرأۃ تک قدیم ہیں، جہمیہ اور معتزلہ نے خدا کے تصور کو اتنا بلند اور منزہ عن الصفات کیلئے کہ جس کا سمجھنا مشکل تھا۔ ان کے مقابلہ میں مقاتل بن سلیمان مفسر المتوفی ۱۵۰ نے خدا کا درجہ انسان سے کچھ ہی زیادہ بلند رکھا۔

مامون کے زمانہ میں خلق قرآن کے مسئلہ پر وہ قیامت برپا ہوئی کہ سینکڑوں علمائے اہل سنت والجماعت کو سخت سزائیں دی گئیں، مامون کے بعد معتصم خلیفہ ہوا۔ مامون کی تیغ ستم کو نیام میں کرنا تو ایک طرف، معتصم نے تعصب کے فرشتوں کو حکم دیا کہ علمائے اہل سنت پر عذاب دو ناکر دیا جائے، حضرت امام احمد بن حنبل کو اس سے جو تکلیف پہنچی قابل بیان نہیں! اسی زمانہ میں ایک شخص تھا جس کا خیال تھا کہ خدا کو کسی شئے کا اُس کے وجود سے پہلے علم نہیں ہوتا!!

غرض کہ ملک کے ہر گوشہ سے عقائد کی ایک نئی صدا آتی تھی۔ ایوان اسلام میں ایک قسم کی جنبش ہونے لگی تھی، کہ خدا نے ایک حجرہ نشین کو اس کی طرف توجہ دلائی،

عـ۵ اسی کو حضرات شیعہ بدا کہتے ہیں۔ دیکھو شیعوں کی مشہور کتاب اصول کافی اور پوری تفصیل مناظرہ حصہ اول مصنفہ مولوی عبدالشکور صاحب ۱۲ عـ۶ یہی وہ مسئلہ ہے جس کی بدولت امام بخاری پر اتہام لگا کر حاکم بخارا نے امام بخاری کو شہر چھوڑنے کا حکم دیا تھا ۱۲ منہ

علامہ ذہبی نے لکھا ہے علمائے تابعین محدثین نے اس پرآشوب زمانہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ صحیح اصول پر علم حدیث کی تدوین کی، اور تصنیف وتالیف کی گو اس زمانہ تک مسلمانوں میں منطق، اور فلسفہ کا رواج نہ تھا، اور ہوتا بھی محدثین ان کو کب ہاتھ لگاتے، لیکن پھر بھی اقناعی اصول کے موافق وہ باطل پرست فرقوں سے مناظرہ کرتے تھے، ان کے غلط دعووں کی تردید کرتے تھے، انہیں کی کوشش کی یہ برکت دیکھی جاتی ہے کہ آج ان میں سے اکثر فرقوں کا صفحۂ عالم سے نام تک مٹ گیا، یہ فتح حکومت کے زور سے نصیب نہیں ہوئی، بلکہ صرف صداقت اور محض خلوص سے،

لیکن ایک نکتہ سنج اگر اس کی تلاش کرے کہ اسلام کے چند سادہ اور بے تکلف اصول میں اتنے اختلافات کیونکر پیدا ہو گئے تو اس کو صاف نظر آئے گا کہ اسلام نے جن عقائد کو مجمل چھوڑا تھا، قرآن مجید جن عقائد سے خاموش تھا، اُن کی تصریح اور تفصیل نے یہ فتنہ برپا کیا، مختلف الخیال فرقوں کی تعداد جو سینکڑوں کی حد تک پہنچ گئی۔ اور جن کا اثر ذہنی عالم ہی تک محدود نہ رہا، بلکہ خارجی عالم میں اس اختلاف خیال نے کچھ کم برہمی نہیں پیدا کی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر شخص اسلام کے سادہ اور مجمل عقائد کی تفصیل کرتا تھا ذات وصفات باری کے مشکل مرحلوں میں ہر فرقے ایک نئے انداز سے قدم رکھتے تھے، اور بدقسمتی سے اسی زمانہ میں یونانی علوم کے پارینہ دفتر کی عربی میں تجدید کی جا رہی تھی، جس نے طبیعتوں میں وقت آفرینی کی اُمنگ پیدا کر دی تھی جس کا حکم تھا کہ نفیاً یا اثباتاً ہر مسئلہ کا جواب دینا ضرور ہے۔

محدثین کی رائے تھی کہ قرآن مجید نے جن چیزوں کو مجمل چھوڑا ہے ہمارا اعتقاد بھی اُن کے متعلق مجمل ہونا چاہیئے، اسلام نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کو اس طرح

خدا کی رویت ہوگی جس طرح وہ چاند کو دیکھتے ہیں، مگر کن آنکھوں سے ہوگی، اس کی تصریح نہیں کی، اسلام نے یہ تعلیم نہیں کی کہ قرآن مجید مخلوق ہے، یا غیر مخلوق، ان کے سوا اور بیسیوں عقائد ہیں جن کے متعلق اسلام نفیاً یا اثباتاً ایک حرف نہیں کہتا،

اس دعوے پر امام مالک کا یہ قول نہایت استحکام کے ساتھ روشنی ڈالتا ہے مصعب بن عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ مالک بن انس فرمایا کرتے تھے کہ میں عقائد میں گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا ہوں، اور ہمیشہ اہل مدینہ اس کو ناپسند کرتے تھے، اور قدر وغیرہ کے مسئلہ میں بحث کرنے سے ہمیشہ روکتے تھے، میں انہیں مسائل میں بحث و گفتگو کرنا پسند کرتا ہوں جن کا تعلق کچھ اعمال سے ہو۔ لیکن ذات وصفاتِ خدا کے مسئلہ میں خاموشی بہتر سمجھتا ہوں۔ ہمارے شہر (مدینہ) کے فقہا ہمیشہ ان مباحث سے منع کرتے تھے جن کا تعلق براہ راست اخلاق وعمل سے نہ ہو۔

امام مالک ایک دوسرے موقع پر ان مباحث کے غیر ضروری ہونے پر ایک روشن دلیل سے استدلال کرتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے ذات وصفات باری کے متعلق سوال کیا، امام صاحب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بدگمانی کرنا بالکل محال ہے کہ وہ اپنی امت کو استنجا و طہارت تک کے مسائل کو تو بتائیں اور ذات وصفات کے مباحث کی تعلیم نہ دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ ۔ میں مامور ہوں کہ وہیں تک قتال کروں جب تک لوگ کلمہ توحید نہ کہیں۔

امام مالک سے ایک دوسرے موقع پر کسی نے استوی علی العرش کا معنی پوچھا،

عسہ جامع ترمذی ۱۲

آپ نے جواب میں فرمایا الاستواء معلوم، والکیف مجہول والسوال عنہ بدعۃ والایمان بہ واجب استوار کی حقیقت ہر شخص جانتا ہے ورنہ قرآن کا امیوں کو مخاطب فرما کر الرحمٰن علی العرش استوی فرمانا، بے معنی ہوگا! البتہ کیفیت استوار مجہول ہے اور کیفیت میں بحث کرنا اور اس کا سوال کرنا بدعت اور خلاف طریقہ سلف ہے اور استوار کے مسئلہ پر ایمان لانا واجب ہے۔

امام بخاری جب نیشا پور تشریف لے گئے! اور ان سے خلق قرآن کا مسئلہ پوچھا گیا اور جواب دینے پر بالکل مجبور کئے گئے۔ تو امام صاحب نے فرمایا۔ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق، وافعال العباد مخلوقۃ و الامتحان بدعۃ یعنی قرآن خدا کا کلام غیر مخلوق ہے لیکن خلق کے افعال یعنی اُن کے منہ سے جو الفاظ قرآنی نکلتے ہیں وہ مخلوق ہیں اور ایسے مسائل کا سوال کرنا بدعت ہے، غرض کہ ائمہ سلف مسائل کلامیہ میں غور و تحقیق کو نہایت مذموم جانتے تھے اور اس کی پوچھ پاچھ کو بدعت کے لفظ سے تعبیر فرماتے، امام احمد بن حنبل اس باب میں سخت متشدد تھے۔"

ان ائمہ کی رائے کی تقویت اور تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے، ترمذی، اور ابن ماجہ نے یہ حدیث روایت کی ہے، ابوہریرہ کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور ہم لوگ مسئلہ قدر میں گفتگو کر رہے تھے غصہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کے منہ پر کسی نے انار کے دانے توڑ دیئے ہیں اور فرمایا کہ کیا تمہیں اس کی تعلیم

عہ مقدمۃ الفتح ۱۲ عہ اس کی تفصیل آتی ہے ۱۲

دی گئی ہے۔ کیا میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں، تم سے پہلے کی قومیں اسی مسئلہ کے مباحثات سے تباہ ہو گئیں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس میں جھگڑا نہ کرو،

اوپر کے بیانات سے چند باتیں معلوم ہوئیں (اول) یہ کہ علم کلام نقلی کہتے ہیں آیات قرآنیہ، اور احادیث صحاح سے (جو صحیح اصول پر جمع کی گئی ہیں) عقائد باطلہ کا رد کرنا، (دوم) یہ کہ اس علم کلام کی بنیاد زمانہ صحابہ میں پڑ چکی تھی (سوم) یہ کہ محدثین اسی علم کلام نقلی کو جانتے تھے اور اسی سے وہ تمام فرق باطلہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوتے (چہارم) علم کلام عقلی سے ان کو تنفر رہا اور اس سے وہ نہایت کراہت کرتے اور جہاں تک ان کا بس چلتا تھا رد کرتے،

امام بخاری کا زمانہ نہایت پُر آشوب زمانہ ہے۔ یہ صحیح حدیثوں کی تدوین تو شروع ہو چکی ہے اور بہت کچھ تدوین ہو بھی چکی ہے۔ لیکن اس کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔ کوئی کتاب۔ صحیح حدیثوں کی مکمل تیار نہیں ہے۔ عقائد باطلہ کی چنگاریوں نے مشتعل ہو کر عالم میں ایک آفت مچا رکھی ہے، ہر جگہ بحث و مباحثہ کے بازار گرم ہیں۔ منکرین تقدیر۔ منکرین صفات الٰہی۔ منکرین عذاب قبر۔ منکرین رویت باری۔ منکرین ملائکہ و جن۔ مجسمہ۔ مرجیہ۔ جبریہ۔ معتزلہ۔ جہمیہ۔ خارجیہ، رافضیہ امامیہ۔ ان میں بھی زیدیہ، اسماعیلیہ وغیرہ بیسیوں فرقے پیدا ہو چکے ہیں، غرض ملک کے ہر گوشہ میں ایک نئی صدا بلند ہے۔ اور ہر فرقہ اپنی جگہ اپنی پوری کوشش اور کامل قوت کے ساتھ اپنے خیالات پھیلانے میں سرگرم ہے۔ ادھر کوفہ سے اہل الرائے کے قیاسی مسائل نہایت زور و شور سے اٹھ کر تمام عراق پر چھا گئے ہیں۔ امام ابو یوسف کے قاضی القضاۃ ہونے کی وجہ سے جو قاضی

مقرر کئے جاتے ہیں۔ وہ اسی خیال کے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ عرصہ تک
قائم رہ کر نہایت مستحکم طریقے پر اس کی بنیاد اور جڑ تمام عراق میں مضبوط ہو گئی ہے
ایسے نازک وقت میں جبکہ اپنی خیر منانی مشکل ہے۔ امام بخاری کے قلم ولسان
دورس نے وہ کام کیا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ جس سادگی اور بے باکی سے
صحیح بخاری میں ان فرق باطلہ کا رد کیا ہے وہ امام صاحب ہی کا حصہ تھا
اس پر لطف یہ ہے کہ جن کی غلطیاں اور اوہام بیان کئے ہیں کہیں اُن کے نام
نہیں لیے، اور یہ وہ عالی ہمتی ہے جو بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ صحیح
بخاری کے کتاب الایمان اور کتاب الاعتصام بالسنۃ۔ کتاب التوحید کو کسی کامل
الفن شیخ سے پڑھو، اور ساتھ اس کے کتاب والنحل کو سامنے رکھ لو تو اس کی خوبی
کا اندازہ ہو سکتا ہے :

علاوہ صحیح بخاری کے فرقِ باطلہ کی تردید کے لیے مستقل تصنیفیں لکھیں
کتاب خلق افعال العباد و کتاب الرد علی المعطلہ امام صاحب کی مشہور تالیف ہے
اور اب طبع ہو کر شائع ہے، جہمیہ معطلہ وغیرہ کا رد اس میں نہایت پرزور طریقہ
سے کیا ہے۔ علامہ مزی مشہور محدث ۵۸۲ھ میں اس کتاب کا درس جامع اموی میں
نہایت دھوم دھام سے دیا، جس کا ذکر حافظ ابن حجر نے درر کامنہ میں کیا ہے :

ان تمام مباحث کے لیے نہ یہ کتاب گنجائش رکھتی ہے نہ وہ موضوع کتاب
ہیں ان کا ذکر نفیاً یا اثباتاً اس کتاب میں لانا تطویل لا طائل ہے، جامع صحیح اور دیگر
تصانیف امام صاحب کی موجود ہیں۔ تاہم دو مسئلوں کا ذکر نامناسب نہ ہو گا،
اس لیے کہ امام صاحب پر ان دو مسئلوں میں نکتہ چینی کی گئی ہے، اور بعض ناگزیر

دل تھے بھی پیش آئے۔

پہلا مسئلہ۔ اعمال کا جزو ایمان ہونا اور اسی کو لازم ہے ایمان کا باعتبار مقدار کے گھٹنا بڑھنا یہی وہ مسئلہ ہے جو محدثین اور مرجئین کی دو جماعتوں کا تفریق کرنے والا ہے، امام صاحب نے (صحیح بخاری) کتاب الایمان کے ابتداہی میں فرمایا وھو قول وعمل ویزید وینقص اور اس دعوے کے اثبات میں تقریباً پچاس سے اوپر دلیلیں پیش کی ہیں۔

اور اکثر جن اعمال پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کا اطلاق کیا تھا اُن کو تراجم ابواب میں مفصلاً علٰحدہ علٰحدہ ذکر کیا۔ نصوص (قرآنیہ وحدیثیہ) کا محدثین کے موافق ہونا آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے۔ دوفریق کو بھی اس کا اقرار ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا الآیۃ (ایضاً) وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِیْمَانًا الآیۃ (ایضاً) لِیَزْدَادُوْا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِہِمْ الآیۃ (ایضاً) اَیُّکُمْ زَادَتْہُ ھٰذِہٖ اِیْمَانًا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْھُمْ اِیْمَانًا الآیۃ (ایضاً) الایمان بضع وسبعون شعبۃ الحدیث (ایضاً) بنی الاسلام علی خمس الحدیث (ایضاً) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِہِمْ خٰشِعُوْنَ الآیۃ (ایضاً) فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا (ایضاً) وَمَا زَادَھُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا (ایضاً) تِلْکَ الْجَنَّۃُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْھَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

عامہ صحابہ وتابعین کا ان کے ہم زبان ہونا کتب احادیث ورجال وتواریخ وشروح حدیث سے ظاہر ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر صحابہ وتابعین تک جس طرح نصوص قرآنیہ واحادیث نبویہ

میں ایمان کے گھٹنے بڑھنے اور اعمال کے جزو ایمان ہونے کی صراحت ہے، بلا تاویل و بحث عامہ مسلمانوں کا عقیدہ تھا، اتباع تابعین میں آکر فلسفیانہ تدقیق و تشقیق شروع ہوئی جس سے اس مسئلہ پر بھی شکوک وارد کئے گئے اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تابعین پر اعتراض جمائے گئے اور نصوص کی تاویلیں کی گئیں، امام صاحب نے اپنے عہد کی حالت اس مسئلہ کے متعلق یہ پیش کی کہ میں نے ایک ہزار سے زائد شیوخ اور محدثین سے شرف صحبت و تلمذ حاصل کیا جو سب کے سب الایمان قول و عمل و یزید و ینقص کے قائل تھے۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ اطلاقات دو قسم کے ہیں ایک، اطلاقات شرعیہ جن کو منقولات شرعیہ یا حقائق شرعیہ کہتے ہیں دوسرے اطلاقات غیر شرعیہ (خواہ لغویہ ہوں یا اور) یہ بات بھی مسلم ہے کہ شریعت میں حقائق شرعیہ دوسرے اطلاقات پر مقدم ہیں۔ دیکھو صلوٰۃ۔ زکوٰۃ۔ ایمان۔ صوم۔ حج۔ نکاح وغیرہ میں وہی معنی معتبر ہیں جن کو شریعت نے بتایا گو کہیں لغوی معنی پر بھی اطلاق ہو۔ جب یہ دونوں قاعدے مسلم ہیں، تو یہ مسئلہ صاف ہے۔

امام صاحب نے الایمان قول و عمل و یزید و ینقص، پر جہاں تقریباً ساٹھ ستر دلائل پیش کئے ہیں، وہیں کتاب الایمان میں ذیل کے تین ابواب بھی لکھے ہیں:

(۱) باب المعاصی من امر الجاھلیۃ لا یکفر صاحبھا بارتکابھا الا بالشرک لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انک امرؤ فیک جاھلیۃ وقول اللہ تعالیٰ اِنَّ اللہ	(۱) باب اس کا کہ گناہ جاہلیت کی چیزیں ہیں لیکن ان کا مرتکب کافر نہیں کہا جا سکتا جب تک شرک نہ کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی کو فرمانا کہ تم ایسے

لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ — آدمی ہو کہ تم میں اب تک جاہلیت کی بات باقی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اللہ سب گناہیں معاف کرے گا لیکن شرک نہیں معاف کرے گا ان دونوں سے معلوم ہوا کہ گناہوں کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہو سکتا۔

(۲) وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَہُمَا فَسَمَّاہُمُ الْمُؤْمِنِیْن — (۲) باب قول اللہ تعالیٰ کا اگر دو جماعت ایمان والوں کی لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو تو اللہ تعالیٰ نے باوجود لڑنے کے مومن کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔

(۳) باب کفران العشیر وکفر دون کفر۔ — (۳) باب شوہر کا کفر کرنا اور اس امر کا باب کہ ایک کفر دوسرے کفر سے نیچے ہے۔

امام صاحب کی غرض ان تینوں بابوں کے لکھنے سے یہ ہے، کہ اعمال جزو ایمان ہیں، لیکن باوجود اس کے معصیت سے کوئی مومن کافر نہیں ہو سکتا، اگر کفر کا اطلاق اس پر کیا بھی جائے (جیسا کہ بعض حدیثوں میں تارک الصلوٰۃ عمداً کو کافر کہا گیا ہے) تو اس سے کفر حقیقی مراد نہیں ہوگا۔ نہ اس امر پر مرتد کے احکام جاری کئے جائیں گے یہی وہ فصل ہے جو محدثین کو معتزلہ سے الگ کرتی ہے ایمان کی زیادتی اور کمی دو اعتبار سے ہو سکتی ہے ایک کیفیت کے اعتبار سے، دوسرے کمیت کے اعتبار سے، کیفیت کے اعتبار سے زیادتی اور کمی کا کسی کو انکار نہیں، علامہ عینی حنفی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ بعض محققین[۱] نے

---

[۱] قال بعض المتاخرین الحق ان الایمان یقبلہما سواء کان عبارۃ عن التصدیق

صراحت سے لکھا ہے کہ حق یہی ہے کہ یقین اور عمل دونوں کے مجموعہ کا نام ایمان ہو یا صرف یقین کا نام، ہر طرح ایمان زیادتی کمی قبول کرتا ہے۔"

صاحب سیرۃ النعمان لکھتے ہیں، ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہو سکتی ہے، ایک اعتبار سے کہ وہ مقولہ کیف سے ہے جس میں شدت و ضعف ممکن ہے، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے، اور یقین کے مراتب مختلف ہوتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا، تو مردوں کو کیوں کر جلاتا ہے، تو ارشاد ہوا کہ اولم تومن یعنی کیا تجھ کو اب تک

بالقلب مع الاعمال وهو ظاهر او بمعنى التصديق وحده لان التصديق بالقلب هو الاعتقاد الجازم وهو قابل للقوة والضعف فان التصديق بجسمية الشبح الذى بين ايدينا اقوى من التصديق بجسميته اذا كان بعيدا عنا ولانه يبتدء فى التنزل من اجلى البديهيات كقولنا النقيضان لا يجتمعان ولا يرتفعان ثم ينزل الى ما دونه كقولنا الاشياء المتساوية لشئ واحد متساوية ثم الى اجلى النظريات كوجود الصانع ثم الى ما دونه ككونه مرئيا ثم الى اخفاها كاعتقاد ان العرض لا يبقى زمانين وقال بعض المحققين ان التصديق يقبل الزيادة والنقصان بوجهين الاول القوة والضعف لانه من الكيفيات النفسانية وهى تقبل الزيادة والنقصان كالفرح والحزن والغضب ولو لم يكن كذلك يقتضى ان يكون ايمان النبى صلى الله عليه وسلم وافراد الامة سواء وانه باطل اجماعا ولقول ابراهيم عليه السلام ولكن ليطمئن قلبى الثانى التصديق التفصيلى فى افراد ما علم مجيئه به جزء من الايمان يثاب عليه ثوابه على تصديقه بالآخر ۱۲ (شرح عینی ص۱۲۸ ج۱)

یقین نہیں آیا، غرض کی کہ یقین ضرور ہے لیکن (لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي) یعنی اور زیادہ
اطمینان خاطر چاہتا ہوں۔ خدا نے متعدد آیتوں میں صاف تصریح کر دی ہے
کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے زَادَتْهُمْ اِيمَانًا، اس مسئلہ میں نص صریح ہے، لیکن
امام ابو حنیفہ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اُس وقت زیر بحث تھا، امام
ابو حنیفہ کے دعوے کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے، جن لوگوں نے عمل کو
جزو ایمان قرار دیا ان کا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ و کم ہوتا ہے،
جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے وہ زیادہ مومن ہے جو گنہگار ہے وہ کم مومن
ہے۔ محدثین صراحۃً اس کے مدعی ہیں اور اس پر دلیلیں لاتے ہیں، علامہ قسطلانی
صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں فاعلم ان الایمان یزید بالطاعۃ وینقص بالمعصیۃ
یعنی ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گناہ کرنے سے گھٹ جاتا ہے
اور محدثین نے بھی جا بجا اس کی تصریح کی ہے۔ امام ابو حنیفہ اس اعتبار سے ایمان کی
کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی، غرض امام ابو حنیفہ کا یہ دعوے نہیں ہے
کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت و ضعف کے زیادہ و کم نہیں ہو سکتا بلکہ اُن کا
دعوےٰ یہ ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے زیادہ و کم نہیں ہو سکتا۔ یہ دعوےٰ
اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں ص۱۳۱

اس سے واضح ہے کہ محدثین اور دیگر لوگوں میں مطلقاً ایمان کی زیادت و
نقصان میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ اعمال کے جزو ایمان و داخل ایمان شرعی
ہونے سے جس سے زیادتی کمی مقدار اُ ہوتی ہے۔ یہی مابہ الاختلاف ہے۔ اور
خلاصہ مذہب محدثین باتباع نصوص قرآنیہ وحدیثیہ و باتباع صحابہ و تابعین

یہ ہوا کہ محدثین اعمال کو جزو ایمان شرعی کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایمان کی زیادتی و کمی مقدار کے اعتبار سے ہے، اور ساتھ اس کے مومن اہل قبلہ معصیت کی وجہ سے کافر نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک کلمہ توحید و شہادت سے انکار نہ کرے، زبان درازی سے خدا محفوظ رکھے

اب اس پر تحنیف اور واہی اعتراض کیا جاتا ہے۔ اور صحابہ و تابعین کو ظاہر بین اور احمق بنانے کی سعی کی جاتی ہے۔ اس اعتراض کو ہم صاحب سیرۃ النعمان کی پوری عبارت میں نقل کرتے ہیں۔

(صـ۱۲۰ میں لکھتے ہیں، امام ابو حنیفہ فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے آج تو اس کی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے۔ ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے۔ فرائض اور اعمال جوارح کے کام ہیں اس لیے نہ ان دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہو سکتی ہے۔ نہ ان میں سے ایک دوسرے کا جزو ہو سکتا ہے، لیکن اس زمانہ میں (زمانہ صحابہ و تابعین) یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اس کے خلاف تھے۔

صاحب سیرۃ النعمان نے بات تو خوب بنائی۔ لیکن زخرف القول غرورا سے بیش وقعت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آپ نے باایں فلسفیت اور نکتہ شناسی یہ خیال نہ فرمایا کہ جب صاحب شریعت نے تصدیق قلبی اور افعال جوارح سے حقیقت مرکب کر کے ہمیں اس کی تعلیم دی، تو ہم کو کون حق ہے ہم کہیں۔ ان دونوں سے کوئی حقیقت مرکب نہیں ہو سکتی۔ کیا نماز قصد قلب لا نیت کا اور

افعال جوارح سے حقیقت مرکب نہیں، کیا صرف افعال جوارح سے بلانیت اور قصد قلب کے نماز ہوسکتی ہے؟ اسی طرح آپ تمام احکام شرعیہ کو دیکھیں گے شارع نے ایمان کی حقیقت شرعیہ یہ بتائی کہ یہ تصدیق قلبی اور اعمالِ جوارح سے مرکب ہے جس کا جزو اعظم تصدیق قلبی ہے جب تک تصدیق قلبی ہے آدمی کافر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جزو اعظم اس کا موجود ہے۔ اگر صرف زبانی اقرار ہے اور تصدیق نہیں ہے۔ تو احکام ایمان اس پر جاری ہوں گے وحسابہ علی اللہ بعینہ یہی مثال نماز کی ہے۔ بلانیت نماز پڑھے گا تو نمازی کا حکم دے دیا جائے گا وحسابہ علی اللہ۔ اسی کو بخاری نے اس طرح پر فرمایا۔

باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ ویکون علی الاستسلام

یعنی باب اس بات کا کہ حقیقت میں کوئی مسلمان نہ ہو بلکہ صرف دکھاوے سے مانتا ہو پھر آگے چل کر لکھتے ہیں (ص ۱۲۳) اعمال کو جزو ایمان قرار دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے۔ جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے۔ جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں۔ کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ لوگوں نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق وعمل کے مجموعہ کا نام ہے، ساتھ ہی اس بات کے بھی

---

۵ اس ترجمۃ الباب کی تشریح علامہ سندھی نے خوب کی ہے فلیرجع الیہ ۱۲ عبید اللہ

قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک
جزو نہ رہا تو من حیث المرکب نہ رہا۔ اسی لیے معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں
کہ عمل جزو ایمان ہے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں۔ لیکن
امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام
ہے۔ باقی اعمال، وہ تو ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں۔ لیکن چونکہ توابع پر بھی
کبھی کبھی مجازاً اصل شے کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا
اطلاق ہوا۔ اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شے فوت نہیں
ہوتی۔ لیکن یہ جواب توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے اور خود امام رازی کو
اس کا اعتراض کرنا پڑا۔ چنانچہ جواب کے بعد فرماتے ہیں کہ فیہ توث لهذا
المذهب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہوا جاتا ہے۔ امام رازی گو
شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں۔ لیکن چونکہ صاحب
نظر اور نکتہ شناس ہیں ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ یا عمل کو ایمان کے توابع سے
شمار کرنا چاہیے۔ یا مان لینا چاہیے کہ جو شخص پابند عمل مومن بھی نہیں۔"
بظاہر تو یہ منطقی تدقیق نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جب شریعت
اور عرف خاص و عام اس کو باطل کر رہا ہے تو اس کی کون سی وقعت ہوگی۔
دیکھو درخت کا ایک پتہ توڑ لینے سے ایک جزو اس کا فوت ہو گیا۔ لیکن
خاص و عام میں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ درخت باقی نہیں۔ شریعت نے
ایمان کی مثال کبھی تو درخت سے دی ہے اور فرمایا الایمان بضع وسبعون
شعبۃ اور کبھی مکان سے، فرمایا بنی الاسلام علی خمس۔ ان دونوں مثالوں میں

عرف عام وخاص دونوں اعتبار سے یہ منطقی قاعدہ اور معقولی تدقیق بے وقعت ہے ؏

علاوہ بریں امام رازی صاحب اور صاحب سیرۃ النعمان سے (جو محدثین کو لکھ رہے ہیں کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے) پوچھنا چاہیے کہ اس لزوم سے اس کی غرض اگر یہ ہے کہ جزئیت اعمال سے لازم نہیں آتا کہ کسی جزو خاص کے نہ پائے جانے پر ترتب ثواب نہ ہو اور خداوند عالم اُس کے مومن ہونے کا حکم نہ دے۔ کیونکہ یہ تقدیرات ربانی سے ہے اللہ پاک پر یہ لازم نہیں کہ صرف کسی ایک جزو کے پائے جانے پر بغیر پائے جانے جمیع اجزاء ایمان کے .... ثواب کو بقدر اس جزو کے مرتب نہ فرمائے یَفْعَلُ مَایَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَایُرِیْدُ ایسی ذرا سی بات اس قدر مشکل معلوم ہوئی کہ ظاہر نصوص سے اعراض کیا گیا اور تاویلوں کی کوئی حد نہ رکھی گئی اور محدثین وصحابہ وتابعین کو ناسمجھ اور لزوم سے ناواقف بتایا گیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ محدثین اللہ ورسول کی پیروی میں مزید اہتمام رکھتے ہیں۔ جن امور کی نسبت اللہ ورسول سے جو کچھ وارد ہوا ہے اور جس امر پر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ حکم لگایا ہے اُس کے قبول وبیان میں

؏ وقال بعض الحنفیۃ والحق فی الجواب ان المجموع المرکب من الاجزاء لایلزم من زوال بعض اجزاءہ انعدام ہذا المرکب ایضا نعم نزول تلک الہیئۃ السابقۃ لکن لایقتضی التباین بینہما وبین اللاحقۃ وذلک کالانسان مثلاً فاذا اصابت بعض اعضاءہ عاہۃ لم یخرج عن کونہ انسانا نعم یقال من حیث الصورۃ انہ انسان ناقص فاذا زاد انتقص ربما خرج عن تسمیہ انسانا ظاہر اہل لااحدا احدا من الاشیاء یزول اسمہ بزوال جزء منہ الی آخر قال، فیض الباری ص۵۵ ۱۲ عبیداللہ الرحمان

سرمو فرق نہیں کرتے۔ اور اپنی عقل ورائے وقیاس سے اطلاقات شرعیہ میں خرابی نہیں نکالتے۔ اور اس خرابی کی بنا پر ظاہر قرآن وحدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ بالراس والعین اُس کو قبول کرتے اور اُس کے خلاف کرنے والے کو نہایت بُرا سمجھتے اور یہی شان تھی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ چنانچہ اس کو خود صاحب سیرۃ النعمان نے لکھا ہے کہ صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان موشگافیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ تھا الخ، محدثین رجو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش اختیار کرنے والے تھے اور اس سے عدول کرنے والے کو نہایت بُرا سمجھنے والے، نے اس مسئلہ میں بھی وہی صحابیوں کی روش اختیار کی۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

اعلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل الایمان علی ضربین احدھما الایمان الذی یدار علیہ احکام الدنیا من عصمۃ الدماء والاموال وضبطہ بامور ظاہرۃ فی الانقیاد وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ویقیموا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی دو قسمیں قرار دی ہیں ایک[ؑ] وہ جس پر احکام دنیا کی بنا ہے۔ یعنی جان ومال کا بچاؤ جو انقیاد ظاہری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ مجھ کو حکم ہے جہاد کا تا آنکہ لوگ توحید ورسالت کی شہادت دیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اگر لوگوں نے ایسا کیا، تو مجھ سے اپنی جان و

عہ جس کا باب امام بخاری نے یوں منعقد کیا باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ

الصلوٰة ويؤتوا الزكوٰة فاذا فعلوا
ذلك عصموا مني دماءهم و
اموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم
على الله وثانيهما الايمان الذي
عليه يدور احكام الآخرة من النجاة
والفوز بالدرجات وهو متناول
لكل اعتقاد حق وعمل مرضي وملكة
فاضلة وهو يزيد وينقص وسنة
الشارع ان يسمى كل شيء منها
الايمان ليكون تنبيها بليغا على
جزئيته وله شعب كثيرة ومثله
كمثل الشجرة يقال للدوحة و
والاغصان والاوراق والثمار
والازهار جميعا انها شجرة فاذا
قطع اغصانها وخبط اوراقها وخرف
ثمارها قيل شجرة ناقصة فاذا قلعت
الدوحة بطل الاصل انتهى

مال کو سوائے حقوق اسلامی (قصاص وغیرہ)
کے بچا لیا اور حساب ان کا اللہ کے ذمہ
ہے، دوسری قسم ایمان کی وہ ہے،
جس پر احکام آخرت یعنی نجات و درجات
پانے کی بنا ہے۔ اور وہ شامل ہے ہر
اعتقاد حق اور عمل پسندیدہ کو اور ملکہ
فاضلہ کو جو کم و بیش ہوتا ہے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب امور کا نام
ایمان رکھا تاکہ تنبیہ ہو اس پر کہ یہ سب
باتیں جزو ایمان ہیں اور ایمان کی بہت
شاخیں ہیں، اور ایمان کی مثال درخت
کی ہے کہ تنہ، شاخ، پتے، پھول پھل
کے مجموعہ کو درخت کہا جاتا ہے،
اگر شاخیں کاٹ لی جائیں اور پتیاں
جھاڑ دی جائیں اور پھل توڑ لیے
جائیں۔ تو ناقص درخت کہلائے گا
اور اگر تنہ اکھاڑ دیا جائے تو اصل ہی
نہ رہے گی،

حجۃ اللہ البالغہ میں اس مقام میں بڑی تفصیلی بحث ہے آیات و احادیث

سے نہایت لطیف بحث کی ہے۔
جو لوگ اعمال کو جزو ایمان شرعی رجس پر احکام آخرت یعنی نجات و درجات پانے کی بنا ہے) نہیں بتاتے ان کا بہت بڑا استدلال یہ ہے کہ اعمال کو ایمان پر عطف کیا گیا ہے۔ جیسے اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور معطوف و معطوف علیہ میں مغائرت ہونی چاہیے۔
حالانکہ خاص کا عطف عام پر قاعدۂ اکثری ہے (۱) عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۲) مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ (۳) حدیث ابی داؤد "ازواجہ و ذریتہ و اہل بیتہ"، نصوص میں اس طرح کا عطف بہت ہے [عہ] علاوہ بریں اس کا منکر کون ہے کہ ایمان کبھی لغوی معنی (تصدیق قلبی) میں بھی بولا گیا ہے جس طرح صلوٰۃ کہ شریعت نے ہیئت کذائیہ خاص معنی سیے ہیں۔ لیکن کبھی لغوی معنی (دعا) میں بھی استعمال کیا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ، اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ جس طرح ان دونوں مقاموں میں علی قرینہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ کے لغوی معنی مراد ہیں اسی طرح ایمان کا عطف اعمال پہ قرینہ ہے کہ ایمان کے یہاں لغوی معنی مراد ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

عہ او یقال ان الاعمال عطفت علی الایمان استقصاء و استیفاء للبیان و لزیادۃ الاہتمام بالاوفی لئلا یذہل عنہ ذاہل فیترکہ ویحرم من منازل الجنۃ العالیۃ والتفصیل فی کتاب الایمان لشیخ الاسلام الامام ابن تیمیۃ فارجع الیہ ۱۲ عبید اللہ الرحمانی

وللایمان معنیان آخران احدھما تصدیق الجنان بالابد من تصدیقه وھو قوله صلی اللہ علیہ وسلم فی جواب جبرئیل ان تؤمن باللہ وملٰئکته الحدیث الثانی السکینة والھیئة الوجدانیة التی تحصل للمقربین و ھو قوله صلی اللہ علیہ وسلم الطھور شطر الایمان وقوله صلی اللہ علیہ وسلم اذا زنی العبد خرج الایمان الخ	(ایمان) دو معنوں میں اور آتا ہے (۱) پہلے دل سے یقین کرنا اسی معنی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا حضرت جبرئیل کے جواب میں اَن تؤمن باللہ و ملائکته الخ یعنی یقین کرو اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر (۲) قلبی اطمینان اور تسکین اور دلی حالت جو مقربین بارگاہ کو حاصل ہوتی ہے اسی معنی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ وضو نصف ایمان ہے اور زنا کرنے سے ایمان نکل جاتا ہے الخ

دوسرا مسئلہ خلق قرآن کا ہے، یہ وہ مسئلہ ہے جس نے سینکڑوں اہل علم کی جانیں ضائع کیں۔ جس وقت اعتزال کا زور ہوا اور اس پر فلسفہ یونان نے اپنا رنگ جمایا اور خلفائے بنی عباس (ان میں خاص کر مامون جو معتزلی ہونے کے

ع اس مسئلہ میں صاحب سیرۃ النعمان نے امام ابوحنیفہ کا ایک خط نقل کیا ہے اور بعد نقل مضمون خط کے لکھا ہے کہ امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعوی کو کہ اعمال جزو ایمان شرعی نہیں ہے ثابت کیا ہے انصاف یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا چونکہ اس خط کے استدلال پر بہت بیر وسہ ہے اس لیے مناسب ہے کہ اہل علم اس خط کی واقعی حالت معلوم کرنے کے لیے حسن البیان کا ضرور مطالعہ کریں، بخوف طوالت ہم اس کے خط کے مضمون اور حسن البیان میں جو اُس کی حقیقت واقعہ دکھائی گئی ہے دونوں کو نظرانداز کرتے ہیں۔ اور مزید تاکید سے لکھتے ہیں کہ سیرۃ النعمان کے دیکھنے والے ایک نظر حسن البیان کو ضرور

ص دیکھیں ۱۲

علاوہ فلسفہ یونان پر فدا تھا۔ کے دربار میں اعتزال اور فلسفہ یونان کی بڑی آؤبھگت ہونے لگی قریب قریب پورے دربار پر اعتزال و فلسفہ چھا گیا۔ اُس وقت قرآن کے مخلوق ہونے کا تمام لوگوں سے اقرار لیا جانے لگا جو نہیں اقرار کرتا اس کے لیے سولی یا قتل کے سوا تیسری صورت نہ تھی تمام ممالک اسلامیہ میں سلطنت کی طرف سے حکم نافذ کیا گیا کہ جہاں جہاں اہل علم ہوں ان سے قرآن کے مخلوق ہونے کا صریح اقرار لیا جائے جو اقرار نہ کرے اور خلاف میں دلائل پیش کرے اور مباحثہ کے لیے آمادہ ہو تو دربار خلافت میں بھیج دیا جائے زیادہ مخالفت کرے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ محدثین سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرۃ صحابہ رضؓ کے دلدادہ تھے اور تمام دنیا میں اسی کو پھیلانا چاہتے تھے، ان کی جانیں سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئیں۔ یہ فتنہ ۲۱۸ھ سے شروع ہو کر ۲۳۴ھ تک نہایت زور پر رہا۔ اور خلیفہ مامون سے اس کی ابتدا ہوئی۔ قرآن کے حادث ہونے کا مسئلہ مامون کے دل میں اس رسوخ کے ساتھ بیٹھ گیا کہ اُس کے نزدیک اس مسئلہ سے انکار کرنا گویا اصل توحید سے انکار کرنا تھا ۲۱۸ھ میں جب وہ شام کے اضلاع میں مقیم تھا تو اسحاق خزاعی گورنر بغداد کو ایک فرمان بھیجا جس کا مختصراً مضمون یہ تھا۔ امیر المؤمنین کو معلوم ہوا ہے کہ عموماً تمام مسلمان جو شریعت کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے قرآن کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ حالانکہ خود قرآن کی متعدد آیتوں سے اس کا بطلان ثابت ہے یہ لوگ بدترین امم اور ابلیس کی زبان ہیں۔ بغداد کے تمام قاضیوں کو جمع کر کے یہ فرمان سنا دیا جائے اور جس کو انکار ہو وہ ساقط العدالۃ مشہور کر دیا جائے۔

مامون کو اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی۔ اور سات بڑے بڑے عالموں کو جو مذہباً بڑا اقتدار رکھتے تھے۔ اپنے پاس طلب کیا۔ اور رُدو دَرُد گفتگو کی۔ یہ سب لوگ اس مسئلہ میں مامون کے خلاف تھے۔ مگر تلوار کے ڈر سے وہ کہہ آئے جو ان کا دل نہیں کہتا تھا جب یہ لوگ بھی مامون کے ہم زبان بن گئے تو اس نے اسحق کے نام ایک دوسرا فرمان بھیجا کہ ممالک اسلامیہ کے تمام علما اور مذہبی پیشواؤں کا اظہار لیا جائے اس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی۔ اور سب کے اظہار اُن کے خاص الفاظ میں قلمبند ہو کر مامون کے پاس بھیج دیے گئے۔ اس کے جواب میں مامون نے جو کچھ لکھا وہ اس کے جنون مذہبی کا ہذیان تھا۔ تمام محدثین اور فقہا میں سے ایک بھی نہیں بچا۔ جس پر رشوت۔ چوری۔ دروغ گوئی۔ بے علمی۔ حماقت شعاری کا الزام نہیں لگایا تھا۔ فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا۔ کہ جو لوگ اس عقیدہ سے باز نہ آئیں پابہ زنجیر روانہ کئے جائیں۔ تاکہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کر کے اُن کی موت و حیات کا فیصلہ کر دوں۔ اسحاق نے یہ فرمان مجمع عام میں پڑھ کر سنایا، جس کی ہیبت نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کر دیا۔ علامہ قواریری و سجادہ البتہ کسی قدر مستقل رہے۔ مگر جب پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور ایک رات اسی سختی میں گذری تو ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں کو اپنے عزم و استقلال کی نسبت جو حسن ظن تھا۔ وہ صحیح نہ تھا۔ صرف امام احمد بن حنبل و محمد بن نوح اس معرکہ میں ثابت قدم رہے جس کے صلہ میں پابہ زنجیر ہو کر طرسوس روانہ کئے گئے۔ مامون کو پھر معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا ان لوگوں نے آیہ کریمہ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ پر عمل کر کے جان بچائی تھی۔

؎ پارہ ۱۴ سورہ نحل ۱۴

اس پر وہ نہایت برافروختہ ہوا۔ اور اُن لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانۂ دولت پر حاضر کئے جائیں۔ ایک جمِ غفیر جس میں ابو حسان زیادی۔ نضر بن شمیل۔ قواریری ابو نصر تمار۔ علی بن مقاتل۔ بشر بن الولید وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقہ تک پہنچ چکے تھے کہ مامون کے مرنے کی خبر آئی۔ جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا ہو۔ لیکن ان بے کسوں کے لیے تو یہ ایک نہایت جانفزا اثر دہ تھا اس طرح کچھ دنوں کے لیے یہ فتنہ فرد ہوا لیکن جب معتصم تحت خلافت پر بیٹھا تو اس نے اور بھی سختی سے کام لیا اور محدثین کو سخت امتحان میں مبتلا کیا اُن کے مدمقابل ایک دوسرا فرقہ تھا وہ قائل تھا کہ قرآن غیر مخلوق ہے، یہاں تک کہ ہماری زبان سے جو قرارت کے الفاظ قرآنی نکلتے ہیں وہ بھی قدیم ہیں۔ یہ فرقہ فریق اول کا پورا مدمقابل تھا اور افراط و تفریط میں دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ تھے۔ امام بخاری نے افراط و تفریط سے الگ ہو کر نہایت صحیح اور بدلل طریق اختیار کیا اور مخالفت کی بالکل پروانہ کی، اتفاقات سے امام صاحب بھی اس فتنہ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور اس امتحان میں مبتلا ہو گئے (اگرچہ سلطنت کی طرف سے نہ سہی)

امام صاحب جس شان سے نیشاپور میں داخل ہوئے اور جس جوش سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس کا بیان اول حصہ میں گذر چکا ہے۔ نیشاپور میں امام صاحب سے درس دینے کی درخواست کی گئی۔ آپ نے منظور فرمایا، مجلس درس قائم ہوئی تو تمام شہر جھک پڑا۔ قدیم درس گاہیں بے رونق ہو چلیں۔

امام محمد بن یحییٰ الذہلی، نیشاپور میں اس پایہ کے شخص تھے کہ امام

مسلم کے استاذ، اور نیشاپور کے مسلّم محدث مانے جاتے تھے۔ یہ امام صاحب کے ہمعصر، اور ہم سبق ہیں، حافظ ابن حجر ان کی نسبت لکھتے ہیں۔ الطبقۃ الرابعۃ۔ ﷺ رفقاءہ فی الطلب ومن سمع قبلہ قلیلا کمحمد بن یحییٰ الذہلی۔ ایک روز امام ذہلی نے اپنی درس گاہ میں پکار دیا کہ ہم کل امام بخاری کی ملاقات کو جائیں گے جس کا جی چاہے۔ ہمارے ساتھ چلے، ساتھ ہی امام ذہلی کو یہ خیال ہوا، کہ امام بخاری کی بدولت میری درسگاہ میں جو بے رونقی چھاگئی ہے اس کا اثر میرے طلبہ پر بھی پڑا ہے، اس لیے میرے ساتھیوں میں سے کوئی طالب علم کہیں ایسی بات نہ پوچھ بیٹھے جس کی بدولت مجھ میں اور محمد بن اسماعیل میں رنجش ہو جائے اور غیر اقوام کو اہل سنت کے اختلاف پر ہنسی اڑانے کا موقعہ ہاتھ آجائے، اس لئے اپنے ہمراہیوں کو تاکید کر دی کہ امام بخاری سے اختلافی مسائل کے متعلق کوئی سوال نہ کیا جائے۔

دوسرے دن امام ذہلی اپنی جماعت کے ساتھ امام صاحب کے یہاں پہنچے۔ اتفاق سے وہی صورت پیش آگئی جس کا انہیں خوف تھا، ایک شخص نے اٹھ کر امام صاحب سے سوال کیا کہ یا ابا عبداللہ قرآن کے جو الفاظ ہماری زبان سے نکلتے ہیں، کیا وہ مخلوق ہیں سوال کے اصلی الفاظ یہ تھے لفظی بالقرآن مخلوق، امام صاحب ساکت رہے پھر اس شخص نے دوبارہ سوال کیا، امام صاحب نے پھر سکوت کیا، تیسری بار مجبور ہو کر جواب دیا کہ،

ﷺ چوتھا طبقہ امام بخاری کے ان اساتذہ کا ہے جو خود امام بخاری کے ہم سبق ہیں اور امام بخاری نے ان سے کچھ سنا بھی ہے نعمانی صاحب نے لکھا ہے کہ محمد بن یحییٰ ذہلی نے امام بخاری کو اپنی درس گاہ سے اس مسئلہ کی بدولت نکلوا دیا تھا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے ۱۲ منہ

القرآن کلام اللہ غیر مخلوق ولفظی بالقرآن الفاظنا والفاظنا من افعالنا وافعالنا مخلوقۃ	قرآن کلام الٰہی غیر مخلوق ہے لیکن جو الفاظ ہماری زبان سے نکلتے ہیں وہ ہمارے الفاظ ہیں، اور ہمارے الفاظ ہماری

زبان کی ایک حرکت ہے، اس لیے ہمارا ایک فعل ہے۔ اور ہمارے افعال مخلوق ہیں

امام بخاری نے ان مختصر لفظوں میں درحقیقت اس بحث کا فیصلہ کر دیا تھا ظاہر ہے کہ اگر قرآن کا مفہوم نفس کلام ہے، تو کلام خدا کی ایک صفت ہے، اور خالق کی صفت کیوں کر مخلوق ہو سکتی ہے؟ اور اگر وہ الفاظ مراد ہیں جو ہماری حادث زبانوں سے نکلتے ہیں تو وہ چونکہ مخلوق کا ایک فعل ہے، لہٰذا ان کے مخلوق ہونے میں کلام نہیں۔

لیکن اس دقیق جواب کو عوام نہ سمجھ سکے۔ اس لیے اس واقعہ کو اس قدر بڑھایا اور شہرت دی کہ امام صاحب کی ہر دلعزیزی میں فرق آگیا اور امام ذہلی کا کد اور بھی آگ میں روغن کا کام دے گیا، امام ذہلی کو اس مسئلہ میں انتہا درجہ کا اذعان تھا، وہ قائل تھے کہ جو شخص لفظی بالقرآن غیر مخلوق کا قائل نہیں۔ وہ اور اس کے ملنے والے قابل ملاقات نہیں، جو لوگ دقیقہ سنج تھے، وہ اس جواب کی تہ کو پہنچ گئے اور پیشتر سے زیادہ امام المحدثین کی وقعت کرنے لگے، چنانچہ امام مسلم کو جب معلوم ہوا کہ امام ذہلی بھی اس جواب کی بدولت امام صاحب کے مخالف ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنی مجلس میں منادی کرا دی ہے، کہ جو شخص لفظی بالقرآن مخلوق کا قائل ہو وہ ہماری مجلس میں شریک نہ ہو، تو امام مسلم سخت برآشفتہ ہوئے، اور وہ تمام نوشتے اونٹوں پر لدوا کر واپس کر دیئے جن میں امام ذہلی کی تقریریں قلم بند کی تھیں۔ امام مسلم کے سوا تمام شہر امام صاحب سے الگ ہو گیا۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں لوگوں نے آکر عرض کی کہ آپ اس قول سے رجوع کیجیے (تمام شہر آپ کا مخالف ہے، امام صاحب نے فرمایا۔ بھلا مجھ سے ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے، اگر کوئی چیز مجھے اپنے قول سے پھیر سکتی ہے تو وہ دلیل ہی ہے، امام صاحب کے اس استقلال اور ثبات قدمی پر لوگ مایوس واپس ہوئے[1]

حدیث (اور) اصول حدیث

امام المحدثین کا فن حدیث میں جو پایہ اہل اسلام نے عموماً تسلیم کیا ہے، اور امام صاحب نے اس مبارک فن کی جیسی کچھ خدمت کی ہے، ان کا مفصل بیان تو ایک مشکل امر ہے۔ اور تطویل لاطائل۔ وہ آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہیں، تاہم موضوع کتاب ہونے کی حیثیت سے بعض ان خصوصیات کا ذکر کرنا ضرور ہے جو امام المحدثین کی ذات کے ساتھ وابستہ ہیں اور جن سے بڑے بڑے ائمہ کے دامن خالی ہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم ان پر کچھ لکھیں ایک نظر فن حدیث پر ڈالنی ضرور ہے جس کی خدمت کو امام صاحب نے فرض اولی خیال کیا اور جس پر اپنی دولت زندگی، آرام و آسائش سب کو قربان کر دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج یہ فن کئی حریفوں کا آماجگاہ بنا ہوا ہے اور اس پر کئی طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ گو زمانہ قدیم میں بھی اس پر بہت کچھ حملے ہوئے تاہم آج جس طرح آزادی اور بے باکی کے ساتھ اس پر حملے ہو رہے ہیں اس کی نظیر زمانہ سلف میں کم ملتی ہے اور لطف یہ کہ

---

[1] مقدمہ فتح الباری ۱۲

حملہ آور قوم اپنے کو مسلمان ہی کہتی ہے میرے خیال میں اس فن کی حقیقت واقعیہ اور سچے حالات واضح ہونے پر ان کے توہمات اور شکوک خود بخود رفع ہو جائیں گے۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ فن روایت وہ فن ہے جس کے مطالعہ پر اقوام دنیا کی ترقی و تنزل کا مدار ہے۔ یہ فن ایسا قدیم ہے کہ اگر قدامت کے اعتبار سے اس کو فطرت انسانی کا لازم قرار دیا جائے تو بعید نہیں ابتدائے عالم سے ہر قوم نے اس سے کم و بیش حصہ لیا۔ اور آج جس وقعت کی نگاہ سے یہ فن دیکھا جاتا ہے محتاج بیان نہیں۔

علامہ ابن خلدون کا یہ مقولہ اس فن کی نسبت ایک نہایت سچا مقولہ ہے
فن التاریخ من الفنون التی یتداولها الامم والاجیال وتشد الیہ الرکائب الرحال وتسمو الی معرفتہ السوقۃ والاغفال وتتنافس فیہ الملوک والاقیال
عرب میں اس فن کا چسکا ابتدا ہی سے تھا اور ان کی اعجاز نما قوت حافظہ اس کو محافظ دفتر۔ تاریخی واقعات اور انسانی انساب کو چھوڑ دو۔ ایک معمولی شخص اپنے اونٹ کے کتنی نسل تک سلسلہ نسب گنا جاتا۔

قرآن کے حکم وذکرهم بایام الله اور قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین نے مسلمانوں کو اس فن کی طرف متوجہ کیا اور سقد کان لکم

ع فن تاریخ ان فنون سے ہے جس کو قدیم زمانہ سے تمام قومیں ہاتھوں ہاتھ لیتی آئی ہیں اور جس کے لیے دور دراز سے بڑی بڑی مسافتیں طے کی جاتی ہیں جس کے حاصل کرنے کے لیے بازاری اور کم عقل تک کی گردنیں اٹھتی ہیں جس کی طرف امراء و سلاطین حد سے زیادہ راغب ہیں۔ غرض ہر طبقہ کے لوگ اس کے خریدار ہیں۔

فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ نے روغن میں آتش کا کام دیا۔ فن حدیث اسی فن روایت اور تاریخ کا ایک فرد ہے، وہ کیا ہے؟ نبی عربی کے سچے حالات (فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم)

اسلام نے اس فن روایت کے ساتھ جو احسانات کئے ہیں وہ تمام دنیا کو یاد ہیں۔ اور وہ اسلام کی خصوصیات میں شمار ہوتے ہیں وہ کیا ہے؟ قانونِ تنقید کی ایجاد اور سلسلۂ اسناد کا استحفاظ پیغمبر اسلام نے ایک جامع قانون کی ہدایت فرمائی کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع کبھی فرمایا لعنۃ اللہ علی الکاذبین کبھی فرمایا من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار یعنی جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے اپنی جگہ جہنم میں بنائی۔

اس قانون کی پابندی نے تنقید اور اسناد دونوں کو مسلمانوں کا فرض اہلی بنا دیا اور جس طرح مسلمانوں کی آسمانی کتاب (قرآن) تحریف و دیگر خرابیوں سے محفوظ رہی۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، احوال، افعال ذرہ ذرہ محفوظ رہے، اور جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔ محدثین استحفاظ کے قوانین میں سختی بڑھاتے گئے اور تشدد زیادہ کیا گیا۔ آخر قوانین استحفاظ فن کی صورت میں مدون ہو کر اصول حدیث کے نام سے نامزد ہو گئے[۲] یہ دو خصوصیتیں اسلام میں (۱) قرآن کا محفوظ ہونا (۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا محفوظ ہونا ایسی ہیں کہ اسلام اس پر جس قدر فخر کرے بجا ہے۔ حیرت تو اس پر ہے کہ نبی صلی اللہ

ع۱ آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جو سُنے بلا تحقیق اس کو بیان کرے ۱۲

ع۲ اور وہ قوانین استحفاظ پچاس فنون میں مکمل ہوئے جو کتب اصول حدیث میں مدون کئے گئے۔

علیہ وسلم کے علاوہ اصحاب اور اُن کے بعد تابعیوں کے اقوال واحوال بھی محفوظ رہے جس کی نظیر کسی قوم و ملت میں نہیں۔

یہاں ایک نظر اُٹھا کر یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف دیکھو اُن کی آسمانی کتاب تک محفوظ نہ رہی چہ جائے کہ کسی بات کا سلسلہ سند اپنے نبی یا کسی حواری تک پہنچا دیں۔

بعض باتوں کا سلسلہ اسناد یہود حضرت موسیٰ تک لے جانا چاہتے ہیں۔ لیکن ناکامیابی ایسی کہ یا تو شمعون تک اُس کا سلسلہ پہنچتا ہے یا اور بھی اس سے بیسیوں درجے نیچے رہ جاتا ہے۔ ابھی تنقید الگ ہے اسی طرح عیسائی ایک مسئلہ یا ایک قول کی بھی سند حضرت عیسیٰ تک نہیں پہنچا سکتے۔ ایک مسئلہ تحریم طلاق کا سلسلۂ اسناد حضرت عیسیٰ کی طرف لے جاتے ہیں، لیکن سلسلہ سند ایسا مجہول اور معما ہے کہ سینکڑوں کذاب اور مجہول العین واسطے بیچ میں آتے ہیں۔ تنقید کی گنجائش کہاں۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تصدقوھم ولا تکذبوھم یعنی نہ ان کو سچا کہو نہ جھوٹا۔

مسلمانوں نے سلسلہ اسناد کی نہایت قدر کی۔ صرف اسناد عالی اور واسطہ کم کرنے کے لیے دور دراز مسافت کا سفر اختیار کرتے ان کے یہاں بلا سند ایک بات بھی معتبر نہیں رہی۔ حصہ اول میں اس کا بیان کسی قدر مفصل گذر چکا۔

امام زہری بڑے ذی رتبہ تابعی ہیں۔ ایک روز سفیان بن عیینہ سے ایک حدیث بیان کرنی چاہی۔ سفیان نے اس وجہ سے کہ ان کو امام زہری پر کامل وثوق تھا، کہا کہ مجھ سے آپ بلا سند بیان کیجیے۔ امام زہری نے کہا کیا تو

بلا زینہ چھت پر چڑھ سکتا ہے عـــہ۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے الاسناد من الدین عـــہ لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء (مسلم) سفیان ثوری فرماتے الاسناد سلاح المؤمن ولنعما قال حالی سے

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا | لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا | کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کئے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون

اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو | اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازن علم دیں جس بشر کو | لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو

پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر
دیا اور کو خود مزا اس کا چکھ کر!

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا | مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا | ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا

طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا
نہ ملا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر | گواہ ان کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا ان کا احساں یہ اک اہل دیں پر | وہ تھے اس میں ہر قوم و ملت کے رہبر

عــہ تدریب الراوی ۱۲ عــہ اسناد ایک دینی بات ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہہ دیتا ۱۲ ســہ اسناد مومن کا ہتھیار ہے ۱۲

لبرٹی میں جو آج فائق ہیں سب سے!
بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے

جو جو اہتمامات فن حدیث اور فن روایت کے لیے ابتدائے زمانہ رسالت سے کئے گئے، آج مافوق العادۃ، یا بعض دیگر اعجاز سے کم نہیں سمجھے جاتے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعد تابعین، تبع تابعین میں جس قدر اس کا ذوق اور اس کا شغل تھا اس کے بیان کے لیے تو ہمارے الفاظ کسی طرح کافی نہیں ہو سکتے تیسری صدی تک (جس میں حدیث اور آثار صحابہؓ مدون کر دیے گئے) یہ مذاق اس طرح عام تھا کہ مسلمانوں کا ہر فرد بشر اس میں ڈوبا ہوا تھا، ہر شخص اس کا فدائی نظر آتا تھا۔ خدام حدیث (محدثین) کی سلطنت عام طور پر تمام مسلمانوں کے قلوب پر اس طرح حادی تھی، کہ یہ ظاہری سلطنت اس کے آگے ہیچ میرز تھی!

ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن مبارک (جو امام بخاری کے شیخ الشیخ اور بڑے پایہ کے محدث امیر المومنین کے لقب سے ممتاز ہیں) بھی رقہ پہنچے۔ ان کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں، ہزاروں آدمی ساتھ ہو ئے، اور ہر طرف گرد چھا گئی۔ ہارون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے عرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے، لوگوں نے کہا خراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن مبارک ہے، بولی حقیقت میں

عہ اس طرح کے واقعات جناب میاں صاحب شمس العلماء سید نذیر حسین دہلوی کے سفر پنجاب اور بنگال وغیرہ میں پیش آئے ۱۲

سلطنت اس کا نام ہے۔ ہارون رشید کی حکومت کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا۔"

ان صدیوں میں جو لوگ اس معزز لقب سے محروم رہے۔ ان کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے یہ حسرت باقی رہ گئی، خلیفہ مامون رشید سلطنت عباسیہ کا بہت بڑا فرماں روا ہے، مامون کا زمانہ سلطنت عباسیہ کے اوج کا زمانہ خیال کیا جاتا ہے تمام دنیا کے سلاطین سلطنت عباسیہ سے لرزتے تھے؛ جب مامون مصر پہنچا تو ایک شخص نے اس کو مبارک باد دی کہ آج عراق. حجاز، شام، مصر آپ کے زیر نگین ہے اور رسول اللہ کے ابن عم ہونے کا شرف ان پر مستزاد ہے۔ مامون نے کہا ہاں، مگر یہ آرزو ہنوز باقی ہے کہ مجلس عام میں شائقین جمع ہوں، اور مستملی میرے سامنے بیٹھا ہوا ور کہے ہاں ذکر کیا حدیث ہے؟ میں بیان کرنا شروع کروں. کہ حماد نے یہ روایت کی. ایک دن خلیفہ مامون نے اس حسرت کو پورا کرنا چاہا۔ یحییٰ بن اکثم سے جو قاضی القضاۃ تھے، یہ کہا کہ میری خواہش ہے کہ آج محدثانہ حدیث کی روایت کروں۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضور سے زیادہ کس کو یہ حق حاصل ہے معمول کے موافق منبر رکھا گیا، اور خلیفہ مامون نے منبر پر بیٹھ کر بڑی قابلیت کے ساتھ درس دیا، قریباً تیس حدیثیں تحقیق و تنقید کے ساتھ روایت کیں، لیکن حاضرین کے رخ سے اس نے جان لیا کہ لوگ محظوظ نہیں ہوئے، منبر سے اترا تو قاضی یحییٰ سے کہا، کہ سچ یہ ہے کہ تم لوگوں کو کچھ مزا نہ آیا۔ حقیقت میں اس منصب[ع] کے وہی لوگ مستحق ہیں

ع بہت سے لوگوں نے چاہا کہ وہ محدث کے لقب سے ممتاز ہوں یا اپنا نام کو کسی طرح محدث یا حافظ حدیث کے لقب سے پکارا جاتا ہوا دیکھیں لیکن عدم علم و صدق. حافظہ جفاکشی عمل بالحدیث سیلان ذہن اس فن کے ساتھ شغف کی شرط نے محروم کر دیا ۱۲

جو اس ذوق میں تن بدن کا خیال نہیں رکھتے، اور منبر پر بیٹھتے ہیں تو ان کے کپڑے بوسیدہ ہوتے ہیں، یہاں یہ گوش گذار کرنا ضروری ہے کہ مامون وہ شخص ہے جو فن حدیث میں علامہ ہیثم۔ عباد بن عوام۔ یوسف بن عطیہ۔ ابو معاویۃ الضریر۔ اسماعیل بن علیہ۔ حجاج الاعور جیسے بلند پایہ محدثین کا شاگرد ہے۔ ان کے علاوہ امام مالک کے تلمذ سے مامون کو ایک خصوصیت خاص حاصل ہے، خلیفہ ہارون نے مامون۔ امین کے لیے امام مالک کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ حریم خلافت میں قدم رنجہ فرما کر شاہزادوں کو علم حدیث پڑھائیں۔ لیکن امام مالک نے حریم شاہی میں جانے سے قطعی انکار کر دیا۔ آخر ہارون نے شاہزادوں کو امام مالک کے دائرہ دولت پر بھیج دیا اور عام درس گاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔"

حدیثوں کے تحفظ کا اہتمام اور اس میں احتیاط

احادیث رسول اللہ کے ساتھ ایسی فدائیت اور اس طرح کی جان نثاری مسلمانوں کو کیوں تھی؟ اس کے اسباب پر غور کرنے سے چند وجوہات سمجھ میں آتے ہیں:

پہلی وجہ قرآن کی چند آیتیں ہیں جو مسلمانوں کو اس پر مجبور کرتی ہیں:

(۱) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب) — تمہارے لیے اللہ کے رسول میں اچھی پیروی ہے، پیروی بغیر جمع احادیث قریب غیر ممکن ہے۔

(۲) مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء) — جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۳) وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ — جو اللہ کا رسول تم کو دے اس کو لو اور جس سے

وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا	منع کرے باز رہو (سورہ حشر)
(۴) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (آل عمران)	کہو کہ اگر اللہ کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) تابعداری کرو

دوسری وجہ چند احکام اور فضائل و ہدایات جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمایا تھا جو در حقیقت انہیں مذکورہ بالا آیتوں کی تفسیریں ہیں:۔

(۱) ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة رسوله (موطا)	تم میں دو چیزیں میں نے چھوڑی ہیں جب تک تم ان کو تھامے رہو گے راہ حق سے بے راہ نہ ہوگے ایک اللہ کی کتاب دوسرے اس کے رسول کی سنت
(۲) من رغب عن سنتی فلیس منی (متفق علیہ)	جس نے میرے طریقہ سے منہ پھیرا مجھ سے نہیں ہے۔
(۳) من احب سنتی فقد احبنی (ترمذی)	جس نے میرے طریقہ کو دوست رکھا مجھ کو دوست رکھا۔
(۴) نضر الله امرء سمع مقالتی فوعاها واداها	خدا تر و تازہ رکھے ایسے مرد کو جس نے میری بات سن کر یاد رکھا پھر اس نے دوسرے کو پہنچا دیا۔
(۵) خیر الهدی هدی محمد صلی الله علیه وسلم (مسلم)	سب سے اچھا طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

عہ یہ ظاہر ہے کہ اطاعت و تابعداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر جمع و علم احادیث مشکل اور سخت مشکل ہے یہ چند آیتیں بطور نمونہ کے ذکر کر دی گئی ہیں ورنہ اس مضمون اور مقصد کی بہت سی آیتیں موجود ہیں یہاں استقصاء مقصود نہیں ہے ۱۲

(۶) من احیی سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا (ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۷) علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین۔ میرا اور میرے جانشینوں کا طریقہ لازم پکڑو

(۸) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم لیبلغ الشاھد الغائب فرب مبلغ اوعی من سامع (متفق علیہ) حاضرین میری باتیں غائبین کو ضرور پہنچائیں کیونکہ بسا اوقات غائبین سامعین سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔

(۹) اور مالک بن حویرث کی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا ارجعوا الی اھلیکم فعلموھم (صحیح بخاری) اور فرمایا صلوا کما رأیتمونی اصلی (متفق علیہ) نماز پڑھو جیسا مجھ کو پڑھتے دیکھا۔

تیسری وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابیوں کی محبت ان کا اخلاص، ان کا جوش، ان کا شغف ان چیزوں نے اصحاب رسول اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کا شیدا بنا دیا تھا، یہ پچھلی وجہ دونوں مذکورۃ الصدر وجہوں کے ساتھ مل کر روغن میں آگ کا کام دے گئی، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ شغف یہ جوش اسی حد تک محدود تھا جس حد پر اس کو قرآن رکھنا چاہتا تھا، اصحاب رسول اللہ کی یہ خاص صفت ہے جس کو خواجہ حالی نے ان چند لفظوں میں ادا کیا ہے ؎

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی | فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی | شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ

عہ جس شخص نے میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیا تو اس سنت پر تمام عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کو ملے گا۔

جناں کردیا گرم گرما گئے وہ

معاذ بن جبل کو جو شغف اور اخلاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا محتاج بیان نہیں، کسی طرح حضرت معاذ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت گوارا نہ تھی، معاذ کو یمن بھیجنے کے وقت آپ نے فرمایا معاذ اب لوٹ کر آؤ گے تو مجھے نہ پاؤ گے، اس وقت معاذ کے قلبی اضطراب کا اندازہ ہمارے قیاس سے باہر ہے، لیکن قرآن کے قطعی حکم اطیعوا الرسول نے معاذ کے اس دلی جذبہ اور قلبی جوش کو رجوان کو مدینۃ الرسولؐ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو چھوڑ کر جانے کی کسی طرح اجازت نہیں دیتے تھے، جکڑ بند کر دیا اور چار و ناچار معاذ کو یمن جانا ہی پڑا۔ معاذ اپنی سواری پر یمن چلے تو سواری کا رخ یمن کی جانب تھا، لیکن معاذ کا رخ مدینۃ الرسول کی جانب، سواری معاذ کو لے کر یمن چلی گئی لیکن معاذ کی آنکھیں، ان کا دل، ان کا دماغ مدینۃ الرسول کی در و دیوار سے وابستہ ہو کر رہ گیا۔ یہی شغف اور جوش اور اخلاص اصحاب رسول اللہ سے ان کی صحبت میں تابعیوں نے سیکھا، اور محدثوں کا استحفاظ اس طرح ابتدائے اسلام سے جاری ہو گیا، اور محافظین کی پہلی جماعت، صحابیوں کی جماعت تھی، اصحاب رسول اللہ جن کو خدا نے اسی کام کے لیے پیدا کیا تھا جن کے قوت حافظہ کی نظیر آج دنیا میں ملنی امر محال ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریرات کے دلدادہ ہوتے رسول اللہ کو ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں چھوڑتے، حضر و سفر سوتے جاگتے، صحت و مرض ہر حالت میں آپ کے حرکات و سکنات افعال و اقوال پر نگاہ رکھتے اور بنظر عمل دیکھتے، جب خلوت کا وقت ہوتا، اس وقت کی نگہبان بی بیاں تھیں، ایک چھوڑ نو بیبیاں تھیں

اور آپ کا مکان حقیقت میں تعلیم نسواں کا ایک زنانہ مدرسہ تھا۔ اور امہات المومنین (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج) اس کی طلبہ تھیں، جن کے معلم خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ عورتیں اسلامی احکام کی شائق ویسی ہی تھیں جیسے آپ کے اصحاب، ان میں سب سے بڑھا ہوا نمبر حضرت عائشہؓ کا تھا جن کا شمار فقہائے مجتہدین میں کیا گیا ہے، اور محدثین اُن کے مذہب کو اور مجتہدین کے مذہب کے ساتھ بیان کرتے ہیں، غرض کوئی قول و فعل رسول اللہ کا یا وہ کام جو آپ کے سامنے کیا گیا اور آپ نے اس سے انکار نہ فرمایا، یا وہ بات جو آپ کے سامنے کسی نے کہی اور آپ نے انکار نہ فرمایا۔ ایسا نہ تھا کہ آپ کے اصحاب یا کسی صحابیہ یا آپ کی بی بیوں کے صفحات قلب پر پتھر کی لکیر کی طرح کندہ نہ ہو گیا ہو۔

جو صحابی فاصلے پر سکونت پذیر ہوتے انہوں نے اس کام کے لیے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ دو آدمیوں میں باہم معاہدہ ہو جاتا کہ ایک رات تمام دن تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہو۔ اور جو سیکھو دیکھو سنو مجھے آکر سکھا دو بتاؤ سناؤ دوسرے دن یہی فرض میں انجام دوں گا، جس کو ایک بات بھی دربار رسالت کی مل گئی یا ایک لمحہ کے لیے جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لہ جیسے حضرت عمرؓ عوالی مدینہ سکونت پذیر تھے آپ نے ایک انصاری صحابی کے ساتھ یہ بندش کی تھی اور جو بہت دور کے رہنے والے ہوتے جمعہ کے جمعہ آتے ۱۲

ے علاوہ دوسری مصلحتوں کے ایک ضروری مصلحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازدواج کی یہ تعلیم مت بھی تھی جو بغیر اس کے ممکن نہ تھی بالخصوص وہ احکام شرعیہ جو عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں ۱۲ منہ

کو دیکھ لیا تو وہ اس بات یا اُس حالت کو جس میں آپ کو دیکھا تھا ایسا یاد رکھتا کہ کبھی اُس کے صفحۂ دل سے مٹ نہیں سکتی تھی اس کا بار بار اعادہ کرتا۔ اور ایسی حفاظت کرتا کہ شائد سلطان وقت اپنے خزانے کی یا ایک مفلس اپنے ایک درہم کی ایسی حفاظت نہ کر سکے گا۔ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ آپ کے کرتے کا تکمہ کھلا ہوا تھا اس صحابی نے عمر بھر تکمہ کھلا رکھا (ابوداؤد) یہ امر مسلم ہے کہ اسباب استحفاظ میں دو سبب نہایت قوی ہیں اول عام

؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا جاگتے سوتے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے مجلس تنہائی حدیث میں داخل ہے جس کو زیادہ شرف صحبت حاصل تھا وہ زیادہ حدیث داں تھا گو اس نے روایت نہ کی یا کم روایت کی جیسے حضرت ابوبکرؓ پس اہل کوفہ کو حضرت ابوبکر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس قدر معیت وصحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نصیب ہوئی اس قدر کسی اور صحابی کو نصیب نہیں ہوئی لہذا جس قدر فیض نبوی سے وہ مستفیض ہوئے دوسرے لوگ مستفیض نہ ہوئے حضرت عمر حضرت علیؓ عبداللہ بن عمرؓ ابوہریرہؓ وغیرہ جو لوگ کثیر الروایت تسلیم کئے گئے ہیں ان کے علم کو بھی حضرت صدیقؓ کے علم سے کوئی مناسبت نہیں علامہ ابن تیمیہ نے اس کو منہاج السنۃ میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے پس قلت روایت میں امام ابوحنیفہؒ یا دیگر ائمہ کوفہ کو حضرت ابوبکرؓ پر قیاس کرنا صریح ظلم ہے حضرت ابوبکر کا علم الاحادیث میں سب پر فائق ہونا یقینی اور مسلم یہاں ائمہ کوفہ کا علم الحدیث متنازع فیہ مشکوک موہوم ثبوت طلب محتاج اثبات پس ائمہ کوفہ قلت روایت میں حضرت ابوبکر کیوں کر قیاس کئے جا سکتے ہیں اور کیوں کر کہا جا سکتا ہے فمرتبۃ فی قلۃ الروایۃ مرتبۃ الصدیق اگر ایسے ہی قیاس کرنا ہے تو ہر قلیل الروایۃ کو قلت روایت میں حضرت ابوبکر پر قیاس کر سکتے ہیں۔ حیرت ہے کہ فاضل لکھنوی مولانا عبدالحی صاحب سے بھی حمایۃً للامام اس قیاس کے لکھنے میں تامل نہ فرمایا حالانکہ یہ صریح تسل ہے ۱۲ منہ

خلق اللہ کی گرویدگی۔ دوسرے سلطنت کی ضرورت اور اس کی مجبوری یہ دونوں اسباب
علم حدیث کے لئے موجود تھے، ہم دونوں میں کچھ تفصیل سے کام لینا غیر مناسب نہیں
سمجھتے سلطنت کی توجہ اور اس کی ضرورت اور مجبوری کی وجہ تو نہایت ظاہر ہے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ شروع ہوتا ہے،
خلافت راشدہ ۔ نے اول اول حدیثوں کے استحفاظ پر اس طرح مجبور کیا کہ خلیفہ کے
فرائض میں احکام شرعیہ نافذ کرنے حدود شرعیہ جاری کرنے خصومات کے فیصلے
کرنے مسائل بتانے، داخل تھے نئی نئی صورتیں پیش آتیں ہیں خلیفہ وقت کی معلومات
کو کامیابی نہ ہوتی نہ وہ مسئلہ آیات قرآنی سے شفاف طریقہ پر مستنبط ہوتا اور قیاس سے
رجو آئندہ چل کر اہل کوفہ کا مایۂ ناز بن گیا، نہایت نفرت ہوتی، ایسی حالت میں علی العموم
صحابہ میں اعلان کر دیا جاتا اور محضر صحابہ میں وہ مسئلہ یا فیصلہ طلب امر پیش کیا جاتا
اور ایک ایک صحابی سے پوچھا جاتا کہ کسی کو اس بارے میں کوئی قول وفعل یا تقریر
دربار رسالت کی معلوم ہو تو بیان کرے، اگر کسی نے بیان کیا تو نہایت تشدد
سے کام لیا جاتا، اور بڑی سختی سے جرح کے سوالات کئے جاتے تاکہ
وہم وشک اور تساہل کی گنجائش نہ رہے پہلا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی تدفین کا تھا۔ صحابہ میں اختلاف ہوا کہ آپ کس مقام پر دفن کئے
جائیں، ابوبکر صدیق نے حدیث روایت کی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ نبی جہاں انتقال کریں وہیں دفن کئے جائیں آخر
اسی پر فیصلہ ہو گیا، اسی طرح حضرت عمر نے شام کا سفر کیا اور مقام سرغ میں
پہنچے تو اجنادین عہ کے امراء (کمانڈران) سے ملاقات ہوئی، ان لوگوں نے

عہ اجنادین جند کی جمع ہے خاص چند شہر ہیں جن کے مجموعہ کو اجنادین کہتے ہیں ۱۲ منہ

شام میں شدت طاعون کی خبر دی، حضرت عمر نے مہاجرین اولین کو جمع کیا اور طاعون کی شدت کی خبر دے کر پوچھا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں سے پلٹ جانا چاہیے کیونکہ آپ کے ساتھ اصحاب رسول اللہ ہیں ان کا ضائع کرنا مناسب نہیں، دوسرے لوگوں نے کہا، واہ، تن بتقدیر جس کام کے لیے ہم آئے ہیں اس سے منہ موڑنا مناسب نہیں، غرض دونوں نے قیاس سے کام لیا اور دونوں میں اختلاف پیدا ہوا تو حضرت عمر نے انصار کو طلب کیا انہوں نے بھی اپنے اپنے قیاسات دوڑائے۔ آخر تشفی نہ ہوئی۔ عبدالرحمٰن بن عوف کسی کام کو گئے ہوئے تھے آئے تو حدیث بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس زمین میں طاعون ہو وہاں مت جاؤ اور جس زمین میں تم موجود ہو اگر وہاں طاعون موجود ہو تو وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو۔ آخر اس حدیث کے سننے سے فیصلہ ہو گیا اور حضرت عمر لوٹ آئے (صحیح بخاری)

خود خلیفہ وقت کو حدیث معلوم ہوتی اور اس حدیث کی بنا پر فیصلہ کرتے تو اس حدیث کو محضر صحابہ میں بیان کرتے، اس سے بھی حدیث کی عام طور پر اشاعت ہو جاتی حضرت ابوبکر سے ان کی خلافت کے زمانہ میں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کی نسبت سوال کیا گیا، حضرت ابوبکر نے محضر صحابہ میں قسم دے کر سوال کیا کہ بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نحن معاشر الانبیاء لانورث ما ترکنا صدقۃ[1] سب نے بالاتفاق کہا۔ ہاں۔

اسی طرح حضرت عثمان پر مسجد نبوی کی توسیع اور اس کو توڑ کر مضبوط

---

[1] ہم انبیاء کی جماعت میں ہمارا ترکہ نہیں بٹتا جو ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے ۱۲

بنانے پر اعتراض کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا من بنی مسجدا للہ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔[1]

یہ اہتمام سلطنت کا حدیث نبوی کے ساتھ تدوین کے زمانہ تک برابر جاری رہا، اور جس قدر خلفا گذرے ایک نے ایک سے بڑھ کر تشدد سے کام لیا اگرچہ بحث کے طویل ہونے کا اندیشہ ہے۔ تاہم کچھ تفصیل سے کام لینا ضروری ہے کیونکہ آج آزاد خیال مسلمان جن کو قرآن کی ترمیم کا بھی خیال پیدا ہو گیا ہے، بڑھتے جاتے ہیں، حدیثوں کے ساتھ جیسا ان کا خیال ہے ظاہر ہے، اسی کی ایک شاخ فرقہ اہل قرآن ہے جو حدیثوں کے ساتھ شکوک پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتا، اس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال کی کوئی وقعت نہیں، اپنے جی سے قرآن کے مطلب کو جیسا چاہتا ہے لگا لیتا ہے صلوٰۃ کے معنی بیان کرتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ حج وغیرہ ایک تیسرا فرقہ جامدین علی التقلید کا ہے جو اپنے ائمہ کے اقوال کو وحی آسمانی جانتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے ساتھ یہ لوگ بھی عجیب وغریب باتیں بتاتے ہیں کبھی تاویل کرتے ہیں کبھی تشکیک، کبھی انکار کبھی دعوائے نسخ، کبھی دعوائے اضطراب، غرض جہاں جیسا موقع مل گیا بات بنا دی۔

ہم یہاں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا کا اہتمام فن حدیث کی نسبت نقل کرتے ہیں، جس سے حدیث کی تدوین اور اس کے مہتم بالشان ہونے کا پورا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

---

[1] جس نے خدا کے لیے کوئی مسجد بنائی۔ خدا اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا ۱۲

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق کے
زمانہ خلافت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا
تو ابوبکر پہلے قرآن میں غور کرتے اگر قرآن
میں فیصلہ مل گیا تو فیصلہ دیدیتے قرآن سے
فیصلہ نہ مل سکا تو اپنے معلومات احادیث
میں غور کرتے اگر رسول اللہ کا فیصلہ مل
گیا تو اس پر فیصلہ کر دیتے اگر اس میں بھی مجبور
رہتے تو عام طور پر منادی کراتے کہ ہمارے
پاس اس قسم کا مقدمہ پیش ہے کیا آپ
صاحبوں کو اس بارے میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے،
بسا اوقات اس عام منادی سے جن کا حاضر
ہونا ممکن ہوتا جمع ہو جاتے اور رسول اللہ کا
فیصلہ بیان کرتے، یہ سن کر ابوبکر صدیق خدا
کا شکر کرتے کہ ہم میں رسول اللہ کی باتوں
کے یاد رکھنے والے موجود ہیں اگر اس پر بھی
غیر ممکن ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لیتے جس پر
اتفاق ہوتا، اس پر فیصلہ کر دیتے،

اخبرنا محمد بن الصلت ثنا زهير عن جعفر بن
برقان ثنا ميمون بن مهران قال كان ابوبكر
اذا ورد عليه الخصم نظر في كتاب الله
فان وجد فيه ما يقضي بينهم قضى به
وان لم يكن في الكتاب وعلم من
رسول الله في ذلك الامر سنة قضى
به فان اعياه خرج فسأل المسلمين
وقال اتاني كذا وكذا فهل علمتم ان
رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى في
ذلك بقضاء فربما اجتمع اليه النفر كلهم يذكر
من رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه
قضاء فيقول ابوبكر الحمد لله الذي
جعل فينا من يحفظ على نبينا
فان اعياه ان يجد فيه سنة من
رسول الله صلى الله عليه وسلم جمع
رؤس الناس وخيارهم فاستشارهم
فاذا اجتمع رأيهم على امر قضى
به (دارمی ص ۵۸ ج ۱)

حضرت عثمانؓ، حضرت علی عام صحابہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کیا تم

لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ دکھاؤں، یہ کہہ کر بے ضرورت محض تعلیماً وضو کر کے دکھاتے ہیں، مالک بن حویرث یہ کہہ کر صحابہ کی ایک جماعت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ کیا آپ کو رسول اللہ کی نماز نہ دکھاؤں پھر پڑھ کر دکھاتے ہیں، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے کہ لوگ کہتے ہیں "ابوہریرہؓ نے تو بہت سی حدیثیں رسول اللہؐ کی بیان کیں، میں کیوں نہ زیادہ بیان کروں کیوں کہ میں تو اسی کام کے لیے بیٹھا رہتا تھا پیٹ بھرنے کی فکر بھی تو مجھے نہ رہتی تھی میں تو اسی کام کے لیے وقف تھا،"

عام صحابہ کی یہ حالت تھی کہ جب کسی کو حدیث کے خلاف کرتے دیکھتے فی الفور ٹوک دیتے اور کہہ دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل اس بارے میں یوں ہے، اگر خلیفہ وقت بھی کوئی کام کرتے تو دوسرے صحابی رد کرنے کے لیے تیار رہتے، ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو پڑھ کر اعتراض کر دیا کیف تقاتل الناس و قد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ بعض اصحاب کی یہ حالت تھی کہ خلاف قول و فعل رسول دیکھ کر رد کرنے لگتے۔

عورتوں کی بھی یہ حالت تھی کہ خلیفہ وقت کو خلاف حدیث فیصلہ کرتے ہوئے دیکھ کر ٹوکنے کے لیے مستعد ہو جاتیں۔ فاطمہ بنت قیس نے خلیفہ عمرؓ کی جبروتی سلطنت کے ساتھ بھی ان کے فیصلہ پر اعتراض کر دیا اور خلیفہ وقت نے قرآن کی مخالفت کا الزام ان کی حدیث پر لگایا تو ہشیار صحابیہ نے مخالفت کو موافقت سے بدل کر سمجھا دیا، حضرت بریرہؓ کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتیں بیان فرمائی تھیں وہ باتیں بریرہ کے لیے مایہ فخر تھیں، بریرہ ان کو فخریہ بیان کرتیں،

گویا اس وقت بجز قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات قابل اعتبار سمجھی نہیں جاتی تھی۔ امیر معاویہ ہیں کہ شام سے مغیرہ بن شعبہ کو لکھ رہے ہیں کہ کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجھے لکھ بھیجو۔ ادھر حجاج بن یوسف کا ماتحت مکہ پر فوج بھیج رہا ہے اور دوسرے صحابی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سناتے ہیں، وہ حدیث کا انکار نہیں کرتا نہ صحابی کو غلط گو کہتا ہے لیکن حدیث کا مطلب بدل دیتا ہے۔ ہر ایک صحابی دوسرے صحابی کی معلومات کا دلدادہ ہے اور اس شوق میں اس قدر بڑھا ہوا ہے جس کی حد و پایاں نہیں، عبداللہ بن عباس صحابی ہیں لیکن اکابر صحابہ کے دروازہ پر صبح سے دوپہر تک صرف اس غرض سے بیٹھتے ہیں کہ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات بیان کریں گے۔

تابعیوں کا جوش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سننے کے لیے اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ہمہ وقت صحابی کی تلاش میں ہیں ایک صحابی مل جاتے ہیں اور ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں، اور ایک حدیث سن لیتے پر گوہر شاہوار کی طرح محفوظ رکھتے ہیں۔ تابعین کے زمانہ میں جب کوئی بزرگ صحابی عالم کہیں پہنچ جاتا تو تابعین اور شائقین علم کا اس کے گرد ازدحام ہو جاتا اور سب کا دل یہی چاہتا کہ کسی طرح ساری حدیثیں ان کی مجھے آجائیں۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ابو درداء صحابی کے حالات میں لکھتے ہیں رأیت ابا الدرداء دخل المسجد و معہ من الاتباع مثل ما یکون مع السلطان ھم یسألون عن العلم[1] ایک تابعی کہتے ہیں کہ میں نے

[1] دارمی ۱۲

ابودرداء کو دیکھا کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ تابعین کی ایک جماعت تھی جس طرح بادشاہ وقت ہوتا ہے لوگ ان سے علم نبوی کا سوال کر رہے تھے ایک جماعت صحابیوں کی ام المومنین بی بی عائشہ رض کے پاس یہ عرض کرنے جاتی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سنتوں کو بیان کیجیے جو بعد عصر آپ پڑھا کرتے تھے۔ وہ کہتی ہیں مجھ سے اچھا اس کو ام سلمہ جانتی ہیں انھیں کا واقعہ ہے انہیں کے پاس جاؤ۔"

حضرت عمر کی جبروتی سلطنت اور منتظم خلافت سے کون واقف نہیں؟ انہوں نے اس فن حدیث کے لیے کیا کیا اہتمام کئے خاص اس کے لیے بھی تھوڑی سی تفصیل مناسب ہے۔

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمر نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کے تفحص اور تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احادیث استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کسی صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق احادیث محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں زیادہ ضرورتیں پیش آنی شروع ہوئیں جیسا کہ مفصلاً گذرا، اس لیے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور احادیث کی ڈھونڈھ شروع ہوئی استقراء کا راستہ نکلا۔ حضرت عمر رض کے زمانہ میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی اور نو مسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسئلے پیدا کر دیے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت عمر نے احادیث کی تفتیش میں سعی

بلیغ کی کہ یہ مسائل آنحضرت کے اقوال کے مطابق طے کئے جائیں، اکثر ایسا ہی ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی خلیفہ اول کی طرح حضرت عمر بھی مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے، پکار کر کہتے کہ اس مسئلہ کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتب حدیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمر نے مجمع عام سے استفسار کرکے احادیث نبویہ کا پتہ لگایا، چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع اور مشتہر کی جائے اُسی قدر اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور پچھلوں کے لیے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لیے حضرت عمرؓ نے اس کی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

(۱) حدیث نبویہ کو بالفاظہا نقل کرکے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجا، جس سے ان کی عام اشاعت ہوجاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں،

(۲) صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، "چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعودؓ را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصینؓ را بہ بصرہ، و عبادہ بن صامتؓ و ابو درداءؓ را بشام۔ و معاویہؓ را کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکند،"

(۳) تیسری بات حدیثوں کے متعلق چھان بین کا بلیغ اہتمام۔ حدیثوں کی تحقیق و تنقید فن جرح و تعدیل کا ایجاد، ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ ان سے ملنے آئے

اور تین دفعہ استیذان کے قاعدہ پر کہا السلام علیکم، ابو موسیٰ حاضر ہے، حضرت عمر اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لیے متوجہ نہ ہو سکے، کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ کہاں ہیں، وہ آئے تو کہا تم کیوں واپس گئے، ابو موسیٰ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو، اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمر نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو، ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ گھبرائے ہوئے صحابہ کے پاس گئے، اور حقیقت حال بیان کی۔ ابو سعید خدریؓ نے آکر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے، ابی بن کعبؓ نے کہا کہ عمر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو، فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور اس کی تصدیق کرنی چاہی عہ،

فقہ کا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اس کو عدت کے زمانہ تک نان و نفقہ اور مکان ملنا چاہیے؛ قرآن مجید میں ہے اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیے اور مکان کے ساتھ نفقہ ایک لازمی چیز ہے، فاطمہ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائن دی، وہ آنحضرت کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان و نفقہ کا حق ہے یا نہیں، ان کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، فاطمہؓ نے یہ حدیث حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمرؓ نے اسی تشدد اور احتیاط سے کام لیا، اور فرمایا کہ لَا نَتْرُكُ كِتَابَ اللّٰهِ

عہ صحیح مسلم ۱۲ سہ ہم ایک عورت کی بات پر اللہ کی کتاب نہیں چھوڑ سکتے معلوم نہیں کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی ۱۲

یقول امرأۃ لا ندری لعلہا حفظت ام نسیت اگرچہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث پر عمل کرنے سے ترک کتاب اللہ نہیں ہے بلکہ یہ حضرت عمرؓ کا فہم ہے لیکن حضرت عمرؓ کے خیال میں جو بات تھی اس کے اعتبار سے ان کی یہ اعلیٰ درجہ کی احتیاط تھی، سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا مغیرہؓ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ، چنانچہ جب محمدؓ بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو تمہاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اطمینان کرنا چاہا، حدیثوں کے متعلق یہ احتیاط حضرت ابوبکرؓ ہی نے شروع کی تھی (اسی کی تکمیل حضرت عمرؓ نے کی) تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کے حال میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکر تھے۔ اس احتیاط اور تشدد کا یہ اثر ہوا کہ صحابہ حدیث بیان کرنے کے وقت نہایت خوف کھاتے اور اس کام کو نہایت مہتم بالشان کام سمجھتے بعض بعض صحابہ کا چہرہ زرد ہو جاتا۔ اپنے تلامذہ کو تاکید کرتے کہ کسی طرح کی بے احتیاطی نہ کرنے پائیں۔ عبداللہ بن مسعود کی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔ یشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التہاون فی ضبط الالفاظ (روایت میں بڑی سختی کرتے اور اپنے شاگردوں کو الفاظ حدیث کے یاد کرنے میں غفلت کرنے سے ڈانٹتے) خلفاء راشدین نے جو کچھ تشدد کیا وہ تو آن کا قانون سیاسی تھا اس کے

علاوہ آیت کریمہ:۔

اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا — اگر کوئی بے دین کوئی خبر لائے تو خوب پھر چھان لو اور مشہور حدیث

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار — جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے اپنی جگہ جہنم میں بنائی،

نے عامہ اصحاب رسول اللہ کو سخت محتاط بنا دیا تھا، بعض بعض صحابہ کے دلوں میں خوف شدید پیدا ہو گیا تھا، مبادا کہیں پر کسی مضمون یا کلمہ کی زیادتی ہو جائے یا کہیں پر چوک ہو جائے اور من کذب علی متعمدا کی شدید وعید میں گرفتار ہو جائیں بعض صحابی اسی احتیاط کی بنا پر قال رسول اللہ کہنے سے بہت ڈرتے تھے، اسی احتیاط کے اقتضا سے ایک صحابی دوسرے صحابی کو غلط فہمی کے سوا کذب کا مصداق نہیں ٹھہراتا، لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عامہ صحابہ کا خوف یکساں نہ تھا، سب کی طبیعت یکساں ہونی ممکن ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہم سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل محروم رہتے، صحابیوں میں جہاں ایسے لوگ تھے کہ قال رسول اللہ کہنے سے ڈرتے وہاں ایسے دل کے مضبوط اور ثابت بھی تھے کہ اپنا بس چلنے تک اشاعت حدیث میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑتے اور دلیبلغ الشاھد الغائب بلغوا عنی ولو آیۃ، کے لیے اپنے کو وقف کر رکھا تھا، ان میں حضرت ابوہریرہؓ عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ عبداللہ بن عباسؓ جابر بن عبداللہ انس بن مالکؓ ابوسعید خدریؓ خاص ممتاز ہیں، یہ لوگ قوی دل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں روایت کرتے۔

ابوذر غفاریؓ بڑے قدیم الاسلام صحابی ہیں، مکہ میں اسلام لائے اور اول اول خانہ کعبہ کے پاس اظہار اسلام کیا تو کئی بار ان پر شدید ضرب پڑی، ان کا مقولہ صحیح بخاری میں اس طرح منقول ہے۔

ولو وضعتم الصمصامة علی هذا واشار الی قفاه ثم ظننت انی انفذ کلمة سمعتها من النبی صلی الله علیه وسلم قبل ان تجیزوا علی لانفذتها

یعنی اگر تم میرے قتل کے لیے میری گردن پر تلوار رکھو اور مجھے گمان ہو کہ تلوار کھینچنے سے قبل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کلمہ بھی جو میں نے آپ سے سنا ہے پہنچا سکوں گا تو میں ضرور کہہ دوں گا۔

حدیث کے ساتھ یہ انتظام اور احتیاط خلفائے راشدین کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور برابر تدوین تک جاری رہتا ہے، تابعیوں میں رفض، خروج ارجاء، قدر، اعتزال کے قصے چھڑ گئے، لوگوں کے جھوٹ پکڑے گئے تو بنا بر آیہ کریمہ اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اور بھی تشدد شروع ہو گیا اور جملہ لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء (اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہہ دیتا) زبان زد ہر خاص و عام ہو گیا اس لیے سلسلہ اسناد ایک مستقل فن قرار دیا گیا، جس کی بیسیوں شاخیں ہیں۔ امام ابن سیرین فن حدیث کے رکن اعظم ہیں، فرماتے ہیں

ان هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم

یہ علم حدیث دین ہے اس لیے تم دیکھ لیا کرو کہ کس سے دین لیتے ہو۔

عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ میں وہ خلیفہ ہیں جن کا شمار خلفائے راشدین کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تبع تابعی ہیں انھوں نے ایک روز نماز عصر میں دیر کر دی اسلئے

عروہ بن مسعود تابعی نے ٹوکا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھنا اور جبریل کا ابتدائی اور انتہائی اوقات نماز کے بتانا بیان کیا، خلیفہ وقت کو سخت تعجب ہوا اور استعجاباً پوچھا اعلم ما تقول یا عروۃ دیکھو کیا کہہ رہے ہو، عروہ نے فی الفور اس طرح سند پڑھ کر خلیفہ کو ساکت کر دیا کہ مغیرہ بن شعبہ نے کوفہ میں ایک روز نماز میں دیر کر دی تو ابو مسعود انصاری نے فی الفور ٹوک دیا اور کہا کہ مغیرہ یہ کیا؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جبریلؑ نے آسمان سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو روز نماز پڑھ کر نماز کے ابتدائی اور انتہائی اوقات بیان کئے تھے؛

عمر بن عبدالعزیز کی جہاں اور یادگاریں ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ علم حدیث کی باقاعدہ تدوین کا سنگ بنیاد انہیں کے اہتمام سے رکھا گیا گو اس سے پہلے حدیثیں لکھی گئیں، لیکن اس وقت تک زیادہ مدار زبانی یاد پر تھا، عمر بن عبدالعزیز نے فن حدیث کے ساتھ بہت بڑا اہتمام کیا! امام بخاری نے تعلیقاً جامع صحیح بخاری میں روایت کی ہے۔

کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء ولا یقبل الا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان

یعنی خلیفہ وقت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھ بھیجا کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خاص توجہ کر کے ان کو لکھ ڈالو مجھے علم کے مٹ جانے اور علما کے اٹھ جانے کا خوف ہے اور یہ بھی سنو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث

العلمِ فانّ العلمَ لا یہلکُ حتی یکون سرًّا کے سوا اور کسی چیز پر عمل درآمد نہ کیا جائے
اور علم احادیث پھیلایا جائے۔ لوگ اس کے درس دینے کے لیے مجلسیں
قائم کریں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے ہیں جان لیں کیونکہ علم کی موت جب ہی ہے کہ چھپایا جائے،
ابو نعیم نے تاریخ اصبہان میں اس قدر اور اضافہ کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے
صرف ابوبکر بن حزم ہی کو فرمان شاہی نہیں بھیجا بلکہ عامۃً اپنے کل عمال کو لکھ بھیجا کہ
انظروا احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوہ تم لوگ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید سے جمع کر ڈالو (فتح الباری)

بنی امیہ کے بعد خلفائے بنی عباس کا دور دورہ ہے، بنی عباس نے
اس میں کچھ کم حصہ نہیں لیا، ہارون الرشید موطا کے پڑھنے کے لیے جو علم حدیث
کی ام الصحاح کہی جاتی ہے، امام مالک کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا ہے، موطا
کا وہ نسخہ جس میں ہارون الرشید نے پڑھا تھا مدت تک مصر کے کتب خانہ میں
موجود رہا جس کو خلفائے فاطمین کے تشیع نے ضائع کر دیا، امام مالک نے جب
صاف جواب دیا کہ صاحبزادگان امین و مامون کے لیے عام درس گاہ کے
سوا کسی خصوصیت کا لحاظ نہ ہوگا تو اس نے شاہزادوں کو امام مالک کی عام
درس گاہ میں حاضر ہونے کا حکم دے دیا،

خلفا اور سلاطین کے علاوہ عام مسلمانوں کے میلان طبع کا بھی اندازہ
کرنا ضروری ہے۔ جس کا ذیل کے واقعات سے پتہ لگایا جا سکتا ہے ان میں
عام صحابہ اور تابعین کے مذاق کا تذکرہ ہو چکا، امام بخاری کے شیخ سلیمان
بن حرب کے واسطے بغداد میں قصر خلافت کے قریب ایک مرتفع جگہ منبر کے

لیے تیار کی گئی تاکہ اس پر بیٹھ کر املائے حدیث کریں اس مجلس میں امیرالمومنین مامون الرشید اور تمام امرائے خلافت حاضر تھے جو لفظ امام ممدوح کے منہ سے نکلتا تھا، اس کو امیرالمومنین خود لکھتے جب کل حاضرین درس کا تخمینہ کیا گیا تو چالیس ہزار نفوس اندازمیں آئے۔

یحیٰی بن جعفر بیکندی بیان کرتے ہیں کہ علی بن عاصم کے حلقۂ درس میں تیس تیس ہزار آدمی جمع ہوتے تھے، یزید بن ہارون نے جب بغداد میں درس دیا تو اس میں ستر ہزار حضار کا تخمینہ کیا گیا،

امام بخاریؒ کے شیخ علامہ فریابی نے بغداد میں املائے حدیث کیا تو تین سو سولہ مستملی ان کی مجلس میں حاضر تھے جو شیخ کا لفظ لوگوں کو سناتے تھے اور حاضرین درس کا تخمینہ تیس ہزار تھا؛

ابوالفضل راویؒ ہیں کہ جب میں نے علامہ فریابی سے حدیث سنی تو تقریباً دس ہزار آدمی ان کے پاس ایسے پڑھنے آتے تھے جو قلم دوات لے کر بیٹھتے تھے امام ذہبی ایک دوسرے مقام میں فرماتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں یہ شوق اپنے رسول پاک کے اقوال و احوال کا اہل اسلام میں یہاں تک ترقی کر گیا تھا کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار دواتیں رکھی جاتی تھیں؛

امام عاصم بن علی املائے حدیث کے واسطے بغداد سے باہر نخلستان میں ایک بلند چبوترے پر بیٹھے تھے، ان کے مستملی ہارون نے اپنے کھڑے ہونے کے لیے ایک خمدار کھجور کا درخت پسند کر رکھا تھا۔ خلیفہ معتصم باللہ نے

۱؎ تذکرۃ الحفاظ ۱۷ ۲؎ ایضاً ۱/۲ ۳؎ ایضاً ۲/۱۱ ۴؎ ۱۲

ایک بار اپنا ایک معتمد اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ کرنے کے لیے بھیجا، معتمد نے ارشاد خلافت کی تعمیل کی تو ایک لاکھ تیس ہزار تک حاضرین کی تعداد پہنچی، جس قوم کے افراد ایک علمی مجلس میں سوا لاکھ جمع ہو جائیں قیاس کرو کہ اس قوم کے سینہ میں کتنا شوق بھڑکا ہوگا۔ ان واقعات کے پڑھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان مجالس کے حاضرین کے شمار کرنے کا کیا طریقہ تھا اور حقیقۃً ان روایتوں پر وثوق اس طریقہ کی صحت و عدم صحت پر موقوف ہے ذیل کا واقعہ اس سوال کا جواب دے گا۔

احمد بن جعفر راوی ہیں کہ جب ابو مسلم بغداد میں آئے تو رحبہ غسان نامی مقام پر انہوں نے حدیث کا املا کیا سات مستملی کھڑے تھے، جس میں ایک دوسرے کو شیخ کی روایت پہنچاتا تھا اور لوگ کھڑے کھڑے حدیثیں لکھتے تھے، یہ اندازہ کرنے کے لیے کہ کس قدر آدمی اس وسیع میدان میں فراہم تھے۔ میدان مذکور کی پیمائش کی گئی، اور دواتوں کا شمار کیا گیا کچھ اوپر چالیس ہزار دواتیں شمار ہوئیں جو لوگ لکھتے نہیں تھے صرف سماعاً شریک تھے وہ اس تعداد سے خارج ہیں۔[1]

علامہ فربری کا بیان ہے کہ امام بخاری سے ان کی حیات میں نوے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری سنی اور اس کی روایت کی اجازت حاصل کی، حصہ اول میں ناظرین پڑھ چکے ہیں کہ امام بخاری فراغ کے بعد بخارا جانے کے قصد سے روانہ ہوئے اور اہل بخارا کو یہ خبر معلوم ہوئی، تو حدیث رسولؐ کے شوق میں کئی کئی منزل سے ان کا استقبال کیا گیا اور شہر میں اس شان و شوکت سے لائے گئے کہ لوگوں نے

[1] یہ سب واقعات تذکرۃ الحفاظ میں ہیں ۱۲ و مقدمۃ الفتح ۱۲

ایسی شان وشوکت کسی بادشاہ اور سلطان کے لیے بھی نہیں دیکھی تھی، یہ تھی گرویدگی اہل اسلام کی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، اور یہ تھی توجہ خلفاء اور امراء وسلاطین کی فن حدیث کی طرف سلسلۂ اسناد کی دیکھ بھال اس کی چھان بین تحقیق وتنقید کی بنیاد خلفائے راشدین میں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضؓ نے ڈالی، فرقہ ضالہ کے وجود سے اس کی ترقی ہوئی، تابعیوں نے اس کے لیے اصول وضوابط منضبط کئے، تبع تابعیوں میں آکر یہ ایک مستقل باضابطہ فن بن گیا، اور اسناد ایک بڑی بابرکت چیز سمجھی گئی، اور اسلام کی خصوصیات سے شمار کی گئی۔ اگلی امتوں میں کہیں اس کا وجود بھی نہیں پایا جاتا۔ کیا یہودی یا عیسائی، اس امر کا دعویٰ کرسکتے ہیں کہ وہ ثقہ عن ثقہ باسناد متصل اپنے مقتدا تک ایک مسئلہ یا ایک واقعہ کے بھی سلسلہ کو پہنچا سکتے ہیں یا کسی حواری ہی تک؟ علامہ ابن حزم کا یہ مقولہ بہت صحیح ہے نقل الثقة عن الثقة حتی یبلغ به النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع الاتصال خص اللہ به المسلمین دون سائر الملل بعض عیسائیوں نے ایک آدھ بات کی سند حضرت عیسیٰ تک پہنچانی چاہی لیکن بیچ سے بیسیوں واسطے غائب تھے۔

بڑی خصوصیت فن حدیث اور سلسلۂ اسناد کو یہ حاصل ہے کہ اس میں اجتہاد تخمین ظن کو دخل نہیں۔ یا تو مشاہدات ہیں۔ یا مسموعات، اتصال سند، توثیق رواۃ۔ راوی مروی عنہ کی معاصرت، ان کا آپس میں لقا، سماع۔ یہ سب امور مسموعات یا

سلہ ایک ثقہ سے دوسرے ثقہ نقل کریں، یہاں تک کہ یہ نقل اتصال سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے یہ ایک ایسی چیز ہے جو حضرت مسلمانوں ہی کی متعلق ہے بقیہ ملتیں اس سے محروم ہیں ۱۲ سلہ تدریب الراوی ۷

مشاہدات سے ہیں۔ دو شخصوں کی معاصرت یا آپس کے لقا کو، سماع کو شخص حاضر رویت و مشاہدہ سے جانتا ہے، غائب حاضر کی شہادت سے جان سکتا ہے، رواۃ کا ثقہ ہونا، ضابط القلب ہونا، جید الحافظہ ہونا، حاضرین ملاقات و تجربہ سے جانتے ہیں، غائبین اُن کی شہادت اور ان کے درمیان شہرت سے، امام بخاری کے حالات میں گذر چکا کہ امام بخاری کے ضابط القلب جید الحافظ ہونے کے واقعات مافوق العادۃ سنے جانے لگے تو شہر بغداد کے کل اہل علم نے ملکر تجربہ کیا محدثین نے رواۃ کی نسبت جو کچھ ثقہ ثبت ضعیف واہم صدوق شیخ وغیرہ الفاظ جرح و تعدیل لکھے ہیں کل کی بنا حس اور مشاہدات پر ہے نہ کہ رائے و قیاس پر، اور زیادہ تر تجربیات ہیں۔

قرآن نے خود تجربہ کے لیے امارات بتائے مثلاً وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا جو حسی و مشاہدات سے ہیں، غرض جو کچھ ثقاہت عدالت کی نشانیاں قرآن میں بتائی گئی ہیں یا احادیث میں وارد ہوئیں وہ سب حسی اور مشاہدات سے ہیں، پس ان امارات اور علامات سے ثقاہت عدالت ثابت ہو جاتی ہے اس لیے یہ قطعی امر ہے، ان امارات ثقاہت و عدالت کے ساتھ عدم ظہور فسق اور غیر متہم ہونا، ان امارات کا موثق اور مصدق ہے، غور کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صادق ہونا ایسا امر یقینی تھا کہ کفار بھی باوجود ایسی عداوت کے آپ کے صادق ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ اور ایسی

عہ خدا کے (مقبول و برگزیدہ) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔ اور جب اُن سے نادان لوگ بات کرنے لگتے ہیں تو اُن سے سلام کر کے الگ ہو جاتے ہیں ۱۲

عدم ظہور کذب کو وہ لوگ اس کی دلیل ٹھہراتے تھے۔ اگر یہ امر اجتہادی اور ظنی ہوتا تو کفار باوجود عداوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق کا کبھی اقرار نہ کرتے، اسی سے یہ بات ثابت ہے کہ عدالت صدق اور امین ہونا ایسی صفتیں ہیں کہ کفار اس کے اقرار پر مجبور رہتے اور انکار نہیں کر سکتے تھے اسی طرح روایت میں شذوذ ایک حسی امر کا پایا جانا یا نہ پایا جانا ہے کوئی رائے و تجویز و تخمین کی بات نہیں کہ اس کو اجتہادی کہا جائے۔ علت قادحہ نہ ہونا یہ حدیث صحیح میں قید سلبی ہے نہ وجودی، لہذا اجتہاد مجتہد کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں،

پس کسی محدث کا کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا موضوع وغیرہ کہنا مسائل اجتہادیہ میں داخل نہیں ہو سکتا نہ مجتہد کا اجتہادی مسئلہ حدیث کی تصحیح یا تضعیف کا پاسنگ ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض کوتاہ بینوں نے سمجھا ہے، فقیہ اپنی رائے و استنباط پر خود ایسا اعتماد نہیں رکھتا کہ حتمی طور پر حکم لگائے اور اس پر عمل کرنا واجب قرار دے بخلاف اس کے محدثین کا کسی حدیث کو صحیح کہنا ایسا نہیں ہے کیونکہ وہاں تصریح موجود ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہےؑ، اور اصول کا یہ اتفاقی مسئلہ ہے انہم اتفقوا علی وجوب العمل بکل ما صح، محدث کو بنا بر اسناد و دلائل حدیث کی صحت اور واجب العمل ہونے پر جزم ہوتا ہے اور فقیہ کو اپنے مستنبط مسائل کی صحت پر خود ایسا جزم نہیں ہوتا کہ وہ اس کو واجب العمل کہے؛

شاید کوئی کوتاہ بین یہ کہے کہ راویوں کی روایت کو سچ سمجھنا تو محدثین کی

ؑ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کو پہنچ جائیگی اس پر عمل واجب ہوگا

اپنی رائے سے اور یہی اجتہادی امر ہے، لیکن اُسے یاد رکھنا چاہیئے کہ شخص عادل ضابط کے بیان پر وثوق کرنا اور سچ سمجھنا تو نصی اور اتفاقی مسئلہ ہے۔ صرف اہل اسلام ہی کا نہیں بلکہ تمام دنیا کا اور یہ ایک فطرتی قانون ہے، گواہ عادل کی گواہی پر حکم کرنا نصی اور اتفاقی بات ہے دو گواہ عادل کی گواہی پر حکم کرنا قرآن کا منصوص مسئلہ ہے اس میں اجتہاد کو کیا دخل ہے۔

صحیح بخاری، کی حدیثوں کو صحیح جاننا اس لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کی سندوں کے ہر طبقے میں دو راوی عادل ہیں الا ما شاء اللہ، ولادت۔ رویت ہلال رمضان، میں ایک شخص عادل کی گواہی پر حکم کرنا متفق علیہ ہے تبلیغ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض دفعہ صرف ایک صحابی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے تھے، اور وہ قرآن کی آیتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتے تھے، ہرقل شاہ روم کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ایک شخص یعنی دحیۂ کلبی لے کر گئے تھے، یہ قطعی دلائل ہیں اس امر کے کہ ایک عادل کی بات ماننی ضرور ہے، اس کی بحث کتب اصول میں نہایت طول و بسط کے ساتھ موجود ہے اسی واسطے مجتہدین اپنے قیاسی مسائل کو خبر آحاد کے جنب میں کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے۔

احتج رحمہ اللہ بالضعیف	علامہ سخاوی لکھتے ہیں، خدا رحم کرے کہ جب
حیث لم یکن فی الباب	اس مسئلہ میں بجز ضعیف حدیث دوسری دلیل
غیرہ وتبعہ ابوداؤد وقدماہ	نہ ملی تو اسی ضعیف ہی سے حجت پکڑا۔
علی الرای والقیاس ویقال	اس میں شافعی کی متابعت ابوداؤد نے بھی کی

عن ابی حنیفۃ ایضا ذالک وعن الشافعی یحتج بالمرسل اذا لم یجد غیرہ (فتح المغیث)	ان دونوں نے حدیث ضعیف کو رائے وقیاس پر مقدم کیا اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ کا بھی کہا جاتا ہے امام شافعی تو حدیث مرسل سے

بھی حجت قائم کرتے ہیں جب بجز مرسل دوسری دلیل نہیں پاتے ۔

لان الخبر یقین باصلہ وانما دخلت الشبہۃ فی نقلہ والرأی مختلف باصلہ محتمل فی کل وصف فکان الاحتمال فی الرأی اصلا وفی الحدیث عارضا فلا بد ان یقدم الحدیث الضعیف علی القیاس	فاضل لکھنوی مولوی عبدالحی اس کی وجہ لکھتے ہیں کیونکہ حدیث نص چیز ہے شبہ نقل سند کی وجہ سے پیدا ہوا اور قیاس خود باصلہ مختلف فیہ ہے اور ہر طرح مشتبہ ہے ۔ پس قیاس میں احتمال اصلی ہوا اور حدیث میں عارضی اس وجہ سے حدیث ضعیف ضرور قیاس پر مقدم ہوگی ۔

شاید بعض لوگوں کے واہمہ میں یہ آئے کہ جب حدیثوں کی تصحیح تضعیف وغیرہ کا مدار امور حسیہ بشہر سے ہوا اجتہاد کو کوئی دخل اس میں نہیں ہوا تو پھر بعض حدیثوں کی تصحیح و تضعیف میں اختلاف کیوں ہے ، بعض راویوں کی توثیق و تضعیف میں محدثین باہم مختلف کیوں ہیں ، لیکن اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس اختلاف کی چند وجوہات ہیں (۱) ایک حدیث کی دو سندیں ہیں ، ایک ضعیف دوسری صحیح ۔ دو محدثین میں ایک کو وہ حدیث بسند ضعیف پہنچی ، دوسرے کو بسند صحیح ۔ اس لیے ایک نے صحیح کہا دوسرے نے ضعیف ۔ (۲) دونوں کو ایک ہی سند ضعیف سے حدیث پہنچی لیکن ایک کو اس کے شواہدات مل گئے اس لیے اُس نے صحیح کہا ۔ دوسرے کو نہیں پہنچے

اُس نے تصحیح نہ کی، محدثین کی اصطلاح میں حسن لذاتہ حسن لغیرہ کے یہی معنی ہیں (۳) یا دونوں کو شواہد ملے مگر تضعیف کرنے والے نے باعتبار سند خاص و متن خاص کے تضعیف کی، چنانچہ جامع ترمذی کے متن میں یوں ہے غریب بھذا اللفظ اس کے یہی معنی ہیں کہ باعتبار متن خاص کے وہ حدیث غریب ہے (۴) یا کسی امام کی جرح کسی راوی پر دیکھ کر حدیث کی تضعیف کی حالانکہ جرح کرنے والے نے اس جرح سے تحقیق کے بعد رجوع کیا تھا جس کی اطلاع تضعیف کرنیوالے کو نہیں ہوئی۔

راویوں میں اختلاف اسی بنا پر ہوا کہ کبھی ایک ہی امام نے کسی راوی کے حالات کا پتہ لگایا اُس وقت اُس میں کوئی امر قابل جرح نہ تھا، پھر آگے چل کر اُس نے اپنی حالت بدل دی اس لیے اُسی امام نے آگے چل کر اُس پر جرح کر دی، لیکن تلامذہ نے امام سے دونوں قول سنے کچھ لوگوں نے تعدیل سنی انہوں نے تعدیل روایت کی، دوسرے تلامذہ نے جرح روایت کی حالانکہ دونوں کے دو وقت تھے کبھی کسی راوی کا ایک امام کو مفصل حال معلوم نہ ہو سکا یا جہانتک معلوم ہوا کوئی امر قادح نہیں تھا، لیکن دوسرے امام نے جا کر اچھی طرح سے اس کے حالات تحقیق کئے، اور اُس راوی میں وہ باتیں پائیں جو قابل جرح کے تھیں اس لیے اس دوسرے امام نے جرح کر دیا اور صحیح بخاری و مسلم کی حدیثوں کو ایک خاص عزت یہ حاصل ہے کہ ان میں تواتر معنوی پایا جاتا ہے گو تواتر صوری نہ ہو۔ حجۃ اللہ البالغہ میں ہے۔

اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون یعنی لیکن صحیح بخاری و صحیح مسلم کی یہ حالت ہے

علی ان جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانھما متواتران الی مصنفیھما وانہ کل من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین

کہ تمام محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جو حدیثیں ان دونوں میں متصل مرفوع ہیں وہ یقیناً صحیح ہیں اور ان کے مصنفین تک متواتر ہیں اور جو ان کی شان گھٹائے گا وہ بدعتی ہے اور مسلمانوں کے طریقہ سے الگ ہے،

اس کے بعد اب ہم بعض اُن خصوصیات کو مختصر طریقہ پر ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جو امام المحدثین کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور جن سے بڑے بڑے محدثین کے دامن خالی ہیں

(۱) ایک بڑی خصوصیت امام صاحب کی ذات کے ساتھ یہ وابستہ ہے کہ انھوں نے احادیث کی تنقید اور تصحیح کے لیے عامۃً نہایت شدید شروط لگائے اور بالخصوص جامع صحیح کے لیے اُس شدت میں بھی اور چند اضافے کئے۔

۱۔ مثلاً معنعن روایت امام المحدثین کے نزدیک مجرد معاصرت سے معتبر نہیں ہو سکتی جب تک راوی اور مروی عنہ کا لقا ثابت نہ ہو اس تشدد کی وجہ سے اُن کے بعض وہ تلامذہ جن کو امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص اور عقیدت عہ تھی،

عہ قال الحافظ ابن کثیر وبہذا ای حمل الاسناد المعنعن علی السماع اذا تعاصر وامع البراءۃ عن وصمۃ التدلیس، ھو الذی اعتمدہ مسلم فی صحیحہ وشنع فی خطبتہ علی من یشترط مع المعاصرۃ اللقی حتی قیل انہ یرید البخاری والظاہر انہ یرید علی بن المدینی فانہ یشترط ذلک فی اصل صحۃ الحدیث واما البخاری فانہ لا یشترطہ فی اصل الصحۃ ولکن التزم ذلک فی کتابہ الصحیح وقد اشترطہ ابو المظفر السمعانی مع اللقاء طول الصحبۃ وقال ابو عمرو الدانی ان کان معروفا بالروایۃ عنہ قبلت العنعنۃ وقال القابسی ان ادرکہ ادراکا بینا انتہی (اختصار علوم الحدیث او الباعث الحثیث الی معرفۃ علوم الحدیث ص۱۸) قلت ما قال الحافظ ابن کثیر من ان البخاری لم یشترط اللقی فی اصل الصحۃ بل التزم (باقی بر صفحہ آئندہ)

مخالف ہو گئے اور بڑے زور وں سے اس مخالفت کا اظہار کیا زبانی چھوڑ تصنیفات تک میں اس مخالفت کا ذکر کیا، امام صاحب نے اس کی مطلقاً پروا نہ کی۔ امام صاحب کا خیال اس جانب تھا کہ سلسلۂ اسناد میں جس قدر تشدد کیا جائیگا اُسی قدر حدیث کی پختگی درجۂ کمال تک پہنچے گی،

۲۔ متساہل کی روایت بلا متابعت معتبر نہیں، اسی واسطے کوئی روایت ایسے راویوں سے جامع صحیح میں مذکور نہیں ہے۔

اسی تشدد کی بنا پر جس راوی سے امام صاحب نے صحیح بخاری میں اصولاً (یعنی تعلیقاً یا متابعۃً نہیں) روایت کی اُس کے بارے میں محدثین کا یہ جملہ مشہور ہو گیا۔ (ھذا جاز القنطرۃ) یہ راوی تو پل سے پار اتر گیا۔ غرض یہ کہ اب اس راوی کے بارے میں کچھ دیکھنے اور جانچنے کی ضرورت نہیں، اس تشدد کا باعث یہ تھا کہ اُس وقت مدلسین اور متساہلین کی بڑی جماعت پیدا ہو چکی تھی، بہت سی حدیثیں ضعیف الحافظہ اور متساہلین کی رائج ہو گئی تھیں۔ وراق خود امام بخاریؒ سے ناقل ہیں کہ آپ نے فرمایا ایک ہزار حدیثیں ایک شیخ کی ہیں جنے اسی تدلیس کے

(حاشیہ بقیہ صفحہ سابقہ) وكذلك فى كتابه الصحيح فلا يخرج حديثا مرويا بالعنعنة لمعاصر رواته فى صحيحه الا بعد ثبوت السماع فيه فهذا تشديد منه على نفسه فى هذا الكتاب فقط والتزم به رد مسلم فى خطبته الرد على البخارى بل التشنيع عليه بل اراد على بن المدينى شيخ البخارى فانه اشترط ذلك فى اصل الصحة هو الظاهر عندى الیناد بهذا اظهر خطأ ما اشتهر بين العلماء من ان البخارى اشترط اللقاء للصحيح مطلقا وان مسلما انما اراد فى خطبته التشنيع على شيخه البخارى فليتنبه على ذلك وكتبه عبيد الله الرحمانى ۱۲)

(حواشی صفحہ ہذا) ۱؎ ایک مسند کو دوسری سند کے ساتھ تقویت دینا ۱۲ ۲؎ مقدمۃ الفتح ۱۲

شبہ پر ترک کر دیں اور اسی طرح ایک اور دوسرے شیخ کی" اس تشدد اور سخت شرائط کے ساتھ کمال یہ ہے کہ ممالک اسلامی کو چھان کر علاوہ دیگر تالیفات کے ایک ضخیم اور جامع تالیف صحیح صحیح روایتوں کو انتخاب کر کے اہل اسلام کے سامنے پیش کیا جس کی نظیر نہ ہو سکی، اور یہ تشدد اور سختی شرائط محض زبانی باتیں نہ تھیں جیسا کہ بعض معتقدین اپنے امام کی نسبت دعوٰے کرتے ہیں کہ وہ بڑے پایہ کے محدث تھے اور جب اُن پر قلت روایت کا اعتراض ہوتا ہے تو یہ جواب دیتے ہیں کہ اُن کے شرائط بہت سخت تھے اور اس میں بڑی لانبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں لیکن جب اُن کو یہ دکھلایا جاتا ہے کہ جن کی نسبت تم تشدد اور سختی شرائط دعوے کرتے ہو اُن کی روایتیں اکثر منقطع مراسیل اور بلاغیات ہیں اور انہیں سے استدلال کیا گیا ہے تو مضطرباً یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ بھی تو قلیل الروایت تھے لیکن یہ ایسا غلط جواب ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ حضرت ابو بکرؓ پر امام ابو حنیفہؒ یا دیگر فقہائے اہل عراق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے وہاں فیض صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی طویل صحبت کی وجہ سے علم احادیث یقینی، یہاں ثبوت طلب)

(۲) ایک بہت بڑی خصوصیت فقہ الحدیث کی تدوین ہے۔ جس طرح صحیح بخاری اپنی صحت کے اعتبار سے بےنظیر ہے اسی طرح یہ مبارک اور مقدس کتاب تدقیق مسائل اور فقاہت کے اعتبار سے اپنی آپ نظیر ہے فقہ محمدی کی تدوین کی بنا اگرچہ عبداللہ بن مبارک سفیان ثوری امام مالک اور اُن کے معاصرین محدثین نے ڈالی لیکن امام المحدثین نے اس کو اوج کمال پر پہنچایا،

اس وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری فقہ محمدی کے مکمل ہیں، فقہ محمدی کی تدوین جن باریک اور غامض اصولوں پر کی اس کا اندازہ علامہ ابن خلدون کے اس قول سے ہو سکتا ہے رحمہ اللہ محمد بن اسمٰعیل فانہ اصل الاصول ای اصول الاحکام آگے چل کر اس فن کو اس قدر ترقی ہوئی کہ ایک ایک حدیث سے تقریباً تین تین سو مسائل استخراج واستنباط کئے گئے چنانچہ عمدۃ الاحکام اور الامام و دیگر تالیفات اس کے شواہد موجود ہیں۔

(۳) تاریخ الرجال کی تدوین کی طرف جس طرح امام بخاری نے توجہ کی یہ ان کی خصوصیات سے ہے۔ اس فن کا سنگ بنیاد گو یحییٰ بن سعید قطان نے رکھا لیکن باقاعدہ اور اہتمام بلیغ کے ساتھ اس کی تدوین امام بخاری نے کی اس مبارک فن کی تدوین کا خیال امام صاحب کو کیونکر ہوا۔ امام صاحب نے جن مہمات کو اپنا ضروری فرض قرار دیا تھا، اُن میں صحیح حدیثوں کا انتخاب اور تنقیدی نظر سے جانچنا سب سے اہم تھا، اس کے لیے جہاں اور چیزوں کی ضرورت تھی، ایک ضروری فن، فن تاریخ الرجال بھی تھا، امام صاحب سے پہلے کذاب، وضاع، افتراپردازوں کی ایک جماعت قائم ہو چکی تھی، اس تدوین فن الرجال کی بدولت سینکڑوں افترا پردازوں کے راز فاش ہو گئے، اور ہزاروں غلط واقعات کی قلعی کھل گئی، اس فن کی تدوین سے پہلے مفترین واقعات و روایات تیار کرتے اور خوش اعتقاد لوگ مان لیتے، اسی طوفان بے تمیزی نے امام صاحب کو فن تاریخ کے اس خاص

ع حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے "اول من جمع کلامہ فی ذلک یحییٰ بن سعید القطان" یعنی اول جس نے اس فن میں کتاب جمع کیا وہ یحییٰ بن سعید قطان ہیں لیکن واضح ہو کہ وہ باقاعدہ تصنیف نہ تھی ۱۲

شعبہ کی طرف متوجہ کیا اور امام صاحب نے تاریخ کبیر۔ تاریخ اوسط۔ تاریخ صغیر لکھی۔ ایک اعتبار سے اس فن کی یہ اول تالیفات ہیں اسی واسطے امام اسحٰق بن راہویہ نے تاریخ کبیر دیکھی تو فریفتہ ہو گئے اور امیر طاہر خلیفہ کے دربار میں پیش کر کے فرمایا الا اریک سحرا؛

امام صاحب نے اس فن کی تدوین سے صرف فن حدیث ہی کی خدمت نہیں کی بلکہ دنیا پر ایک احسان عظیم کیا۔ آنے والی نسلوں کو تاریخ کے ایک خاص شعبہ کی طرف متوجہ کر گئے، امام صاحب کے نشان قدم پر سینکڑوں تصنیفیں لکھی گئیں، اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، مسلمانوں کے علاوہ اہل یورپ نے اس کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ اسلام کے ساتھ جہاں بہت سی خصوصیات وابستہ ہیں، ان میں ایک خصوصیت اس فن کی تدوین بھی ہے، اس فن کی برکتوں کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے کیا جا سکتا ہے؛

ابو المحاسن وغیرہ امام ابو حنیفہؒ کی سیرت میں ذیل کا واقعہ لکھتے ہیں، جو فقہائے حنفیہ میں بلا نکیر شہرت پذیر ہے؛

امام ابو حنیفہؒ کو حماد بن ابی سلیمان کے بعد کوفہ کی مسند درس پر بٹھایا گیا تو آپ نے بمشکل قبول فرمایا انہیں دنوں خواب میں دیکھا کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھود رہے ہیں۔ ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری نا قابلیت کی طرف اشارہ ہے، امام ابن سیرین علم تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے۔ انہوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے۔ امام صاحب کو تسکین

ہوگئی، اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہوگئے۔ اس واقعہ میں (۱) امام ابو حنیفہ کا بعد انتقال حماد بن ابی سلیمان ان کی مسند درس پر بیٹھنا (۲) خواب دیکھنا (۳) امام ابن سیرین سے تعبیر پوچھنی یہ تین باتیں مذکور ہیں، حماد بن ابی سلیمان کا انتقال سنہ ۱۲۰ ہجری میں ہے اس کے دس برس قبل سنہ ۱۱۰ھ میں امام سیرین کا انتقال ہوچکا تھا اس لیے یہ واقعہ تاریخی حیثیت سے جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ بلا تامل یہ تسلیم کرلیا جائے کہ امام ابو حنیفہؒ نے خواب دیکھنے سے دس برس پہلے تعبیر پوچھ لی ہو۔ ؎

؎ اسی طرح ہمعصر شمس العلما نعمانی صاحب نے امام ابو حنیفہؒ کی تدوین فقہ کا طریقہ بتایا ہے جس کو ہمعصر موصوف نے گو ابو المحاسن ہی سے نقل کیا ہے لیکن اپنی سحر بیانی کا اس پر نیا رنگ چڑھایا ہے۔ ہم عصر موصوف کے الفاظ یہ ہیں، یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، قاضی ابو یوسف، داؤد طائی، حبان، مندل حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے، امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے، قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب و عربیت میں کمال تھا، امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی، اس کام میں کم و بیش تیس ۳۰ برس کا زمانہ صرف ہوا، یعنی سنہ ۱۲۰ ہجری سے سنہ ۱۵۰ تک۔

ہم عصر موصوف کے اس بیان کردہ واقعہ کو مشہور مناظرہ علامہ رحیم آبادی نے اسی فن تاریخ الرجال کے معیار سے اس طرح جانچا ہے کہ امام محمد کی ولادت علی اختلاف الروایات سنہ ۱۳۲ خواہ تیس یا سنہ ۱۳۱ ہے دیکھو ابن خلکان، امام محمد قبل ولادت سنہ ۱۲۰ میں اس مجلس میں کیونکر شریک ہوئے؟ قاضی ابو یوسف سنہ ۱۱۳ یا سنہ ۱۱۷ میں پیدا ہوئے، اس حساب سے اُن کا سن سنہ ۱۲۰ ہجری میں آٹھ سات برس کا ہوتا ہے۔ بالخصوص جبکہ امام ابو یوسف افلاس کے باعث معاش کی فکر میں رہا کرتے بہت پیچھے پڑھنا شروع کیا، پھر سنہ ۱۲۰ میں اس مہتم بالشان مجلس کے ممبر کیونکر ہوئے؟ امام زفر سنہ ۱۱۰ میں پیدا ہوئے، اس حساب سے ان کا سن سنہ ۱۲۰ میں دس گیارہ برس کا تھا۔ ان کا اس مہتم بالشان مجلس میں شریک ہونا محض خلاف عقل و خلاف درایت ہے۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اس سے فنِ تاریخ الرجال کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے! امام بخاری کی باریک بین نگاہ نے اس کو ضروری سمجھ کر ان کو پہلے اسی کی طرف متوجہ کیا اور پہلے ہی سفر میں مدینہ پہنچ کر قبل تالیف صحیح بخاری اسی کی تدوین میں مصروف ہوئے، اور تاریخ کبیر کا مسودہ لکھا۔

(۴) ایک بڑی خصوصیت امام بخاری کی یہ ہے کہ اگلے فقہائے محدثین مجتہدین وغیرہ اپنی تالیفات کی بنا یا تو صرف ابواب فقہیہ پر رکھتے یا رقاق پر یا عبادات یا غزوات یا طب یا عقائد وغیرہ پر یا ان میں کی چند باتیں جمع کرتے،

امام بخاری کی سب سے پہلی یہ تالیف ہے جو باوجود التزام صحت و تشدد و شرائط کے تمام فنون اسلامیہ کی جامع ہے، اس کے بعد بہت سے مؤلفین نے امام صاحب کا خاکہ اڑایا مگر ؎

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تشدد صحت، دقت نظر، جودت فقاہت وغیرہ تو درکنار، اس قدر فنون بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) احمان نے ۱۸۱ھ یا ۱۸۰ھ میں وفات پائی اور وفات کے وقت ان کا سن ساٹھ برس کا تھا اس حساب سے ۱۲۱ھ میں ان کا سن آٹھ برس کا ہوتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ۱۲۱ھ میں آثار و حدیث میں کمال رکھتے تھے۔ یحییٰ بن ابی زائدہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ پھر ان کی شرکت سے ۱۲۱ھ میں وہ مجلس کیونکر ترتیب دی گئی معصر موصوف کا یہ لکھنا کہ ان لوگوں کی شرکت سے امام صاحب نے ۱۲۱ھ میں وہ مجلس مرتب کی اعجوبہ نہیں تو اور کیا ہے، حالانکہ مذکورین بالا میں دل کے سنین ولادت بھی آپ نے لکھے ہیں، افسوس ہے فن تاریخ کا فلسفہ داں ہو کر آپ نے اس مجلس تدوین فقہ کو تنقیدی نگاہ سے نہ جانچا بلکہ نہایت فصاحت و سحر بیانی سے اس کو فقط چمکا دیا ۱۲ منہ حواشی صفحہ ۱۲ مقدمۃ الفتح ۱۷۔

وہ اکھٹے نہ کر سکے۔ صحیح بخاری ہی ایک ایسی کتاب ہے جس پر صحیح اور جامع دونوں کا اطلاق صحیح ہے، جامعیت کی یہ حالت ہے کہ کیفیت وحی اور ابتدائے وحی (جس سے اسلام کی بنا قائم ہوتی ہے) سے لے کر تمام فنون عقائد، عبادات معاملات، سیر، بدء العالم، غزوات، تفسیر، فضائل، طب، آداب، رقاق، توحید، وغیرہ اس طرح ۴۵ فنون اسلامیہ کی جامع کتاب لکھی، ملکی، سیاسی قوانین کے علاوہ روزمرہ کے جزئی معاملات کس طرح روشن اور صاف دلائل سے مستنبط کئے۔ غرض بعد کتاب اللہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو دین اور دنیا دونوں کے معاملات کو سلجھاتی ہے، اور مصنف کے تمام فنون میں قابلیت کی شہادت دیتی ہے، ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ امام بخاری سہو اور نسیان سے پاک تھے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خود امام صاحب نے اس تالیف کو بڑے بڑے نقادان فن امام احمد بن حنبل، ابن معین، علی بن مدینی اور ان کے معاصرین پر پیش کیا، ان لوگوں نے ایک ایک حدیث جانچ کر صحت پر اتفاق کیا۔ اسی طرح امام بخاری کے بعد تمام ماہرین فن حدیث نے جن کا تبحر مسلم تھا مجموعی قوت سے اس کے ایک ایک لفظ کو جانچا۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ اس کے ایک ایک موضوع پر مستقل تصنیفیں لکھیں اور کسی ایسے مقام کو جہاں ذرا بھی رکنے کی جگہ ہو فنون حدیثیہ کی کسوٹی پر کس کر مستقل بحث لکھے بغیر نہ رہ سکے تو اب وہ لوگ جو اس فن سے نابلد ہیں، جن کے دماغ نکات حدیثیہ کی سطح تک بھی نہیں پہنچتے اگر صحیح بخاری کی عام مقبولیت پر شور و شغب مچائیں تو کب قابل التفات ہے ؎

مہ نور می فشاند و سگ بانگ می زند

(۵) امام بخاری کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ قرآن اور واقعات حدیثیہ سے فن حدیث کے اصول وضوابط کو مستحکم کرنا چاہیے۔ علم حدیث کے بہت سے اصول گو رائج ہو گئے تھے لیکن ان کو باضابطہ فن بنا کر اور استدلال کی کسوٹی پر جانچ کر پیش کرنا اب تک مروج نہیں تھا امام صاحب نے جامع صحیح میں ان اصول کو مستحکم کرکے باضابطہ فن کی صورت میں پیش کیا۔ اس کی بعض مثالیں یہ ہیں مثلاً حدیث لینے کے دو طریقے پہلے سے چلے آتے تھے ایک یہ کہ محدث پڑھے اور طالبین سنیں (۲) دوسرے یہ کہ خود طالب حدیث سنائے اور استاد سنتا جائے اور نعم، ہاں کہتا جائے اس میں محدثین کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت جن میں حسن بصری، سفیان ثوری، امام مالک وغیرہ جیسے کامل الفن ہیں کہتی ہے کہ اگر طالب پڑھے اور محدث سن کر نعم یا ایسا ہی کوئی لفظ کہہ دے جس سے تسلیم کرنے کے معنی نکلتے ہوں تو شاگرد حدثنا فلاں کہہ سکتا ہے اور اس سے حدیث اور سلسلہ سند کے استحکام میں کوئی خلل نہیں پیدا ہو سکتا دوسری جماعت اس کی مخالف تھی۔ امام بخاری نے اخذ کے دونوں طریقوں کو جائز ثابت کیا۔ اور باب اس طرح منعقد کیا القراءۃ والعرض علی المحدث اور دونوں دعووں کو بڑے واضح طریقہ پر ثابت کیا۔

اسی طرح ایک مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ کی سماعت حدیث معتبر ہے یا نہیں اور معتبر ہے تو کس سن سے۔ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ امام المحدثین نے دو صحابیوں (ابن عباس محمود بن الربیع) کی سنی ہوئی حدیثوں سے جو بالاتفاق مقبول ہیں، اس کی مقبولیت کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن ساتھ اس کے دوسرا باب منعقد کیا والفہم فی العلم جس سے اشارہ ہے کہ فہم شرط ہے اور فہم کے مدارج

مختلف[1] ہوتے ہیں۔

اسی طرح مناولہ کی ایک صورت محدثین میں مروج تھی کہ اپنی مرویات کو طالب کے حوالے کردیتے اور روایت کی اجازت دے دیتے۔ ایک جماعت اس کی منکر تھی، امام المحدثین نے اس کو متعدد دلیلوں سے ثابت کیا اور باب اس طرح منعقد کیا:

باب مایذکر فی المناولۃ وکتاب اھل العلم بالعلم الی البلدان

ایک مسئلہ کتابت حدیث کا ہے۔ بعض محدثین صحیح مسلم کی حدیث کی وجہ سے کتابت حدیث کے مخالف تھے، امام المحدثین نے اس کے لیے باب منعقد کیا باب کتابۃ العلم اور کتابت حدیث کے جواز کو متعدد دلیلوں سے ثابت کیا۔

ایک مسئلہ بڑا مہتم بالشان یہ ہے کہ خبر واحد[2] سے استدلال صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو کن کن حالتوں میں صحیح ہے اور قیاس سے خبر واحد رد کردی جاسکتی ہے یا نہیں یہی ایک مسئلہ ہے جو فقہائے اہل الرائے کو فقہائے محدثین سے عملاً الگ کرتا ہے امام صاحب نے اس کے لیے باب بایں تعمیم منعقد کیا۔ باب ما جاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلوٰۃ والصوم والفرائض والاحکام

خبر واحد کی مقبولیت پر قرآن سے استدلال قائم کرنے کے بعد اس کثرت سے حدیثیں پیش کیں کہ جو انفراداً تو خبر واحد ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے متواتر۔ پس اصل استدلال تواتر معنوی سے ہوا۔ امام صاحب نے خبر واحد کی مقبولیت میں اس کثرت سے واقعات

---

[1] یوقت دیکھئے اس واقعہ کے جس کے وہ راوی ہیں محمود بن الربیع کا سن پانچ برس کا تھا اس سے معلوم ہوا کہ پانچ برس کے لڑکے کا سماع معتبر ہے بشرطیکہ فہم رکھتا ہو پس اصل تحدید فہم پر ہے اگر اس سن میں فہم حاصل نہیں تو اس سن کے سماع کا اعتبار نہیں ۱۲
[2] وہ حدیث جس کی سند زیادہ سے زیادہ تین تک ہو ۱۲

اس لیے پیش کئے کہ بعض کوتاہ بین کے اس خدشہ کو دفع کریں جو انہوں نے حدیث سے استدلال قائم کرنے پر پیش کیا تھا کہ خبر واحد کی مقبولیت پر خبر واحد ہی سے استدلال پیش کیا گیا ہے۔ لہذا یہ استدلال مستلزم دور کا ہے اور اس وجہ سے یہ استدلال ناتمام ہے۔ در حقیقت خبر آحاد سے احتجاج کا مسئلہ نہ تو پہلے کوئی پیچیدہ مسئلہ تھا نہ اب ہے لیکن خبر واحد کی مقبولیت پر امام صاحب نے اسی وجہ سے زور دیا کہ امام صاحب کے زمانہ میں فقہائے اہل الرائے میں قیاس کا بڑا رواج ہو گیا تھا۔ صرف قیاس ہی تک محدود ہوتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ ان کو اپنے ائمہ کی رائے پر وثوق کامل پھر اس پر ان کے تخریجی اصول کی پابندی، ان وجوہات سے ان کے مسائل مستخرجہ کو احادیث نبویہ سے بہت بعد ہوتا گیا۔ اور جس قدر تخریج کے بعد تخریج در تخریج کی نوبت پہنچی اس بعد میں ترقی ہوتی گئی۔ جب مجتہدین محدثین ان پر مخالفت کا اعتراض کرنے لگے تو ایک اصول گھڑ کر آڑ بنا یا کہ خبر آحاد سے زیادت عـــہ علی الکتاب ناجائز ہے۔ اس کا یہ مطلب لیتے کہ خبر آحاد سے عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید وغیرہ نہیں ہو سکتی، اہل الرائے کے علاوہ اور بہت سے لوگ تھے جو خبر واحد کی مقبولیت اور اس سے استدلال

عـــہ چونکہ اہل الرائے نے اپنے مسائل مستخرجہ کے بعد محض آڑ بنانے کی غرض سے یہ اصل قائم کیا تھا اس لیے ایک نہیں ان کے سینکڑوں مسلمہ مسائل پر اس قاعدہ سے اعتراض گر گئے لیکن فریق کے اعتراض کے جواب میں انھوں نے ہر جگہ یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ حدیث آحاد سے نہیں ہے بلکہ مشہور ہے لیکن اس دعویٰ کو ثابت نہ کر سکے اس لیے محققین متاخرین اہل الرائے نے خود انصاف سے اس دعویٰ کو اکثر جگہ نامقبول ٹھہرایا حیرت تو اس پر ہے کہ باوجود یہ قاعدہ مقرر کرنے کے اہل الرائے نے خبر واحد تو درکنار قیاس سے زیادہ علی الکتاب کر دی اس بحث کو علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور اس کی پچاسوں نظیریں پیش کی ہیں ۱۲ منہ

کرنے پر بڑے بڑے شکوک پیدا کرتے۔ جن کا نام آگے چل کر اصول درایت رکھا گیا اور نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا،

امام صاحب نے مذکورہ بالا باب کے علاوہ اور بھی کئی باب منعقد کئے جو اسی کی تائید کرتے ہیں ایک باب منعقد کیا باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم الزبیر طلیعۃ واحدۃ پھر تیسرا باب لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم فاذا اذن لہ واحد جاز چوتھا باب یہ ہے باب ما کان یبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الامراء والرسل واحدا بعد واحد اخیر میں ایک باب خبر المرأۃ الواحدۃ منعقد کیا جس سے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ حدیثوں کی مقبولیت کی طرف اشارہ ہے جس پر عورتوں کے بے شمار مسئلے موقوف ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی چند بابوں میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے باب ھل یجوز للحاکم ان یبعث رجلا واحدا وھل یجوز ترجمان واحد ان کل ابواب کو امام صاحب نے بکمال وضاحت۔ شفاف طریقہ پر ثابت کیا جو امام المحدثین کی خداداد فقاہت کا حصہ ہے،

ان کے علاوہ امام المحدثین نے طالب حدیث اور محدث کے وہ آداب جو اب اصول حدیث کی کتابوں میں ضبط کر دیئے گئے ہیں مفصلاً بیان کئے ہیں مثلاً، ضرورت کے وقت محدث طالب حدیث پر غصہ کر سکتا ہے، اسی طرح راہ میں حدیث بیان کرنا، ایک حدیث کو تین تین بار بیان کرنا، ذہن نشین کرنا، باندازۂ عقل بیان کرنا، سواری پر حدیث بیان کرنا، عورتوں کو حدیث نبوی کی تعلیم دینی ان کے لیے ایک خاص دن مقرر کرنا، فہم کا امتحان کرنا، حدیث کے لیے سفر کرنا، فقہ الحدیث کا باوقعت ہونا، احادیث کو اس وقت تک بیان کرنا جب تک طالب گھبرائے نہیں۔ اس طرح کے

بہت سے آداب اور اصول بیان کئے ہیں:۔ اسی طرح ایک مسئلہ یہ ہے کہ رواۃ حدیث کبھی روایت میں اخبرنا کہتے ہیں کبھی حدثنا۔ پس ان دونوں میں کچھ فرق ہے؟ یا یہ دونوں ایک ہیں؟ امام بخاری نے ثابت کیا کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ اس کو اس واقعہ سے ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہیلی بجھائی تھی جس کے طرق جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا لفظ صحابی کبھی تو حدثونی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں کبھی اخبرونی سے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ایک معنی میں آتے ہیں۔ اسی طرح ایک شعبہ خاص فن حدیث کا یہ ہے کہ مخالفین احادیث نبویہ جو اپنی وہم پرستی سے علاوہ روایت کے حدیث کے مضامین پر اعتراضات کرتے ہیں اس کی تشفی کی جائے۔ جس کا نام فن تفسیر حدیث یا فن تاویل مختلف الحدیث ہے۔ ایسے لوگوں کے اعتراضات کی بنا یا تو یہ ہوتی ہے کہ یہ حدیث عقل کے خلاف ہے جیسے معراج جسمانی کی حدیث یا معجزات کی حدیثیں (اسی طرح کے اعتراضات قرآن پر بھی کئے گئے ہیں) دوسرے یہ کہ یہ حدیث فلاں آیت کی مخالف ہے، یا فلاں حدیث کی مثلاً صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہوا لا تفضلوا بین انبیاء اللہ یعنی نبیوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو بظاہر یہ حدیث آیۂ کریمہ (تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض) کے مخالف ہے۔ امام بخاری کو گیارہ سو برس پہلے یہ موضوع خیال میں آیا کہ ظاہر پرست لوگ ایسا اعتراض کرسکتے ہیں اس کے لئے امام بخاری نے صحیح بخاری کا ایک حصہ[عہ] وقف کر دیا۔

عہ اسی واقعہ میں غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس موقعہ پر منع فرمایا تھا وہ موقعہ یہ تھا کہ ایک مسلمان اور یہودی میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ یہودی نے کہا والذی اصطفی (باقی برصفحہ آئندہ)

فقہ

امام بخاری کے لیے افقہ الناس یا سید الفقہاء یا امام الدنیا فی الفقہ کا

(بقیہ صفحہ سابقہ) موسیٰ علی العالمین اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ کو دنیا کے کل بشر پر فضیلت دی ہے مسلمان نے کہا والذی اصطفیٰ محمدا علی العالمین غصہ بڑھا تو نوبت زدوکوب کی پہنچی اس پر آپ نے فرمایا لا تفضلوا بین انبیاء اللہ مطلب یہ تھا کہ بحیثیت نفس رسالت سب برابر ہیں لا نفرق بین احد من رسلہ فضیلت دینے میں ایک کی کم قدری کرنی جیسا کہ تم سے واقع ہوا مناسب نہیں۔ قرآن نے اجمالاً بتایا کہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے لیکن تم اپنے قیاس سے بالخصوص نہیں بتا سکتے کہ خاص فلاں پیغمبر کو فلاں پیغمبر پر فضیلت ہے اور خاص فلاں بات میں ہے یا ہر طرح ہے اور ہر بات میں اس کی تفصیل قیاس و رائے سے نہیں ہو سکتی پس درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم قدری کرنے اور رائے و قیاس لگانے سے منع فرمایا اس کے متعلق زیادہ تفصیل ہم امام بخاری کی فقاہت و اجتہاد کے بحث میں لکھیں گے کیونکہ اس کو زیادہ تعلق فقاہت سے ہے اس موضوع پر امام بخاری کے شاگرد عبداللہ بن مسلم دینوری نے ایک مستقل تالیف لکھی جس کا نام تاویل مختلف الحدیث ہے یہ نادر تالیف طبع ہو کر شائع ہو گئی ہے

تنبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی خدمت میں جس اہتمام و احتیاط و تشدد سے عامۃً اہل سنت اور خاصۃً امام بخاری اور ان کے اساتذہ و تلامذہ نے کام لیا اور حدیثوں کے جمع کرنے اور پھیلانے میں بلیغ سعی اور جان توڑ کوششیں کیں ان کو دیکھتے ہوئے ایک ضروری بحث یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ آیا دوسری ملت والوں نے یا مسلمانوں ہی میں دوسرے فرقوں نے اپنے رسول اور نبی کے اقوال و احوال و احکام کے ساتھ بھی کچھ کیا یا نہیں اور کیا تو کیا کیا۔ یہ بحث جس قدر طویل ہے اسی قدر کارآمد بھی ہے۔ گو ہم نے اس بحث کو بخوف طوالت حصہ ثالثہ کے لیے رکھا ہے تاہم کسی قدر اجمالاً عرض کر دینا ضرور ہے۔ وبضدھا تتبین الاشیاء یعنی چیزوں کی قدر اسکے مقابلے ہی سے کھلتی ہے یہودیوں عیسائیوں گبریوں آریوں ہندوؤں (اسی طرح اور کتنے فرقے ہیں) کو تو چھوڑ دو (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

لقب۔ امام طور پر ایسا ہی غیر یا توں خیال کیا جائے گا جس طرح امام ابو حنیفہؒ کے لیے اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونے کا لقب۔ حالانکہ امام بخاری کے افقہ الناس، یا سید الفقہاء سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کیونکہ جن کتابوں کی نسبت ان کے یہاں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ فلاں کتاب خدا کی دی ہوئی ہے ان کی حالت ایسی زلمعدہ ناگفتہ بہ ہے کہ اس کی طرف توجہ کرنی ہی بے حاصل ہے تحریف اور اقراری تحریف کے علاوہ ان کتابوں میں یہ بھی نہیں ہے کہ یہ کتابیں کس نے اتاریں اور کس پر اتریں اور کس سلسلہ سے پہنچیں اور ان کی حالت کیا ہے، اندرونی مضامین کی جو حالت ناگفتہ بہ ہے وہ ان کے علاوہ ہے بلکہ مسلمانوں ہی کے فرقوں کو دیکھو بالخصوص شیعہ کی طرف نظر اٹھاؤ کیونکہ دریدہ دہنی اور اعتراضات کرنے میں یہ فرقہ آریوں کے مقدم ہے اس سے پوچھو کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے، تو سوائے اس کے کہ تابعی (امام باقرؒ) اور تبع تابعی (جعفر صادق) کے اقوال اور انہیں کی باتیں پیش کریں اور کچھ نہیں کر سکتے۔ خود قرآنؑ میں اہل سنت کے محتاج ہیں۔

شیعوں کی احادیث جانچنے کیلیے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے

(۱) موضوع فن حدیث (۲) فن حدیث کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز کیا ہے (۳) حدیث لینے والے راویوں کی حالت اور حدیث لینے کا طریقہ (۴) شیعوں کی کتابیں جن کو یہ لوگ ائمہ معصومین سے ماخوذ بتاتے ہیں انکی کیا حالت ہے اور جامعین کتب کیسے تھے (پہلی بحث) (۱) شیعوں کی احادیث کا سلسلہ چونکہ بالتشن نے شاذ و نادر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا ہے جو بالاتفاق معصوم ہیں اور جن کا قول و فعل حجت شرعی ہے۔ بلکہ آپ کی امت کے چند بزرگوں تک پہنچتا ہے جو تابعی ہیں یا تبع تابعی اور شیعوں کے نزدیک (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

؎ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ بجز حضرت علیؓ کے اصلی اور کامل قرآن کسی نے نہیں جمع کیا اور وہ بارہ ائمہ شیعہ کے پاس چھپا رہا۔ ہاں نے کسی کو نہیں دکھایا اب غار والے امام کے پاس ہے وہ لے کر نکلیں گے۔ ائمہ شیعہ اور علمائے شیعہ کا اقرار ان کی معتبر حدیث کی کتابوں میں موجود ہے اس کی مکمل اور قابل دید بحث مناظرہ سنبھل اور مصنفہ مولوی عبدالشکور ایڈیٹر رسالہ نجم لکھنؤ میں شائع کی ۱۲ منہ

ملقب ہونے کے لیے کسی خارجی شہادت کی ضرورت نہیں "لیس الخبر کالمعاینہ" امام بخاری کا دقیقہ سنج اور دقت نظری کی بین شہادتیں مردہ و عورت سب ہی اب تک موجود ہیں۔ جن کا سلسلہ امام بخاری تک ہزاروں طرق سے پہنچتا ہے۔ اس وجہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مثل رسول کے معصوم ہیں۔ ان کا قول فعل بھی مثل رسول کے حجت شرعیہ ہے اور فن حدیث کا **موضوع** ان کے مذہب میں علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کی امت کے چند بزرگ بھی ہیں۔ لہذا شیعوں کی حدیثوں کا ثمرہ قابل اعتبار ہونا عصمت ائمہ پر موقوف ہے جس کو کسی شیعہ نے آج تک ثابت نہیں کیا نہ تا قیامت ثابت کر سکتا ہے۔ شیعوں نے جس قدر دلائل عصمت ائمہ کے پیش کئے ہیں اور ان کے بڑے بڑے منطقیوں (مثل امام اعظم علی وغیرہ نے بے سر و پا مقدمات ترتیب دیے ہیں ان کی حالت دیکھنا ہو تو مناظرہ حصہ سوم اور منہاج السنۃ اور مجموعہ فتاوی علامہ شوکانی متعلقہ عصمت اہل بیت دیکھیو۔ چونکہ عصمت ائمہ مثل رسول کے اور ان کا درجہ مثل رسول کے ثابت نہ ہوا اس لیے شیعوں کی باستثنائے چند کل حدیثیں بے اعتبار ہیں۔ بخلاف اہل سنت کے کہ ان کے یہاں موضوع فن حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے،

(دوسری بحث) (۲) فن حدیث کے لیے صدق و دیانت لازم اور واجب ہے بغیر صدق و دیانت کے فن حدیث قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ اور شیعوں کے راویوں میں صدق و دیانت اس طرح معدوم ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اصول کافی کی روایت (جو سب سے اصح اور بخیال ان کے امام معصوم (جو مثل رسول تھے) کی جانچی ہوئی کتاب ہے) مذکور ہے کہ خود ائمہ نے نام لے لے کر اپنے اصحاب و (شاگردوں) کے کاذب ہونے کی شہادت دی ہے۔ زرارہ جو اصدق الصادقین مذہب شیعہ میں ہے اس کو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جھوٹا ہے اور مجھ پر جھوٹ جوڑتا ہے (دیکھو اصول کافی) اور ابو الجارود جو بڑے پایہ کا راوی ہے اس کی امام جعفر صادق نے یہ تعریف کی ہے "کذاب مکذب" باوجود اس تصریح کے شیعہ ان کی حدیثیں لیتے ہیں ان پر عمل کرتے ہیں ان کو اصح الاحادیث کا خطاب دیتے ہیں۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

کوئی ضرورت نہیں ہے کہ زود طبیعتی سے برجستہ جوابات کے دل خوش کُن قصے تصنیف کر کے امام بخاری کی طرف منسوب کئے جائیں (جیسا کہ عموماً معتقدین کا قاعدہ ہے) نہ سیرت الفقہ کی تصنیف کی ضرورت ہے۔ تاہم ان لوگوں کے لیے جن کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور امام کے قول کا اعتبار نہیں کرتے اس سے اور ترقی یہ ہے کہ ائمہ کو اپنے شاگردوں کے کثرت کذب پر تعجب ہوتا تھا اور فرماتے تھے گیا اللہ نے ان پر فرض کر دیا ہے کہ ہم پر جھوٹ جوڑا کریں۔

(تیسری بحث ۳) ائمہ کے اقوال (جو شیعوں کی اصطلاح میں احادیث ہیں اور ان کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کے برابر ہے) جو شیعوں نے روایت کیے ہیں ایک دوسرے کے متناقض ہیں۔ ایک امام کے قول کو دوسرے امام کے قول سے ملا کر دیکھو تو عجیب قدرت خدا یاد آتی ہے۔ بلکہ ایک ہی امام کے اقوال کو باہم ملاؤ تو اس قدر تعارض اور تناقض ہے کہ خود محدثین شیعہ کے حواس درست نہیں رہتے محدثین شیعہ نے اس کی بہت سی وجہیں تراشی ہیں لیکن سر کیا ہے بات جہاں بات بنائے نہ بنے (۱) کہیں تو یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے ائمہ کے اوپر جھوٹ جوڑا گیا ہے اور یہ اختلافات و تعارضات اسی وجہ سے پیدا ہوگئے ہیں (۲) کبھی یہ کہتے ہیں کہ ائمہ تقیہ کی حالت میں خلاف اپنے مذہب کے فتویٰ دیا کرتے تھے اور یہ اختلافات اسی وجہ سے پیدا ہوگئے ہیں (۳) کبھی یہ بات بناتے ہیں کہ ائمہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے عمداً متناقض اور مختلف باتوں سے اپنے شیعوں میں اختلاف ڈال دیا ہے۔ اس مصلحت سے کہ اگر وہ سب ایک بات پر متفق ہو جائیں گے تو لوگ ان کو ہم سے روایت کرنے میں سچا سمجھ لیں گے اور یہ روایت میں سچا سمجھا جانا ہمارے لیے بھی مضر ہے اور ہمارے شیعوں کے لیے بھی۔ یہ سب وجوہات صحیح مانو جب بھی غرض کچھ بھی کہو لیکن نہ ہو ہر حالت میں شیعوں کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں رہیں شیعوں کی احادیث میں اختلاف اس درجہ تک پہنچا ہوا ہے کہ ان کے محدثین اپنی کتابوں میں اس کا رونا روتے ہیں۔ مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اساس الاصول صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں ان الاحادیث الماثورۃ عن الائمۃ مختلفۃ جدا لا یکاد یوجد (باقی بر صفحہ آئندہ)

دماغ، جن کی طبیعتیں اقوال الرجال کی خوگر ہیں۔ اس عینی شہادت کے علاوہ کتب اسماء رجال اور مستند تواریخ میں بکثرت شہادتیں موجود ہیں۔ صرف ان مستند نقاد محدثین و شیوخ کے اقوال جمع کئے جائیں جن کا فضل و کمال مسلم ہے تو ایک بسیط کتاب بن جائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حدیث الا و فی مقابلتہ ما ینافیہ ولا یتفق خبر الا و بازائہ ما یضادہ حتی صار ذلک سببا لرجوع بعض الناقصین عن اعتقاد الحق۔ یعنی حدیثیں جو ائمہ سے مروی ہیں ان میں باہم بہت اختلاف ہے کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس کے مقابلہ میں اس کے خلاف حدیث نہ ہو کوئی خبر ایسی نہیں جس کے مقابلہ میں اس کے کوئی منافی حدیث نہ ہو یہاں تک کہ یہ اختلاف بعض ناقص لوگوں کے مذہب شیعہ سے پھر جانے کا سبب ہوگیا

(چوتھی بحث) (۴) (۱) تقیہ کے معنی جھوٹ بولنا یا خلاف اپنے اعتقاد کے کوئی بات کہنا یا کوئی کام کرنا (۲) تقیہ ہر شیعہ پر فرض عین ہے جو نہ کرے وہ بے دین بے ایمان ہے (۳) تقیہ ہر ضرورت کے موقع پر ضروری ہے اور ضرورت کی تشخیص ہر شخص کی رائے پر ہے تیسری بات کے متعلق مناظرہ حصہ چہارم میں تقریباً چالیس مواقع ائمہ کے تقیہ کرنے کے شیعوں کی صحیح ترین کتب سے نقل کئے گئے ہیں جن میں ذرہ برابر ضرورت تقیہ کی نہیں معلوم نہ کسی شیعہ کے امکان میں ہے کہ ان مواقع میں ضرورت کا شائبہ بھی بیان کر سکے۔ پس باوجود تقیہ کے یا بالفاظ دیگر اس کثرت و شدت کذب کے شیعوں کے راوی تو درکنار ان کے ائمہ کے اقوال (جو حدیث ہیں) کیونکر قابل اعتبار ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے جن کو ہم ان کا اصلی مذہب سمجھیں وہ انہوں نے تقیہ میں کہا ہو اگر جادلہ اور مکابرہ سے کام نہ لیا جائے تو شیعوں کو کسی طرح مفر نہیں۔ کیا اس کا جواب حضرات شیعہ دے سکتے ہیں کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہاں دروغ گوئی کا رواج نہیں اور دروغ گوئی ہمارے یہاں اعلیٰ درجہ کی عبادت نہیں۔ اگر ایسا کہیں تو یقیناً انہیں اپنی تمام کتابوں کی تکذیب کرنی پڑے گی۔ کیونکہ احادیث ان کا

عہ یہ وہ معنی ہے جس پر شیعوں کا عمل درآمد رہا جس کے سینکڑوں ثبوت ان کی حدیثوں کی کتابوں میں موجود ہیں ۱۲ عہ اصول کافی ۱۲ عہ از مولوی عبدالشکور صاحب ایڈیٹر النجم ۱۲

امام اسحاق بن راہویہ۔ محمد بن بشار جن کا لقب بندار ہے۔ امام دارمی علی بن مدینی۔
امام ابو حاتم رازی۔ قتیبہ بن سعید۔ امام ابو بکر بن ابی شیبہ۔ علی بن حجر ابو سہیل فقیہ۔
اسماعیل بن ادریس۔ امام احمد بن حنبل۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے کمالات علمیہ کا چار دانگ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تو کیا ذکر خود حضرات ائمہ شیعہ کی دروغگوئی کے صدہا ہزار ہا واقعات شیعوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور تقریباً پچاس واقعات اس قسم کے مناظرہ حصہ چہارم میں نقل کر دیے گئے ہیں۔ آیا حضرات شیعہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دروغگوئی کا نام تقیہ ہم نے نہیں رکھا ہے۔ دروغگوئی اور تقیہ میں کچھ فرق ہے اگر ایسا کہیں تو ان کو اپنی مسلم الصحت احادیث کے ایک بڑے ذخیرہ کو جس کے نکل جانے سے ان کے مذہب کی خیر کسی طرح قائم نہیں رہ سکتی دریا برد کرنا پڑے گا۔ کیا حضرات شیعہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس دروغگوئی نے کوئی برا اثر احادیث کے اعتبار پر نہیں ڈالا اگر ایسا کہیں تو بداہت کے مان سکتا ہے ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جھوٹ بولنے سے آدمی کا اعتبار جاتا رہتا ہے اور جھوٹے کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں ہوتی استبصار[1] میں اختلاف روایات کے رفع میں اکثر یہی طریقہ اختیار کیا ہے ہذا محمول علی التقیۃ یعنی یہ بات جھوٹ ہے امام نے تقیہ سے فرمایا تھا۔

(پانچویں بحث) (۵) شیعوں کے بیان کے موافق ائمہ کی یہ عادت تھی کہ اگر کوئی بد مذہب ان سے فتوے پوچھنے جاتا تو وہ اس کو اسی کے مذہب کے موافق فتوے دیتے تھے اور اس کی وجہ علمائے شیعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ائمہ ہر شخص کو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ نجات پانے والا ہے یا ہلاک ہونے والا۔ ہلاک ہونیوالے کو نجات کی باتیں نہیں بتاتے بلکہ ہلاکت ہی کی باتیں تعلیم کرتے ہیں ائمہ کے اس فعل کی وجہ خواہ کچھ ہی ہو ہم تو اس موقع پر یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ ایسے ائمہ کی احادیث اگر رواۃ شیعہ کے دست تصرف سے محفوظ ہوں تو بھی قابل اعتبار نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ ہم جن احادیث کو ان کا اصلی مذہب (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

---

[1] شیعوں کی حدیث کی اعلیٰ ترین ایک کتاب ہے ۱۲۔

عالم میں شہرہ ہے۔ اکثر ان میں وہ ہیں جن کے کمالات علمیہ میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کوئی تو ان میں کا امام بخاری کو سید الفقہا کا لقب دیتا ہے۔ کوئی افقہ خلق اللہ کہتا ہے۔ کوئی فقیہ ہذہ الامۃ کوئی امام مالک سے تشبیہ دیتا ہے۔ کوئی امام احمد

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سمجھتے ہیں ممکن ہے کہ انھوں نے برعایت مذہب فرمایا ہو۔

شیعوں کے اصول اربعہ اور ان کے جامعین کی حالت

(۱) اصول کافی کی حالت :

شیخ صدوق اصول کافی کے جامع ہیں ان کی حرکت یہ تھی کہ جب حدیث کو اپنے مذہب کے خلاف پاتے اسے کانٹ چھانٹ کر اپنے مذہب کے موافق بنا لیتے اور اس کا اقرار خود شیعوں کو ہے۔ ملا باقر مجلسی فرماتے

ہیں۔ ہذا الخبر ماخوذ من الکافی وفیہ تغیرات عجیبۃ تورث سوء الظن بالصدوق وانما فعل ذلک لیوافق مذہب العدل۔ یعنی یہ حدیث کافی سے ماخوذ ہے مگر اس میں عجیب تغیرات ہوئے ہیں جس سے شیخ صدوق کے ساتھ بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ صدوق نے یہ کارروائی صرف اس لیے کی کہ یہ حدیث مذہب شیعہ کے موافق ہو جائے۔ اب فرمایئے کہ جب شیعوں کے محدثین ان میں بھی بہت ہی بلند پایہ محدثین کی یہ حالت ہے تو پھر کیونکر اور کس وجہ سے شیعوں کی کسی حدیث پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

اصول اربعمائۃ

یعنی چار سو کتابیں (خیالی پلاؤ) جس کی تصنیف شیعہ اپنے ائمہ کے زمانہ میں بتاتے ہیں اور چھپے ہوئے قرآن کی طرح ان کا ذکر بھی بڑے فخر و مباہات کے ساتھ کرتے ہیں (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

؎ اس کی مثالیں مناظرہ حصہ چہارم میں دیکھیے۔ مثال میں بڑی پر لطف شیعوں کی حدیثیں ملیں گی ۱۲ منہ

بن حنبل پر ترجیح۔

لیکن یہ صدا ہمارے کانوں میں غیر مانوس معلوم ہو گی۔ کیونکہ وہ فقہ جس سے ہمارے کان آشنا ہیں ان قیاسی مسائل کے انبار کا نام ہے۔ جو کسی امام کے قول کو ماخذ بنا کر اس سے استخراج کئے گئے ہیں۔ یا کسی فقیہ کے قواعد مقررہ پر تفریع کئے گئے ہیں اسی کو آج کل عموماً فقہ کہا جاتا ہے اور اسی تخریج کا نام فقاہت ہے۔ جس سے بڑے بڑے فتاوے طیار ہو کر ملک میں رائج ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ یہ اصول اربعہ (اصول کافی من لایحضرہ الفقیہ استبصار تہذیب) انہیں چارسو کتابوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے مرتب کی گئی ہیں وہ چارسو کتابیں موافق ارشاد ائمہ اور مطابق اقرار علمائے شیعہ کذابین مفترین بے دین کے دست تصرف سے محفوظ نہیں نہ ان کا کوئی انتظام (علمائے اہل سنت کی طرح) کیا گیا بلکہ ان کتابوں میں بہت کچھ تحریف زمانہ ائمہ میں ہو گئی تھی اور بہت سی بیہودہ باتیں ائمہ کی طرف منسوب کر کے ان کتابوں میں بڑھائی گئیں پھر وہ جھوٹی روایتیں ان کتابوں سے الگ نہیں کی گئیں۔ توضیح المقال کے صہ میں ہے اخراج الموضوعۃ منہا ایدینا من الاخبار غیر معلوم وادعاء کما یاتی غیر مسموع۔ نیز اسی صفحہ میں ہے احتمال الوضع قائم فی اکثر الاخبار وجمیعہا وان ضعف فی البعض بقرائن خارجیۃ یعنی جھوٹی حدیثوں کا نکالا جانا ان حدیثوں سے جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں معلوم نہیں اور ایسا دعویٰ لائق سماعت نہیں۔ احتمال جھوٹ کا اکثر حدیثوں میں بلکہ سب میں موجود ہے۔ گو بعض میں بسبب قرائن خارجیہ کے یہ احتمال کذب کمزور ہے۔

یہاں اجمالی بحث کی گئی ہے حصہ ثالثہ میں شیعوں کی حدیثوں پر مکمل تنقید ہو گی انشاء اللہ ۱۲ منہ

افسوس ہے کہ حضرت والد مرحوم کی وفات کے بعد ان کے مسودات میں حصہ ثالثہ کا مسودہ دستیاب نہیں ہوا ہم کو عرصہ کے بعد اس طرف توجہ ہوئی جبکہ ہماری غفلت سے ان کے تصنیفی بیاضات منتشر ہو چکے تھے عبید اللہ رحمانی

امام بخاری کی فقاہت کا اندازہ اُسی وقت کیا جا سکتا ہے کہ فقہ سے کسی قدر مفصل بحث کی جائے اور اہل ملک کے خیالات سے غلط فہمی کا پردہ اٹھا دیا جائے اس لیے ہم یہاں کچھ بسط سے کام لینا غیر مناسب نہیں سمجھتے۔

علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

انقسم الفقه فيهم الى طريقتين طريقة اهل الرأى والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل الحديث وهم اهل الحجاز وكان الحديث قليلا فى اهل العراق لما قدمنا فاستكثروا من القياس ومهروا فيه ولذلك قيل لهم اهل الرأى

متقدمین میں فقہ کے دو طریقے ہو گئے۔ ایک طریقہ اہل الرائے اور قیاسیوں کا وہ عراق (کوفہ وغیرہ) والوں کا طریقہ ہے دوسرا طریقہ اہلحدیث کا اور وہ (مکہ مدینہ) والوں کا طریقہ ہے عراق والوں میں حدیث کم تھی جس کی وجہ ہم نے اوپر لکھی ہے اس لیے انہوں نے کثرت سے قیاس کیا اور قیاس ہی میں ماہر ہوئے ان کا نام اہل الرائے رکھا گیا۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب مصفیٰ شرح موطا میں لکھتے ہیں۔ باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل وفتاوی بر دو وجہ بودند یکے آنکہ قرآن وحدیث وآثار صحابہ جمع میکردند وازانجا استنباط مسائل می نمودند وایں اصل راہ محدثین است ودیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمعے از ائمہ تنقیح وتہذیب آں کردہ اند یاد گیرند۔ بے ملاحظہ ماخذ آں۔ پس ہر مسئلہ کہ وارد می شد جواب آں ازہماں قاعدہ طلب میکردند وایں اصل راہ فقہا است واشارہ بہمیں معنی است ازانکہ گفتہ اند کہ حماد بن ابی سلیمان اعلم ناس بود بمذہب ابراہیم بقواعد کلیہ کہ وے در فتاوی تہذیب وتنقیح آں کردہ بود (مصفی مطبوعہ دہلی)

اور جناب شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں بعد ذکر فقہائے محدثین لکھتے ہیں

وکان بازاء ھؤلاء فی عصر مالک و سفیان و بعدھم قوم لا یکرھون المسائل ولا یکرھون الفتیا و یقولون علی الفقہ بناء الدین فلا بد من اشاعتہ

امام مالک اور سفیان ثوری کے زمانہ میں بمقابلہ محدثین ایک قوم ایسی بھی تھی جو کثرت سوال کو برا نہ جانتی تھی۔ وہ بے دھڑک رقیاس پر فتویٰ دیتی تھی اور کہتی تھی کہ فقہ ہی پر دین کی بنا ہے۔ ضرور چاہیے اس کی اشاعت کرنی۔

پھر جناب شاہ صاحب فقہائے محدثین کے طرف مقابل کی حالت لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں

وذلک لانہ لم یکن عندھم من الاحادیث والآثار ما یقدرون بہ علی استنباط الفقہ علی الاصول التی اختارھا اہل الحدیث ولم تنشرح صدورھم للنظر فی اقوال علماء البلدان وجمعھا والبحث عنھا واتھموا انفسھم فی ذلک وکانوا اعتقدوا فی ائمتھم انھم فی الدرجۃ العلیا من التحقیق وکان قلوبھم

ان لوگوں کے پاس احادیث اور آثار اس قدر نہ تھے جس سے وہ محدثین کے اصول پر ادبر ان کی طرح مسائل استنباط کرتے نہ ان کے دل پر یہ بات کھلی کہ علما امصار (صحابہ و تابعین) کے اقوال جمع کرتے اور اس سے بحث کرتے اس بارہ میں انہوں نے اپنے نفس کو متہم کیا ان لوگوں کو اپنے اماموں کی نسبت یہ اعتقاد[1] تھا کہ ان کا تحقیق میں بڑا

---

[1] اسی اعتقاد نے تقلید شخصی کی بنا ڈالی آگے چل کر یہ خیال ایسا مستحکم ہو گیا کہ تحقیق سے سروکار نہ رہا اور دماغ بھی ایسا تنگ ہو گیا کہ مدح و ذم کے احساس میں کمی ہو گئی۔ مدحیہ اشعار میں کہا گیا ہے سہ فلعنۃ ربنا اعداد رمل علی من رد قول ابی حنیفۃ جس کا مطلب خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کے (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

امیل شیٔ الی اصحابھم کما قال علقمۃ ھل احد منھم اثبت من عبد اللہ وقال ابو حنیفۃ ابراھیم افقہ من سالم ولولا فضل الصحبۃ لقلت علقمۃ افقہ من ابن عمر
حجۃ اللہ ص ۱۲۱ ج ۱ مطبوعہ مصر

درجہ تھا ان لوگوں کا میلان اپنے استادوں ہی کی طرف تھا جیسے علقمہ نے کہا کہ کیا عبد اللہ بن مسعود سے کوئی بڑھ کر ہے اور ابو حنیفہ نے کہا کہ ابراہیم نخعی سالم سے بڑھ کر ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت نہ ہوتی تو میں کہتا کہ علقمہ عبد اللہ بن عمر سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔

اس تقسیم کے بعد مناسب ہے کہ فقہائے محدثین اور فقہائے اہل الرائے کے طرزِ اجتہاد کو مفصل ذکر کیا جائے۔

فقہائے محدثین کا طرزِ اجتہاد و اصولِ فقاہت

وکان عندھم انہ اذا وجد فی المسئلۃ قرآن ناطق فلا یجوز التحول منہ الی غیرہ واذا کان القرآن محتملا لوجوہ فالسنۃ قاضیۃ علیہ فاذا لم یجدوا فی کتاب اللہ اخذوا بسنۃ رسول

فقہائے محدثین کا اجتہاد میں قاعدہ یہ تھا کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآنی فیصلہ ناطق موجود ہو تو اس سے دوسری طرف رخ کرنا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ اگر آیات قرآنیہ میں چند احتمالات ہوں تو حدیث نبوی اس کا فیصلہ کرے گی لیکن

(بقیہ صفحہ گذشتہ) قول کے رد کرنے والے پر بے حد لعنت۔ بعض لوگوں کو اس کا خیال ہوا کہ یہ تو بجائے مدح کے قدح ہوگئی کیونکہ امام صاحب کے دو ثلث مسائل کو ان کے تلامذہ امام محمد و امام ابو یوسف و طحاوی نے رد کیا ہے اس لیے اس شعر کی تاویل کرنی چاہیے۔ لیکن تاویل بارد ہے ۱۲ منہ

الله صلی الله علیه وسلم سواء کان
مستفیضا دائرا بین الفقهاء ویکون
مختصا باهل بلد واهل بیت او
بطریقة خاصة وسواء عمل به الصحابة
والفقهاء او لم یعملوا به ومتی کان
فی المسئلة حدیث فلا یتبع فیها خلاف
اثر من الآثار ولا اجتهاد احد من
المجتهدین واذا افرغوا جهدهم
فی تتبع الاحادیث ولم یجدوا فی
المسئلة حدیثا اخذوا باقوال جماعة
من الصحابة والتابعین لا یتقیدون
بقوم دون قوم ولا بلد دون بلد
کما کان یفعل من قبلهم فان اتفق
جمهور الخلفاء والفقهاء علی شیء
فهو المقنع وان اختلفوا اخذوا
بحدیث اعلمهم علما واورعهم ورعا
او اکثرهم ضبطا او ما اشتهر عنهم
فان وجدوا شیئا یستوی فیه قولان
فی مسئلة ذات قولین فان عجزوا

جب کسی مسئلہ میں ان کو قرآنی فیصلہ نہ ملتا تو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے
اس مسئلہ کو لیتے۔ خواہ وہ حدیث
فقہا میں مشہور ہو یا کسی خاص شہر کے لوگوں
میں پائی جاتی ہو یا کسی خاص گھر کے لوگوں
میں اگرچہ ایک خاص سند سے مروی ہو
چاہے صحابہ اور فقہا نے اس پر عمل کیا ہو
یا نہ عمل کیا ہو اور جب کسی مسئلہ میں حدیث
نبوی مل جاتی تو کسی صحابی کے اثر یا مجتہد
کے اجتہاد کی اتباع نہ کرتے لیکن جب
کسی مسئلہ میں وہ اپنی قوت انسانی بھر سعی کر کے
احادیث تلاش کرتے اور اس مسئلے میں حدیث
کے ملنے سے مایوس ہو جاتے تو اس وقت
جماعت صحابہ و تابعین کے قول کو لیتے
کسی شہر یا قوم کے مقید ہو کر نہ رہتے یہی
دستور رہا ان سے پہلے صحابہ و تابعین کا،
پس اگر جمہور فقہا اور خلفا کا کسی مسئلہ پر
اتفاق مل جاتا تو یہ ان کی قناعت کا باعث
ہو جاتا اگر ان میں اختلاف پاتے تو ان میں

عن ذالك ایضا تأملوا فی عمومات الکتاب والسنة وایمائهما واقتضائهما وحملوا نظیر المسئلة علیها فی الجواب اذا کانتا متقاربتین بادی الرأی لا یعتمدون فی ذلك علی قواعد من الاصول ولکن علی ما یخلص الی الفهم و یثلج به الصدر کما انه لیس میزان التواتر عدد الرواة و لا حالهم ولکن الیقین الذی یعقبه فی قلوب الناس کما نبهنا علی ذلك فی بیان حال الصحابة وکانت هذه الاصول مستخرجة عن صنیع الاوائل وتصریحاتهم

(حجة الله ص ۱۱۹ ج ۱ مطبوعہ مصری)

جو قرآن وحدیث کا زیادہ جاننے والا ہوتا جو زیادہ محتاط ہوتا یا جو تقویٰ میں فائق ہوتا یا جو ان میں زیادہ مشہور ہوتا (جیسے خلفاء اربعہ و عشرہ مبشرہ و فقہائے صحابہ) ان کا قول لیتے۔ اگر ایسا مسئلہ ہوتا کہ اس میں دو قول صحابہ و تابعین کے برابر ہیں تو یہ مسئلہ ذات قولین رہ جاتا اور دونوں قول والا کہلاتا اگر اس سے بھی عاجز رہتے تو مجبوری درجہ عمومات قرآن اور حدیث میں غور کرتے اور ان دونوں کے اشارات اور اقتضاءات میں غور کرتے اور ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کرتے جبکہ دونوں مسئلے ظاہر نظر میں ہم شکل ہوتے لیکن اس قیاس میں وہ کسی قواعد اختراعیہ فقہا کے پابند نہ ہوتے لیکن وہی جو صاف صاف سمجھ میں آئے اور جس سے دل کو ٹھنڈک حاصل ہو جس طرح تواتر کے لیے کوئی عدد رواۃ کی یا حالت رواۃ کی شرط نہیں ہے صرف حصول یقین شرط ہے جو خبر متواتر کے بعد حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اس اجتہاد و فقاہت کا حال ہم صحابہ کے ذکر میں کر آئے ہیں۔ یہ طریقہ اجتہاد اوائل یعنی صحابہ کے

طرز اجتہاد اور ان کی تصریحات سے لیا گیا ہے (جو بالکل فطرت کے مطابق ہے)
چنانچہ سنن دارمی میں میمون بن مہران سے وارد ہوا کہ خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضؓ
کے پاس جب کوئی فیصلہ آتا تو پہلے قرآن میں غور کرتے اگر قرآن میں اس کا فیصلہ مل جاتا
تو فیصلہ کر دیتے۔ اگر قرآن میں فیصلہ اس کا نہ ملتا تو حدیثوں میں غور کرتے اگر
حدیث سے اُس کا فیصلہ ہو گیا تو فہو المراد۔ اگر ان دونوں میں نہ ملا اور وہ ہر طرح
عاجز ہو جاتے تو منادی کرا کر مجمع صحابہ میں اس مقدمہ کو پیش کر کے کہتے کہ میرے
پاس ایسا مقدمہ پیش ہے کسی کو اس بارے میں کوئی فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا معلوم ہو تو بتائے بسا اوقات ایسا ہوتا کہ لوگ بیان کرتے کہ فلاں
اس باب میں فلاں فیصلہ آپ کا موجود ہے۔ یہ سن کر فرماتے الحمد للہ الذی جعل
فینا من یحفظ علی نبینا خدا کا شکر ہے کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو یاد رکھتے ہیں۔ اگر اس طرح منادی کرانے پر بھی کوئی
حدیث نہیں ملتی تو صحابیوں کو جمع کر کے مشورہ کرتے اگر تمام لوگوں کا کسی امر پہ
اتفاق ہو جاتا تو فیصلہ کر دیتے۔ لیکن رائے اور قیاس لگانے سے اس قدر
کلی نفرت تھی کہ ہرگز کسی طرح گوارا نہ کرتے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ کے یہاں ایک مقدمہ پیش ہوا انھوں نے
اس مقدمہ میں بہت کوشش کی کہ کوئی حدیث مل جائے تو فیصلہ کریں۔ کئی روز
تک جواب سے سکوت اختیار کیا آخر مجبور ہو کر فرمایا کہ قیاس کرتا ہوں۔ اگر
صحیح نکلا تو من جانب اللہ ہوگا اور اگر غلط ہوا تو مجھ سے اور شیطان سے۔ یہ کہہ کر
فیصلہ کر دیا۔ بعد فیصلہ ایک صحابی نے جو حاضر نہ تھے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی فیصلہ فلاں کے مقدمہ میں دیکھا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ سن کر اس قدر مسرت ہوئی کہ عمر بھر ایسی مسرت نہ ہوئی تھی [۱]

قاضی شریح کے پاس حضرت عمر نے احکام بھیجے کہ اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو قرآن سے فیصلہ کرنا اگر قرآن میں نہ ملے تو حدیثوں میں غور کرنا اور اُس سے فیصلہ کرنا۔ اگر حدیثوں میں نہ ملے تو صحابہ کے اتفاق میں دیکھنا اگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق کسی امر پر مل جائے تو ویسا ہی فیصلہ کرنا۔ اگر اس سے بھی مجبوری ہو تو تم کو اختیار ہے جون سی دو باتوں میں سے پسند ہو اختیار کر و۔ اگر چاہو تو رائے لگاؤ اور اجتہاد کر کے قدم آگے بڑھاؤ۔ اگر چاہو تو پیچھے ہٹو۔ لیکن پیچھے ہٹنا اور رائے و قیاس نہ لگانا ہی خیر ہے (کیونکہ قیاس البغض الحلال ہے مایۂ ناز نہیں نہ اس پر دین کی بنا ہے) (دارمی)

جامع ترمذی میں ہے ابوالسائب کہتے ہیں کہ ہم لوگ وکیع کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے ایک شخص سے (جو رائے اور قیاس کا خوگر تھا) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعارہ کیا اور (ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اشعار مثلہ ہے۔ شخص مذکور نے کہا کہ ابو حنیفہ ابراہیم نخعی سے ناقل ہیں کہ وہ اس کو مثلہ کہتے تھے۔ (ابوالسائب کہتے ہیں کہ اس قدر وکیع کو میں نے غصہ ہوتے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وکیع نے کہا کہ میں تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہوں اور تو اس کے جواب میں ابراہیم نخعی کا قول پیش کرتا ہے۔ تو اسی قابل ہے کہ قید کر دیا جائے اور جب تک اس قول سے باز نہ آئے رہائی نہ دی جائے۔

---

[۱] مشکوۃ المصابیح ۱۲

جناب شاہ صاحب صحابہ وتابعین کے اس طرز اجتہاد اور ان کے اصول کو قولاً و عملاً دکھلا کر فرماتے ہیں کہ محدثین (امام بخاری اور ان کے اساتذہ) نے اپنے اجتہاد و اصول فقاہت کو انہیں صحابہ وتابعین کے اصول فقاہت وطرز اجتہاد پر رکھا ان پر خدا نے آسان کر دیا۔

وبالجملة لما مهد الفقه على هذه القواعد فلم يكن مسئلة من المسائل التي تكلم فيها من قبلهم والتي وقعت في زمانهم الا وجد فيها حديثا مرفوعا متصلا او مرسلا او موقوفا صحيحا او حسنا او صالحا للاعتبار او وجد اثرا من آثار الشيخين او سائر الخلفاء وقضاة الامصار وفقهاء البلدان او استنباطا من عموم او ايماء او اقتضاء فيسر الله لهم العمل بالسنة على هذا الوجه۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب فقہائے محدثین نے اس قاعدہ مذکورہ بالا پر اجتہاد کی بنیاد رکھی تو کوئی مسئلہ ان مسائل میں سے جو ان سے پہلے واقع ہو چکے تھے یا ان کے زمانہ میں واقع ہوئے ایسا نہیں تھا کہ ان میں کوئی حدیث رسول اللہ علیہ وسلم کی متصل یا مرسل یا موقوف۔ صحیح یا حسن یا قابل اعتبار نہ ملی ہو یا کوئی اثر صحابہ خلفائے راشدین یا ان صحابہ کے جو عہدۂ قضا پر مامور تھے یا فقہائے صحابہ کے جو اطراف بلاد میں پھیلے تھے نہ ملے ہوں یا کوئی استنباطی مسئلہ عموم آیت و حدیث یا ایما یا اقتضاء سے ان کو نہ ملا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ پر ان لوگوں کے لیے سنت پر عمل کرنا آسان کر دیا۔

اور امام احمد کے بعد کے محدثین کا ذکر کر کے امام المحدثین اور ان کے تلامذہ کے بارے میں فرماتے ہیں

وكان اوسعهم علما عندي وانفعهم تصنيفا واشهرهم ذكرا رجال اربعة متقاربون في العصر اولهم ابو عبد الله البخاري وكان غرضه تجريد الاحاديث الصحاح المستفيضة المتصلة من غيرها واستنباط الفقه والسيرة والتفسير منها فصنف جامعه الصحيح ووفى بما شرط وبلغنا ان رجلا من الصالحين رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم في منامه وهو يقول مالك اشتغلت بفقه محمد بن ادريس وتركت كتابي قال يا رسول الله وما كتابك قال صحيح البخاري ولعمري انه نال من الشهرة والقبول درجة لا يرام فوقها۔

حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۳۳ مطبوعہ مصر

بڑے وسیع علم والے اور بڑی نافع تصنیف والے بڑے مشہور ذکر والے میرے علم میں چار شخص ہیں جو سب ہم عصر ہیں اول ان میں امام ابو عبداللہ بخاری ہیں ان کی غرض تصنیف سے یہ ہے کہ صحیح صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو متصل اور مشہور ہوں ان کو غیر سے الگ کریں اور ان سے مسائل فقہیہ نکالیں اور سیرت اور تفسیر کی حدیثوں کو الگ کریں اس لیے انہوں نے جامع صحیح تصنیف کی اور جو شدید شرائط انہوں نے اس کے جمع کرنے میں کی تھی ان کو پورا کیا۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ایک صالح آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں تم میری کتاب چھوڑ کر محمد بن ادریس شافعی کی کتاب کا درس کب تک دیتے رہو گے۔ میں نے عرض کی آپ کی کتاب کون سی ہے آپ نے فرمایا صحیح بخاری۔ میری عمر کی قسم اس نے اس قدر شہرت حاصل کی کہ اس سے زائد کا قصد نہیں ہو سکتا

محدثین کے طرز اجتہاد و اصول فقاہت و تدراج اور ان کی صعوبت

فقاہت کو مفصل بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب نے اہل الرائے کے طرز اجتہاد اور ان کی فقاہت کے ڈھنگ بیان کئے ہیں۔ اور یہ بھی جتایا ہے کہ یہ لوگ اہل الرائے کیوں کہلائے۔

فقہائے اہل الرائے کا طرز اجتہاد و اصولِ فقاہت

وکان عندهم من الفطانة والحدس وسرعة انتقال الذهن من شئ الی شئ ما یقدرون به علی تخریج جواب المسائل علی اقوال اصحابهم وکل میسر لما خلق له وکل حزب بما لدیهم فرحون فمهدوا الفقه علی قاعدة التخریج وذلك ان یحفظ کل احد کتاب من هو لسان اصحابه واعرفهم باقوال القوم واصحهم نظرا فی الترجیح فیتامل فی کل مسئلة وجه الحکم فکلما سئل عن شئ او احتاج الی شئ رای فیما یحفظه من تصریحات اصحابه فان وجد الجواب فیها والا نظر الی عموم کلامهم فاجراه علی هذه الصورة

چونکہ فقہائے اہل الرائے میں فطانت اور انتقال ذہن اس قدر تھا کہ جس سے وہ اپنے اساتذہ کے اقوال سے مسائل نکالنے پر قدرت رکھتے تھے اس وجہ سے انہوں نے فقہ کی بنا تخریج پر رکھی اور تخریج کی صورت یہ ہے کہ ہر وہ شخص اس عالم کے مجموعہ کو جو کہ اساتذہ کے اقوال سے خوب واقف ہے، اور ترجیح میں صحیح تر نظر رکھتا ہے اور وہ اساتذہ کی رگویا زبان ہے۔ یاد کرے پھر ہر مسئلہ میں اس کے حکم کی وجہ سوچے تو جب کبھی اس سے کسی مسئلہ کا سوال کیا گیا یا اس کو خود کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو اس نے اساتذہ کے صریح اقوال کو جو اسے یاد تھے دیکھا اگر ان میں

او اشارة ضمنية لكلام فاستنبط منها
وربما كان لبعض الكلام ايماء او
اقتضاء يفهم المقصود وربما كان
للمسئلة المصرح بها نظير يحمل عليها
وربما نظروا في علة الحكم المصرح به
بالتخريج او بالسبر والحذف فاداروا
حكمه على غير المصرح به وربما كان له
كلامان لو اجتمعا على هيئة القياس
الاقتراني او الشرطي انتجا جواب المسئلة
وربما كان في كلامهم ما هو معلوم بالمثال
والقسمة غير معلوم بالحد الجامع المانع
فيرجعون الى اهل اللسان ويتكلفون
في تحصيل ذاتياته وترتيب حد جامع
مانع له وضبط مبهمه وتمييز مشكله
وربما كان كلامهم محتملا لوجهين فينظرون
في ترجيح احد المحتملين وربما يكون
تقريب الدلائل خفيا فيبينون ذلك
وربما استدل بعض المخرجين من
فعل ائمتهم وسكوتهم ونحو ذلك

اس کا جواب نکل آیا تو خیر ورنہ انہیں اقوال
سے استنباط شروع کیا ان کے کلام کے
عمومات کو دیکھا اگر کسی عام کے تحت میں درج
ہو سکا تو اس عموم کو اس مسئلہ پر جاری کر دیا
یا کلام کے اشارے ضمنی میں غور کیا اور اسی سے
استنباط کر لیا کبھی کسی کلام سے کوئی اشارہ
نکلتا یا اس سے کچھ لازم آتا جو مقصود کو
سمجھا دیتا کبھی جس مسئلہ کی تصریح ہوتی اس کے
دوسرا ہم شکل ہوتا جو اس پر قیاس کر لیا جاتا
کبھی کسی وجہ سے ان کے بتائے ہوئے مسئلہ میں
علت پیدا کر کے اس علت کو مدار حکم سمجھ
کر غیر بتائے ہوئے مسئلوں میں وہ حکم جاری
کر دیا کبھی استاذ کے کلاموں کو ملا کر نتیجہ
کے طور پر مسئلہ کا حکم نکال لیا کبھی وہ چیز
جس کی جامع مانع تعریف اساتذہ کے کلام
میں نہیں تھی گو وہ چیز مثال سے یا تقسیم سے
مفہوم ہوتی تھی تکلفات کر کے اس کی
جامع مانع تعریف مرتب کر دی اور پھر
اس تعریف کے موافق اس کے تمام افراد

فهذا هو التخريج ويقال له القول المخرج لفلان كذا ويقال على مذهب فلان او على اصل فلان او على قول فلان جواب المسئلة كذا وكذا ويقال لهؤلاء المجتهدون في المذهب وعنى هذا الاجتهاد على هذا الاصل من قال من حفظ المبسوط كان مجتهدا اي وان لم يكن له علم برواية اصلا ولا بحديث واحد (حجۃ اللہ ص ۱۲۱ ج ۱)

وہ احکام جاری کر دیے کبھی اساتذہ کا کلام کئی احتمال رکھتا تھا اس کے ایک معنی قائم کئے کبھی ان مسائل کا دلائل سے لگاؤ جو خفی تھا اس کے وجوہ بیان کئے بعض تخریج کرنے والوں نے اپنے ائمہ کے فعل سے یا ان کی کسی بات پر سکوت وغیرہ سے بھی استدلال کیا۔ ان لوگوں کو مجتہد فی المذہب کہتے ہیں اور یہی اجتہاد اس طریقہ پر مراد ہے اس شخص کی جس نے کہا کہ جس شخص نے مبسوط (فقہ کی ایک کتاب ہے) یاد کر لی وہ مجتہد ہو گیا۔ اگرچہ اس کو ذرا بھی روایت کا علم نہ ہو اور نہ ایک حدیث کا

علامہ ابن خلدون و شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام سے چند نتائج نہایت بدیہی طور پر اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ فقہ کی دو قسمیں ہیں حجازیوں (مکے مدینے والوں) کی فقہ، عراقیوں (اہل کوفہ) کی فقہ،

۲۔ عراقیوں میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و آثار صحابہ و تابعین کی بالکل کمی تھی اور اس کا ذوق بھی ان میں کم تھا اس وجہ سے ان کے مسائل کی بنا زیادہ تر رائے و قیاس پر رہی ان کا میلان ان کی گرویدگی احادیث و آثار کا تتبع چھوڑ کر رائے و قیاس کی طرف رہا اس وجہ سے وہ اہل الرائے کے نام سے مشہور ہوئے۔

اہل حجاز میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و آثار صحابہ و تابعین کا بے حد مذاق تھا وہ ہر مسئلہ کے لیے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و آثار صحابہ

و تابعین تلاش کرتے اسی لیے وہ لوگ اہل الرائے کے ساتھ شہرت پذیر نہ ہوئے۔ بلکہ وہ لوگ اصحاب الحدیث یا اہل الحدیث یا محدثین کے ممتاز لقب سے ملقب ہوئے۔

۳۔ عراقیوں میں یہ دستور تھا کہ یہ لوگ اپنے اساتذہ کے تنقیح کئے ہوئے قواعد یا ان کے اقوال کو یاد کر لیتے اور جو مسئلہ پیش آتا انہیں قواعد سے ان کے جوابات طلب کرتے۔ دوسرا فریق (اہل مکہ و مدینہ) کسی کے قواعد یا رائے کے پابند نہ تھے وہ براہ راست ماخذ قرآن و حدیث سے مسائل کے جواب طلب کرتے۔ ہاں مجبور ہو تے تو صحابہ کے اتفاق رائے یا ان کے فتادی کو دیکھتے اس سے بھی مجبوری ہوتی تو ابغض الحلال جان کر قیاس کو استعمال کرتے۔

۴۔ اہل عراق کے دلوں کا میلان ان کے اساتذہ کی طرف بے طرح تھا اس میں وہ منہم ہو گئے وہ اپنے ائمہ کو انتہا درجہ کا محقق جانتے تھے بلکہ اپنے ائمہ کو اس غلو کی وجہ سے صحابی (وہ بھی جلیل القدر صحابی جن کا شمار فقہائے صحابہ میں ہے) پر ترجیح دینے کو تیار رہتے تھے استنباط مسائل دونوں ہی کرتے۔ طریقہ اجتہاد دونوں میں مروج تھا لیکن محدثین و اہل حجاز کے یہاں صحابہ و تابعین کے طرز اجتہاد و اصول فقاہت سے کام لیا جاتا تھا اور براہ راست قرآن و حدیث سے استدلال و استنباط کیا جاتا۔ اور اہل عراق کے یہاں ان کے اساتذہ کے قواعد اور ان کے اقوال سے تخریج در تخریج کی جاتی۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اہل حدیث کا طریقہ اجتہاد نہایت مشکل تھا جس میں بڑی بڑی صعوبتیں تھیں وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہی طریقہ اجتہاد تھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اکابر تابعین کا

اور امام المحدثین بخاری نے اسی کو اختیار کیا۔

یہ دعویٰ کہ محدثین اور ان کے اتباع اصول فقاہت نہیں جانتے تھے۔ یا اس سے کام نہیں لیتے تھے نہایت بیّن غلطی ہے۔ ہم کو حیرت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس دعوے کے ثابت کرنے کے لئے عجیب و غریب باتیں تراشی جاتی ہیں اور یہ دکھایا جاتا ہے کہ اہل کوفہ اس وجہ سے اہل الرائے کہے جاتے ہیں کہ وہ فقاہت اور قیاس و اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

اگر فقاہت اور اجتہاد کی وجہ سے اہل کوفہ اصحاب الرائے کہے جاتے ہیں تو اصحاب الرائے کوئی مذموم لقب نہیں ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہ لقب زمانہ صحابہ سے برابر موقعہ ذم میں استعمال کیا گیا ہے۔ اگر ہم اس کے لیے سلف کی شہادتیں پیش کریں تو ایک ضخیم کتاب لکھنی پڑے۔

اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق یہ مسلم ہے کہ قرآن کے بعد رکن اجتہاد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لیے مجتہد کا فرض ہے کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقصا کرے۔ جو اس میں ناقص ہے اجتہاد میں غیر کامل ہے۔ اس کا قیاس غیر مکمل ہے اس بارے میں ابن خلکان نے امام شافعی اور امام محمد کا ایک دلچسپ مکالمہ نقل کیا ہے۔

امام محمد۔ سچ کہنا میرے شیخ (امام ابو حنیفہ) افضل ہیں یا تمہارے (امام مالک امام دار الہجرۃ) امام شافعی، کیا انصاف مد نظر ہے۔ امام محمد، ہاں۔ امام شافعی۔ آپ خود فرمایئے میرا شیخ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتا ہے۔ یا آپ کا۔ امام محمد۔ اللہ اکبر۔ آپ کا۔ امام شافعی، سچ کہیے میرا شیخ زیادہ قرآن جانتا ہے،

یا آپ کا۔ امام محمد، اللہ اکبر۔ آپ کا۔

امام شافعی، پھر قیاس کے سوا کیا رہ گیا۔ اور اصل یہ ہے کہ صحت قیاس بھی قرآن و حدیث ہی پر موقوف ہے۔

محدثین کے طریقۂ اجتہاد کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحبؒ امام احمد بن حنبل کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

وکان الفقہ علی ھذا الوجہ یتوقف علی شئ کثیر من الاحادیث و الاثار حتی سئل احمد بن حنبل ایکفی للرجل مائۃ الف حدیث حتی یفتی قال لا قیل خمسمائۃ الف حدیث قال ارجو۔

یعنی محدثین کے طرز اجتہاد و فقاہت پر فتویٰ دینے کے قابل ہونا یہ موقوف ہے بہت سی حدیثوں اور آثار صحابہ کے جاننے پر حتی کہ امام احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا کہ لاکھ حدیثوں کا علم فتویٰ دینے کے لیے کافی ہو سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا گیا۔ اچھا پانچ لاکھ فرمایا امید ہے کہ کافی ہو۔

چونکہ عراقیوں کا اصول فقاہت، و طرز اجتہاد صحابہ و تابعین کے طرز اجتہاد و اصول فقاہت سے بعید تھا۔ اس وجہ سے فقہائے محدثین و امام بخاری نے اس سے کنارہ کشی کی۔

ایک دوسری وجہ اور ہے جس نے امام بخاری و عامہ محدثین و ائمہ حجاز کو اہل الرائے کی فقہ سے کلیتہً نفرت دلادی۔ وہ یہ ہے کہ اہل الرائے کا طرز اجتہاد و اصول فقاہت چونکہ درحقیقت اقوال الرجال سے تخریجات اور انہیں پر تفریعات ہے۔ سادہ تخریج میں کئی احتمال خطا کا اور ایک احتمال صواب کا ہوتا ہے اس لیے اہل الرائے کا

طرز فقاہت واصول اجتہاد نہایت خطرناک امر ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جس طرح مجتہدین قرآن وحدیث کو پیش نظر رکھ کر مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ اسی طرح مخرجین اپنے علماء کے اقوال پیش نظر رکھ کر استنباط کرتے ہیں لہذا جیسا کہ اجتہاد محتمل خطاء وثواب ہے اسی طرح تخریج بھی محتمل خطاء وثواب ہے، کیونکہ جس طرح مجتہد غیر منصوص واقعہ میں۔ اور نصوص پر غور کر کے اپنے اندازہ وتخمین سے شارع کا منشا معلوم کرنا چاہتا ہے اور اپنی رائے شارع کے منشا کی بابت اپنے گمان کے موافق قائم کرتا ہے۔ اور اس رائے میں کبھی مصیب ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ اسی طرح مخرج غیر مصرح مسئلہ میں اپنے اندازہ وتخمین سے اس عالم کا منشا جس کے قول پر تخریج کر رہا ہے۔ اس کے اور اقوال کے قرائن سے معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی سمجھ کے موافق اپنے گمان سے اس کا عندیہ قائم کرتا ہے پس ضرور نہیں کہ وہ ہر جگہ اس کے اصل عندیہ کو پہنچ جائے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قول کی ہم کچھ علت خیال کرتے ہیں حالانکہ اس کے نزدیک۔ کچھ شرائط یا موانع بھی ہوتے ہیں کہ جن تک ہمارا خیال نہیں پہنچتا اور ہم بلا لحاظ ان شرائط وموانع کے اس کی رائے ایک امر کی بابت قائم کر لیتے ہیں۔ لیکن جب وہی امر اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس رائے کے ساتھ متفق نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو ہم روزمرہ اپنے معاملات اور گفتگوؤں میں دیکھتے ہیں۔ الحاصل اجتہاد وتخریج دونوں میں احتمال خطاء وصواب دونوں کا ہے۔ جب یہ ضمنی بات معلوم ہو چکی تو اصل مدعا کو سنو جن اقوال پر تخریج کی گئی ہے یا تو نص صریح سے ثابت ہوں

یا اجتہاد و استنباط سے نکالے گئے ہوں گے۔ اس لیے تخریج کی دو صورتیں ہوگئیں یا تو تخریج پہلی قسم پر ہوگی یا قسم ثانی پر۔ قسم اول میں ایک مرتبہ احتمال خطا کا ہے۔ اور ایسی تخریج بہت کم ہے۔ قسم ثانی میں دو مرتبہ احتمال خطا کا ہے۔ اول احتمال اصل کے اجتہادی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اور دوسرا احتمال تخریج کے وقت پیدا ہوا۔ خطا کا احتمال جو اصل میں پیدا ہوا تھا وہ فرع کی طرف متعدی ہوگا۔ اس لیے کہ اصل اگر صحیح نہیں تو فرع جس کا مدار اسی اصل پر ہے کیسے صحیح ہوسکتی ہے۔ گو وہ تفریع و تخریج صحیح ہو۔ اور اصل کو صحیح مانا جائے تو فرع کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ تفریع سے احتمال خطا کا پیدا ہے۔ پس اصل میں جو احتمال خطا ہے وہ فرع کی طرف متعدی ہوگا۔ اور اصل کا احتمال صواب فرع کیلیے تسکین بخش اور اطمینان دہ نہیں ہوسکتا۔ پس جو مسئلہ اجتہادی مسئلہ پر مخرج ہوگا اس میں منجملہ چار صورتوں کے ایک صورت صواب کی اور تین صورتیں خطا کی نکلیں گی۔ صواب کی ایک صورت یہ کہ نہ اصل مسئلہ میں اجتہاد کے وقت خطا ہوئی اور نہ مخرج مسئلہ میں تفریع کے وقت، اور تین صورتیں خطا کی یہ ہیں۔ اصل میں خطا نہ ہوئی تھی مگر تفریع میں ہوگئی۔ اصل میں خطا ہوگئی گو تفریع میں نہ ہوئی تھی۔ اصل میں خطا ہوئی تھی اور تفریع میں بھی ہوئی اور پھر اس تخریجی مسئلہ پر اگر تخریج کی گئی تو خطا کے احتمال اور ترقی پکڑیں گے چنانچہ اس درجہ میں منجملہ آٹھ صورتوں کے ایک صورت صواب کی اور سات صورتیں خطا کی نکلیں گی اور جس قدر سلسلہ تخریج آگے کو چلے گا، احتمالات خطا زیادہ ہوتے جائیں گے۔

دیکھو جناب امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر کون اس کام میں فائق ہو سکتا ہے خود انہوں نے اس زمانہ میں جبکہ فارغ التحصیل ہو کر استقلال کے ساتھ اپنی درس گاہ علیحدہ قائم فرمانا چاہتے تھے اس وقت جب حماد کے اقوال پر تخریج کی تو منجملہ ساٹھ کے کئی مسئلے ایسے ہیں کہ جن میں وہ حماد کے منشا کو پہنچے تھے اور کئی ایسے ہیں جن میں انہوں نے حماد کے خلاف مرضی تخریج کی جن کو حماد نے ناجائز رکھا۔ (سیرۃ النعمان)

امام حماد کے زمانہ سے عراق میں تخریجی فقہ کا دور شروع ہوا اور یوماً فیوماً ترقی پکڑتا گیا یہاں تک کہ کوفہ میں بالخصوص اور تمام عراق میں بالعموم یہ فن نہایت سرعت سے پھیل گیا اور جس قدر زمانہ گذرتا گیا استحکام کے اس کا اثر جمتا گیا شدہ شدہ تمام عراق کا جولان گاہ اور معراج ترقی تخریجی مسائل میں دستگاہ حاصل کرنا اور تخریج کے اصول کو ازبر کرنا اور اسی پر تفریعات نکالنا رہ گیا۔ دوسرے علوم اسلامیہ سے بے پروائی اور بے توجہی ہوتی گئی۔ چند دنوں کے بعد خود اہل کوفہ کو دوسرے علوم اسلامیہ میں اپنے ائمہ کے اقوال اور تحقیقات پر اعتماد نہ رہا۔ اور تخریجی مسائل پر اس قدر وثوق اور اعتماد بڑھا کہ اس کے مقابل میں کہیں صحیح حدیثیں ناقابل عمل ٹھہریں۔ کہیں اکابر صحابہ غیر فقیہ اور ناسمجھ قرار دیے گئے۔

لیکن اگر کوئی شخص اس تخریجی اشتغال کا نمونہ دیکھنا چاہے تو عراق و عجم میں اب بھی چلا جائے اور کابل، قندھار، غزنی، ہرات وغیرہ کی درس گاہوں کو ملاحظہ کرے اور وہاں کے بڑے بڑے فقیہ ملاؤں کو دیکھے۔ آرا الرجال کا

درس جاری ہے۔ انہیں پر تفریع و تخریج ہے۔ اور یہی ان کی معراج ترقی اور یہی اُن کی جولان گاہ ہے۔ وہ علوم قرآنیہ سے ناواقف، اور علوم حدیثیہ سے بے پروا۔ قدوری سے لے کر تمام کتب فقہ کا درس دیں گے۔ اور کتب فقہ عمر بھر پڑھیں گے۔ لیکن قرآن اور حدیث کو ایک روز بھی بنظر تحقیق مسائل نہیں دیکھیں گے۔ ان کے کان تحقیق سے ناآشنا ہیں۔ ان کے دل و دماغ میں آراء الرجال سے بڑھ کر کوئی با وقعت چیز نہیں۔ وہ فقہائے کوفہ کی رایوں کو آسمانی وحی سے بھی زیادہ با وقعت جانتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی لائق سے لائق ہوا تو اسی قدر کہ مختلف اقوال فقہا کو راجح و مرجوح کر سکے۔ اور بس۔

اہل الرائے کی وجہ تسمیہ میں جناب شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

المراد من اهل الرای قوم توجهوا بعد المسائل المجمع علیها بین المسلمین وبین جمهورهم الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین فکان اکثر امرهم حمل النظیر علی النظیر والرد الی اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والآثار	اہل الرائے وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے مسائل متفق علیہا کے بعد کسی شخص مقدم کے قاعدہ پر تخریج مسائل کی طرف توجہ کی۔ ان کا اکثر دستور یہی تھا کہ مسئلہ میں اس کے مشابہ مسئلہ کا حکم لگاتے اور مسئلہ کو انہیں قواعد کی طرف پھیر لیا کرتے جاتے (جو ان کے اساتذہ کے نکالے ہوئے تھے) اور احادیث نبویہ و اقوال صحابہ کی کھوج تلاش کرتے۔

اتباع اہل الرائے کا اثر عراق پر بے طرح حاوی تھا اسی وجہ سے محدثین کو سخت تکلیفیں[1] پہنچیں۔ ابو حفص کبیر اور حریث بن ورقاء کے واقعات حصہ اول

[1] یہ برتاؤ اہل الرائے کا محدثین کے ساتھ ہمیشہ جاری رہا اور گیارہ سو برس کے تجربہ نے ثابت کر دیا (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

یہاں تک ہم نے علم فقہ، اور فقہا، اور ان کے طرز اجتہاد و اصول فقاہت کی تقسیم اور فقہائے محدثین۔ و فقہائے اہل الرائے، کی وجہ تسمیہ کی نسبت اجمالاً عرض کیا تاکہ علم فقہ پر جو غلط فہمی کا پردہ پڑا ہوا ہے اٹھ جائے۔ اور یہ واضح ہو جائے کہ امام المحدثین فقہائے اہل حدیث سے ہیں اور امام المحدثین کی علمی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ فقہ الحدیث بھی ہے۔ اب ہم اس پر تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ غالباً دنیا کے قیام تک یہی برتاؤ رہے گا۔ صوفی صافی امام محی الدین ابن عربی نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ امام آخر الزمان کے دشمن یہی ہوں گے اس صدی میں بھی جب ہم شیخ الکل محدث دہلوی مولانا سید نذیر حسین مرحوم کی نسبت دل آزار تحریریں پڑھتے ہیں اور ان کی زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں بلکہ اسی طرح ہر صدی کے اعیان اہل حدیث کے حالات پڑھتے ہیں تو ہم کو صدہا واقعات ملتے ہیں۔ شیخ الکل کے ساتھ سفر حج میں دہلی سے حرمین تک کوئی دقیقہ ایذا رسانی کا باقی نہیں چھوڑا گیا۔ کفار مکہ کی طرح حج سے روکنے کی فکریں کی گئیں۔ اس کے لیے زیب۔ جھوٹ غلط بیانی کوئی بات باقی نہیں رکھی گئی۔ اب دنیا سے جانے کے بعد بیہودہ خواب کتابوں میں لکھ کر شائع کئے گئے۔ جناب مولوی رشید احمد صاحبؒ ایک بزرگ عالم تھے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ محدثین کی نسبت بیہودہ باتیں لکھ کر ان کی بزرگی و کمالات چھپائے جائیں۔ ہم ان کی سوانح عمری کے بعض اوراق پڑھتے ہیں تو حضرت شیخ الکل کی نسبت بعض ایسی بیہودہ باتیں لکھی ہوئی پاتے ہیں جو کسی معمولی شخص کی نسبت بھی نہیں لکھی جا سکتیں۔

جس نے درس قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے دھن میں اپنے آبائی وطن کو خیرباد کہا ہو۔ جس کے حلقہ درس میں اس کساد بازاری کے زمانہ میں (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

فقہ کی تاریخ لکھیں۔
فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت قابل قدر مضمون لکھا ہے،

(بقیہ صفحہ گذشتہ بھی پچاس ساٹھ طلبہ شامل ہوتے ہوں۔ جو شخص قرآن و حدیث کے درس میں ادب سے زانو تک نہ بدلے جس کا فیضان علم ہندوستان میں تمام اضلاع پنجاب۔ اضلاع ممالک متحدہ اودھ آگرہ۔ صوبہ بہار۔ دکن حیدرآباد۔ اضلاع بنگال غرض اقصائے مغرب ہند سے اقصائے مشرق ہند تک اور ولایت کابل میں غزنی قندھار باجور توقند یاغستان کاشغر بخارا سمرقند۔ ہرات اور جزیرہ حبشان۔ حجاز۔ سامرد دسنوس۔ نجد تک پہنچا ہو۔ جس کی مفصل فہرست شیخ الکل کی سوانح عمری سے معلوم ہو سکتی ہے۔ تلامذہ میں ایک ایک محدث فقیہ مفسر متبحر اور صدر المدرسین ممتاز الافاضل ہو اس کی نسبت ایسے وہم پرستوں کے قصے لکھ کر مولانا رشید احمد صاحب کی سوانح عمری کو زینت دینا اور ان کی دوستی سے کم نہیں۔ مولانا رشید احمد صاحب کی سوانح عمری لکھنے والے صاحب نے اس سے صرف اپنی بے ادبی وہم پرستی ہی کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ بلکہ ناواقفیت کا بھی۔ وہ اس سے ناواقف ہیں کہ شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی مرحوم مولانا رشید احمد صاحب کے اساتذہ کے ہم طبقہ ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب شاگرد ہیں مولانا شاہ عبدالغنی صاحب کے اور مولانا شیخ محمد تھانوی کے۔ شاہ عبدالغنی صاحب وہ شخص ہیں کہ ۱۵ برس سن میں حضرت شیخ الکل سے کم ہیں۔ جس زمانہ میں حضرت شیخ الکل درس دیتے تھے اس وقت شاہ صاحب کا ختنہ ہوا تھا۔ اور مولانا محمد صاحب تھانوی شاگرد ہیں مولانا محمد اسحاق صاحب کے جن کی خدمت میں شیخ الکل مدتوں رہے۔ اگر ان باتوں سے و نیز شیخ الکل کی علمی فیاضیوں سے شمہ برابر بھی یہ صاحب واقف ہوتے تو کبھی ایسے بیہودہ خواب[ع] نہ نقل کرتے (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

ع جس بیہودہ خواب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی صحیح تعبیر اور ایک مرید مخلص کے خواب لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ کی حقیقت معلوم کرنی ہو تو اخبار اہلحدیث کے فائل اور نتائج التقلید کی طرف مراجعت کیجئے۔ عبید اللہ رحمانی۔

جس کا اقتباس ہمارے لیے کافی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے سامنے وضو کرتے تھے۔ اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے یا واجب ہے یا مستحب ہے صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نماز کا بھی یہی حال تھا۔ یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لیا۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے۔ جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں۔ البتہ جو واقعات غیر معمولی طور کے پیش آتے تھے۔ ان میں لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفتا کرتے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے اور فرضی صورتوں کا پوچھنا مثلاً بکری اور کتے سے بچہ ہو یا کتیا کے دودھ سے بکری کا بچہ پرورش پائے یا کوئی پاؤں کی طرف سے اُلٹے وضو کرے تو کیا حکم ہے بہت معیوب جانتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) افسوس ہے انسان کو تقلید اصم ابکم اعمی بنا دیتی ہے۔ اور لہم قلوب لایفقہون بہا کا مصداق کر دیتی ہے۔ ایسے مقام پر پہنچ کر ہم کو حضرت نواب غفران مآب کا یہ شعر یاد پڑتا ہے ؎

نبین نواب تا کے شوخی تقلید برخیزد ۲۳ ۔

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ عمر مستقل عالم لیکن فانی سمعت عمر بن الخطاب یلعن من سأل عما لم یکن. اکثر ایسا ہی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا۔ اور آپ نے اُس پر تحسین کی یا اُس سے ناراضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کے فتاوی اکثر عام مجمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو محفوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فتوحات کی نہایت وسعت ہوئی۔ اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی۔ اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شیخین ابوبکرؓ و عمرؓ کا زمانہ ہے۔ سب سے زیادہ ضرورت اجتہاد کی خلیفہ وقت کو ہوتی۔ کیونکہ خلیفہ وقت کے فرائض میں تعلیم۔ عبادت و اجرائے احکام فیصل خصومات۔ فتوے بتانا مالگذاری لگان تشخیص کرنی۔ دیوانی۔ فوجداری کے احکام نافذ کرنے تعزیرات شہادت معاہدہ، وراثت۔ وصیت وغیرہ اس طرح کے تمام امور متعلق ہوتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ مسیلمہ کذاب، اور اسود عنسی کے خروج و بغاوت، اور مانعین زکوۃ کی وجہ سے۔ گو ابتداءً پرآشوب ہو گیا تھا، لیکن حضرت ابوبکر کی حسن تدبیر نے اس فتنہ کو جلد فرو کر دیا۔ اور شیرازہ اسلام جو بکھر چلا تھا۔ بات کی بات میں درست ہو گیا اور حضرت عمرؓ کا زمانہ تو ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم[عہ] کا مصداق ہے۔ یہ کئی بار گذر چکا کہ شیخین کے اجتہاد کا دستور تھا کہ پہلے رسول اللہ

عہ جو واقعہ نہ ہوا اس کا مسئلہ نہ پوچھا کرو کیونکہ ایسے شخص کو عمر بن الخطابؓ لعنت کرتے ۱۲

عہ اور اس دین کو جو اُن کے لیے پسند کیا ہے زمین میں جما دے گا ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم حدیث تلاش کرتے وکذالک الشیخان اذا لم یکن لہما علم فی المسئلۃ یسئلون الناس عن حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس استنباط اور اجتہاد کی وجہ سے صحابہ میں بے شبہہ اختلاف ہوا۔ لیکن اس اختلاف سے ٹولیاں نہیں قائم ہوئیں۔ جس طرح آج بھی محدثین میں اختلاف مسائل ہے۔ لیکن ان کی باہم فرقہ بندیاں نہیں ہیں۔ اختلاف کے وجوہ چند در چند ہوئے (۱) ایک صحابی مجتہد کو حدیث پہنچی۔ دوسرے کو نہ پہنچی (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فعل کرتے سب نے دیکھا۔ لیکن ایک نے سمجھا کہ آپ نے .... علی سبیل الاستحباب کیا۔ دوسرے نے سمجھا کہ علی سبیل الاباحۃ کیا ہے (۳) یا ایک صحابی کو وہم ہوگیا۔ (۴) یا نسیان ہوگیا (۵) یا علت حکم میں اختلاف ہوا اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فعل کو کیا یا کوئی حکم دیا۔ صحابہ نے اپنے اپنے فہم کے مطابق اس فعل یا حکم کی علت جدا جدا قرار دی (۶) یا کسی نے سمجھا کہ یہ فعل آپ کی خصوصیات میں ہے۔ دوسرے نے سمجھا کہ اس میں کوئی قرینہ خصوصیت کا نہیں۔

اس تفریق کے لیے جو اصول قرار دیے جا سکتے تھے۔ ان پر تمام صحابہ کا رادلیل کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لیے مسائل میں اختلاف آرا ہوا۔ اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں۔ بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جن میں باوجود محضر صحابہ میں پیش کرنے۔ اور منادی کرا کر حدیث تلاش کرنے کے بھی کوئی قول یا فعل یا تقریر دربار رسالت کی نہ پائی گئی۔ ان صورتوں میں استنباط تفریع، حمل النظیر علی النظیر، اور قیاس سے کام لینا پڑا۔

صحابہ میں جن لوگوں نے استنباط اور اجتہاد سے کام لیا۔ اور مجتہد یا فقیہ کہلائے۔ اگرچہ اُن کی تعداد بہت ہے۔ لیکن ان میں نقیباً بیس بزرگ ممتاز گنے جاتے ہیں۔ ان میں سے بھی سات بزرگ ایسے تھے۔ جو فتاویٰ میں مرجع خلائق سمجھے جاتے تھے۔ علامہ سخاوی فتح المغیث میں رقمطراز ہیں۔ والمکثرون منہم سبعۃ۔ عمر، علی، وابن مسعود وابن عمر، وابن عباس، وزید بن ثابت، وعائشۃ قال ابن حزم ویمکن ان یجمع من فتاواہم مجلد ضخم،

فقہائے صحابہ کا اصلی مرکز اور ماوی مدینہ تھا۔ البتہ حضرت علی وعبداللہ ابن مسعود کچھ دنوں تک کوفہ میں رہے (۱) حضرت علیؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی سے افتا اور استنباط کی خدمت بجالاتے رہے۔ اور خلفائے راشدین نے اُن کو اسی خدمت پر مامور کیا تھا ولم یزل بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم متصدیا للنشر العلم والفتیا عہ ۳۶ھ میں مدینہ سے نکلے اور ۳۸ھ تک جنگ جمل وصفین وجنگ نہروان میں مشغول رہے۔ بعد اس کے کوفہ میں دو برس اقامت رہی۔ اس میں بھی باغیوں سے چین نہ ملا اور برابر اسی ادھیڑ بن میں رہے یہاں تک کہ آن کی شہادت ہوئی۔

(۲) عبداللہ بن مسعودؓ بھی ابتدا سے مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں عمار کو کوفہ کا حاکم بنا کر بھیجا تو عبداللہ بن مسعودؓ کو ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت عثمان نے اپنے زمانہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ پھر موقوف کر کے مدینہ ہی میں بلا لیا۔

عہ یعنی برابر حضرت علی نشر علم اور فتوی دینے کا کام کرتے رہے۔ اصابہ ۱۲

عبداللہ بن عباسؓ بھی برابر مدینہ میں رہتے۔ البتہ تھوڑا زمانہ مکہ میں رہے جو کثرت آمد و رفت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مدینہ ہی میں قیام رہا۔ غرض مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جو مہبط وحی تھا۔ برابر مرکز صحابہ مرجع خلائق منبع علم رہا فقاہت اور اسلامی احکام کی اشاعت یہیں سے ہوئی۔ فقہائے صحابہ کے فتاوے ان کے اجتہاد کے کارنامے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نشر یہیں سے ہوا۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ مدینہ مشرفہ در زبان امام مالکؒ پیشتر از زمان متاخرین بے شبہہ مرجع فضلا و محط رحال علما بودہ است در زمانے بعد زمانے مفتیان عظیم الشان کہ ہمہ عالم را قبلہ علم ایشان بود پیدا می شدند

(۳) فقاہت میں جو رتبہ حضرت عمرؓ کا ہے۔ کس سے پوشیدہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فقہ کا تمام فن حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے۔ تو کسی طرح بے موقع نہیں کہا جا سکتا اس فن کے متعلق ان کی قابلیت تمام صحابہ میں مسلم تھی۔ مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمان نے کہا کہ فتوے دینا اس شخص کا کام ہے جو یا تو امام ہو یا ناسخ منسوخ جانتا ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے۔ حذیفہ نے کہا۔ عمر بن الخطاب،،

عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور حضرت عمرؓ کا علم دوسرے پلہ میں تو حضرت عمر کا پلہ بھاری رہے گا۔

علامہ ابو اسحاق شیرازی نے جو مدرسۂ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں حضرت عمر کے تذکرہ میں صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور

اخیر میں لکھا ہے۔ ولولا خوف الاطالۃ لذکرت من فقہہ مایتحیر فیہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں حضرت عمر کی فقاہت کے کارنامے دکھلاتے ہوئے، گویا ایک رسالہ ہی مرتب کیا ہے۔

(۴) عبداللہ بن عباس کی زیرکی مشہور ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عسہ بار ان کی زیرکی پر خوش ہو کر ان کے لیے دعا فرمائی تھی اللّٰھم فقہہ فی الدین، حضرت عمر اس زیرکی کی قدر کرتے۔ اور اصحاب بدر کے ساتھ برابر بٹھاتے۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں۔ اور ہمارے لڑکوں کو جو اس کے ہمسن ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے۔ حضرت عمر نے فرمایا یہ وہ شخص ہیں جن کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے۔ کان ابن عمر یحب ابن عباس ویقربہ

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال افعال احوال کی دلدادگی عامہ صحابہ میں جس انداز کی تھی۔ وہ تو بیان سے باہر ہے۔ اس کا اندازہ کچھ وہی کر سکتا ہے جس نے صحاح ستہ اور سنن و مسانید کا مطالعہ کیا ہے۔ لیکن عبداللہ بن عمر میں ایک خصوصیت خاص یہ تھی کہ یہ سنن کی پابندی میں سخت متشدد تھے۔ یہ عام طور پر مشہور ہے۔ ان میں حضرت عمر سے بھی زیادہ بے تکلفی اور سادہ مزاجی تھی۔

عسہ اگر طول کا خوف نہ ہوتا تو حضرت عمر کی فقاہت کے کارنامے اس قدر لکھتا کہ لوگوں کو حیرت ہوتی ۱۲

عسہ یہ دعا آپ نے ابن عباس کے حق میں دو مرتبہ کی تھی (فتح الباری) ۱۲

ایک بار حج کے لیے تشریف لے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور خطبہ کا وقت آگیا۔ حجاج نے خطبہ میں تاخیر کی۔ تو حجاج جیسے ظالم شخص سے کہہ دیا کہ آفتاب تیرا انتظار نہیں کر سکتا۔

ایک بار عین خطبہ میں کہہ دیا عدو اللہ استحل حرم اللہ دخرب بیت اللہ عہ

اسی حق گوئی کی بدولت حجاج نے مسموم آلہ سے اُن کے پاؤں میں زخم کرا دیا۔ اور اُسی سے انتقال فرما گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس قدر مشاجرات باہم مسلمانوں میں ہوئے کسی میں یہ شریک نہ ہوئے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد خلافت بھی ان پر پیش کی گئی۔ لیکن یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت خریدنا نہیں چاہتا۔ ایک بار ایک شامی نے مسئلہ پوچھا کہ حالت احرام میں مچھر مارنا کیسا ہے؟ بے باک فقیہ نے جواب دیا کہ ابن رسول اللہ کو تو بے آپ قتل کر دو اور مچھر مارنے کا مسئلہ پوچھتے۔"

(۶) زید بن ثابتؓ وہ شخص ہیں جن کے متعلق کتابت وحی کی خدمت سپرد کی گئی تھی، بہت ہی ذکی تھے، گیارھویں سال عمر کے مشرف باسلام ہوئے اس ذکاوت کی وجہ سے آنحضرت نے حکم دیا کہ عبرانی زبان سیکھ لو۔ اس لیے کہ یہود سے خط و کتابت کرنی پڑتی ہے اور یہودی کاتب پر اعتبار نہیں، یہ بات کی بات میں عبرانی زبان میں خط و کتابت پر قادر ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو جمع قرآن کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ اور حضرت عثمان نے نقل مصاحف پر۔ شیخ ولی الدین خطیب رجال مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ کان احد فقہاء الصحابۃ

عہ خدا کا دشمن ہے خدا کے حرم کو حلال بنایا اور بیت اللہ کو ڈھایا ۱۲

الاجلۃ الفقائہ بالفرائض، عبداللہ بن مسعود اور یہ باہم مسائل فقہ کا مذاکرہ کیا کرتے،،

(۷) حضرت عائشہ رضؓ کے فضل وکمال۔ فطانت۔ زیرکی۔ تبحر سے کون ناواقف ہے بڑے بڑے فقیہ صحابیوں کی غلطیاں نکالتیں اور تسلیم کرا دیتیں،، ان کے مسائل اجتہادیہ واستنباط وتفریع میں بہت کم غلطیاں واقع ہوئیں۔ خداداد زیرکی کے ساتھ حافظہ غضب کا تھا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سبحان اللہ۔ اکثر قرآن کے مطالب کے سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرتیں،، قرآن سے استدلال۔ استنباط۔ توفیق بین الآیتین، یہ ان کی خداداد قابلیت تھی۔ حدیثوں سے اس کا مفصل پتہ چلتا ہے،

ایک مرتبہ لڑکپن میں گڑیا کھیل رہی تھیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پر لگے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ عائشہؓ یہ کیا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کیوں حضرت سلیمان کے گھوڑوں کے تو پر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طفلانہ خیال اور بے ساختہ پن کے جواب پر مسکرا دیا

علامہ ولی الدین خطیب لکھتے ہیں کانت فقیہۃ۔ عالمۃ۔ فصیحۃ۔ کثیرۃ الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی فقیہہ۔ عالمہ فصیحہ ہونے کے علاوہ کثیرۃ الحدیث بھی ہیں۔

(۸) ابوہریرۃ رضؓ بڑے فقیہ اور کثیر الفتاوی ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں، ابوہریرۃؓ الدوسی الیمانی الفقیہ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے آگے

چل کر لکھتے ہیں۔ وکان من اوعیۃ العلم ومن کبار ائمۃ الفتوی۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، انس بن مالک، ابوسعید خدری، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبیر، ابوموسی اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ، معاذ بن جبل، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، عمران بن حصین، ابوبکرہ، عبادہ بن صامت، معاویہ بن ابی سفیان، فتوی دینے میں ممتاز گنے گئے ہیں۔

یہ بات حیرت سے دیکھی جائے گی کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کثرت سے تھے، کیونکہ ان کی تعداد ایک لاکھ کئی ہزار تک پہنچتی ہے باوجود اس کے ان میں صاحب فتوی فقیہ ایک سو کئی تھے۔ ان میں بھی ۲۷ ممتاز گنے جاتے ہیں۔ ان ستائیس میں بھی سات گویا اس خدمت پر مامور تھے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو آنحضرت کی خدمت سے مشرف ہوئے جس نے جس قدر صحبت پائی اسی قدر وہ فیض علم سے بہرہ اندوز ہوا۔ اور ایک دوسرے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال افعال احوال کے سیکھنے کا گرویدہ رہا۔ اس طرح گویا ہر ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا بڑا حصہ یاد رکھتا اور اس کو روایت کرتا لوگوں کو سکھاتا۔ اس کے مطابق فتوی دیتا۔ اور اس خدمت کو اپنے ذاتی فرض سے جانتا۔ اس پر بھی چند ہی صحابہ فقیہ اور مجتہد کے لقب سے شہرت پذیر ہوئے، جو لاکھوں کی تعداد کے سامنے بہت ہی قلیل ہیں۔ حقیقت امر یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں۔ جن میں حدیث

صحیح صاف مصرح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اس کے معارض نہیں ان مسائل کے لیے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے پیش آتے ہیں۔ جن کی نسبت حدیث میں کوئی حکم تبصریح موجود نہیں۔ بلکہ قواعد استنباط کے ذریعہ حکم مستخرج ہوتا ہے، یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اس کے معارض ہیں ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے، اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے، صحابہ میں بہت سے بزرگ ایسے تھے جو پہلی قسم کے متعلق فتوے دیتے اور مفتی کہلاتے۔ لیکن دوسرے قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہیں لوگوں کا کام تھا۔ جو اس فن کے امام تھے۔ اور اس درجہ کے یہی بزرگ تھے۔ ان فقہائے صحابہ کے تعلیم و تربیت یافتہ تابعین میں بھی سب اس پایہ کے نہ ہوئے کہ فقیہ اور مجتہد کے لقب سے ممتاز ہوں، لیکن ہاں صحابیوں کے اعتبار سے جیسا کہ تابعیوں کی تعداد بہت بڑھی ہوئی ہے اسی طرح فقہائے تابعین کی تعداد بھی نسبتہً زیادہ ہے وہلم جرا۔ تابعین میں فقہائے سبعہ مدینہ اجتہاد میں نہایت مشہور ہوئے۔ جن کی نسبت کسی قدیم شاعر کا قول ہے ؎

اذا قیل من فی العلم سبعة ابحر	روایتهم لیست عن العلم خارجه
فقل هم عبیداللہ، عروة، قاسم	سعید، ابوبکر، سلیمان خارجه

(۱) سعید بن مسیب، سید التابعین کہے جاتے ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہؓ و حضرت عمرؓ کے مرویات و فتاویٰ کے مخزن ہیں۔ خطیب نے لکھا ہے، اجمع من الفقہ

عہ۔ حضرت ابوہریرہ کے داماد بھی ہیں اور اپنے والد مسیب صحابی سے زیادہ مشہور ہیں ۱۲

ذوالحدیث رفقہ اور احادیث کے جامع تھے،

(۲) عروہ بن زبیر حضرت عائشہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ ابوالزناد کا بیان ہے کہ عروہ فقہائے مدینہ کے مرجع تھے۔ امام زہری و ہشام کے شیخ ہیں۔

(۳) قاسم بن محمد اکابر تابعین سے ہیں اور یہ بھی حضرت عائشہ کے ساختہ پرداختہ ہیں اور فقاہت میں شہرت پذیر ہیں۔

(۴) خارجہ بن زید، زہری کے شیخ ہیں۔ اپنے والد زید بن ثابت کے علوم کے جامع تھے۔

(۵) سلیمان بن یسار۔ ان کی نسبت علامہ خطیب لکھتے ہیں، کان فقیہا فاضلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی حضرت میمونہ کے غلام تھے

(۶) ابوبکر بن عبدالرحمٰن۔ یہ حضرت عائشہ و ابوہریرہ کے تعلیم یافتہ امام شعبی، اور امام زہری کے شیخ ہیں

(۷) عبید اللہ۔ یہ عبداللہ بن زبیر کے عہد خلافت میں قاضی تھے۔ ابن عباس حضرت عائشہ اور ابن زبیر کے صحبت یافتہ تھے۔

ان کے علاوہ محمد بن سیرین، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، ابن ابی لیلی، حفصہ بنت سیرین، سالم، ابوالزناد، نافع، سفیان بن عیینہ، سلیمان بن حرب، شعبی، مکحول، عکرمہ، زہری، طاؤس، مجاہد، عطاء بن یسار، طاؤس بن کیسان، اوزاعی، یحیی بن سعید، علقمہ، اسود، یہ وہ تابعین ہیں جن کی فقاہت و اجتہاد آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن ہے۔ اور ان کی فقاہت کے کارنامے آج بھی کتابوں میں درج ہیں۔ یہ لوگ فن روایت و فقہ دونوں کی

تعلیم دیتے ان سے تبع تابعیوں نے روایت حدیث و تفقہ دونوں کی تعلیم پائی اس طرح روایت حدیث کے ساتھ تفقہ اور استنباط مسائل و اجتہاد کا سلسلہ جاری ہوا جو فقہ حجازی کے نام سے نامزد ہوا۔ مجتہدین اہلحدیث کا سلسلہ صحابہ کے زمانہ سے تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد محدثین میں برابر جاری رہا۔ اس سلسلہ کو حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اور ابن حزم نے بہت ہی مفصل اور مکمل لکھا ہے۔ افسوس بخوف طول اس سلسلہ کو ہم ترک کرتے ہیں۔ الارشاد[1] میں بھی اس کا استقصا کیا گیا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فن روایت و حدیث کے ساتھ محدثین میں تفقہ و استنباط مسائل و اجتہاد کو برابر ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ کتب حدیث کی تدوین اسی فقہی الواب پر کی گئی۔ چنانچہ امام المحدثین اور ان کے تلامذہ نے اپنی اپنی کتابیں فقہی ابواب پر تالیف کیں، کم ہی ایسے محدثین گذرے ہوں گے جو فن روایت کے ساتھ فقہ الحدیث کا درس نہ دیتے ہوں۔ گویا دونوں فن لازم ملزوم ہو گئے۔ ہاں وہ فقہ جو تخریجی اصول پر اہل الرائے میں مروج تھی۔ اس کا رواج محدثین میں نہ ہو سکا۔ جس کی وجوہات گذر چکیں۔ اور بعض وجوہ آگے آتی ہیں۔

فقہ حجازی یا فقہ اہل حدیث وہ فقہ ہے جس کے مسائل اور قوانین یا تو صراحۃً قرآن اور مشکوٰۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیے گئے ہیں یا قیاس

---

[1] مصنفہ مولوی محمد صاحب شاہجہانپوری۔ یہ اردو میں ایک جامع تالیف ہے جو فقہ المحدثین اور فقہ اہل الرائے پر پوری روشنی ڈالتی ہے اور بڑے بڑے نادر ابحاث کو شامل ہے ۱۲

عملی سے جس کی علت یا تو فہمی ہے یا نہایت روشن اور کوئی قانون دیوانی فوجداری لگان مالگذاری، شہادت، وراثت، معاہدہ وصیت، نکاح، معاملات، بیع واجارہ وغیرہ (جن کی تفصیل، صحیح بخاری کے ابواب سے معلوم ہوسکتی ہے) کا ایسا نہیں جو قرآن و حدیث سے یا اجماع و اقوال صحابہ سے نہ لیا گیا ہو یا قیاس عملی نہ مستنبط کیا گیا ہو۔ اس فقہ کی خوبی اور اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حجاز جو مہبط وحی و مہبط جبرئیل اور مسکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ماوی و ملجائے صحابہ تھا۔ وہاں اہل الرائے کی فقہ کو رواج نہ ہوا۔ اسی طرح اندلس، مصر، شام ان سب جگہوں میں اہل الرائے کی فقہ رواج پذیر نہ ہوسکی۔ صاحب سیرۃ النعمان باین عصبیت و سحر نگاری اس کے اعتراف سے باز نہ رہ سکے گو اس کی وجوہات کچھ ہی تراشیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں "عرب میں تو ان کے مسائل کو چنداں رواج نہ ہوا کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں اور ائمہ ان کے حریف مقابل موجود تھے۔" اور لکھتے ہیں کہ اندلس پر بدویت غالب تھی (اس لیے وہاں بھی اہل الرائے کے مسائل کو رواج نہ ہوا)

امام بخاری اور عموماً اہل حدیث کا طرز اجتہاد چونکہ صحابہ کے طرز اجتہاد سے تھا اور تخریجی طریقہ کو اس میں دخل نہ تھا اس واسطے اس فقہ میں وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں جو فقہ اہل الرائے میں نہیں پائی جاتیں۔

اولاً تو یہ کہ فقہاء اہل الرائے نے رائے اور تخریجی اصول کی پابندی میں سینکڑوں صحیح حدیثیں رد کردیں۔ کہیں پر ایک ہی حدیث کے ایک ٹکڑے کو استدلال میں لے لیا۔ اور دوسرے ٹکڑے کو عدم موافقت کی وجہ سے ترک کردیا۔

علامہ ابن قیم نے اس کے لیے اپنی بے نظیر کتاب اعلام الموقعین میں ایک باب ہی قائم کیا ہے اور نہایت بسط سے اس بحث کو لکھا ہے، جس سے اہل الرائے کی وجہ تسمیہ پر بھی پوری روشنی پڑتی ہے،

دوسرے یہ کہ امام المحدثین اور دیگر مجتہدین محدثین کو فیض حدیث سے جہاں اور نکات شرعیہ معلوم ہوئے وہیں امور تشریعی اور غیر تشریعی میں امتیاز کرنا بھی معلوم ہوا۔ ایک موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم تم اپنے دنیاوی کاروبار کو خوب جانتے ہو۔ اس سے آپ نے دنیاوی معاملات کو دین سے الگ کر دیا اسی طرح بریرہؓ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ وہ آزاد ہوئیں اور ان کو نکاح سابق کے توڑ دینے کا اختیار دیا گیا۔ تو نکاح انہوں نے توڑ دیا (لو راجعتیہ (تیرا شوہر مغیث تیری فرقت میں بدحواس ہے، کاش تو اس سے رجعت کر لیتی۔ بریرہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ تامرنی (کیا آپ شرعی حکم دیتے ہیں) آپ نے فرمایا نہیں (انما اشفع (میں سفارش کرتا ہوں، بریرہ نے کہا۔ جب آپ شرعی حکم نہیں دیتے بلکہ سفارش کرتے ہیں تو مجھے اختیار ہے۔ میں اپنے شوہر کو پسند نہیں کرتی (صحیح بخاری) اور ایک وقت فرمایا انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئ من رائی فانما انا بشر یوں تو ہر ایک قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور ہر تقریر دربار رسالت کی مسلمانوں کے

عہ میں ایک بشر ہوں، جب میں تم کو کوئی دینی بات بتاؤں تو اسے تھام لو اور جب کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو میں بھی ایک بشر ہوں ۱۲

لیے گنجینۂ مراد ہے۔ لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں امور (تشریعی اور غیر تشریعی) میں امتیاز فرمایا۔ ایک بات تبلیغ رسالت سے ٹھہری۔ جس کے لئے فرمایا گیا وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اور دوسرے کے بارے میں فرمایا انما ظننت ظنا فلا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا بہ۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کو بہت مفصل بیان کیا ہے۔

گو یہ بات (امور تشریعی اور غیر تشریعی میں امتیاز کرنے) اہل الرائے کو بھی محدثین کی بدولت نصیب ہوئی۔ لیکن فقہائے اہل الرائے کو ان کے اشتغال فی القیاس نے حد اعتدال پر باقی نہیں رکھا اور عامہ مسائل کو انھوں نے اپنے قیاس کے معیار پر جانچنا چاہا۔ اس وجہ سے جو افراط و تفریط ان کے مسائل مستنبط میں واقع ہوئی محتاج بیان نہیں۔ جس کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

وبعض الفقہاء عند ما خاضوا فی القیاس	بعض فقہا قیاس میں منہمک ہونے کی
تحیروا فلجوا ببعض المقادیر وانکروا	وجہ سے حیرت میں پڑ گئے اس لیے وہ
استبدالہا بما یقرب منہا وتسامحوا	اپنے قیاس سے بعض مقادیر کے ساتھ
فی بعض ما نصبوا اشیاء مقامہا مثال	تو بے طرح چمٹ گئے اور اس کے
ذلک الماء العشر فی العشر	بدلنے کو اس کے ہم جنس سے بھی انکار

کر دیا اور بعض میں اس طرح چشم پوشی کی کہ ایک کو دوسرے کے قائم مقام کر دیا اس کی مثال الماء العشر فی العشر ہے۔

فقہائے محدثین نے اس میں انتہا درجہ کی احتیاط سے کام لیا،

اولاً یہ کہ جس طرح سے جو بات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولاً اور عملاً اور تقریراً ثابت تھی سب کو بلا کم و کاست روایت کر دیا حتیٰ کہ ان میں اگر کسی صحابی کی تفسیر یا قول درج تھا تو اس کو بھی الگ پھر چھاپ دیا جس سے ہر غور کرنے والے ذی فہم کو غور کا موقعہ ملے اس کے بارے میں آپ نے فرمایا! فرب مبلغ غیر فقیہ الی افقہ منہ یعنی بہتیرے پہنچانے والے غیر فقیہ ہوں گے جو اپنے سے زیادہ فقیہ کو پہنچائیں گے۔

ثانیاً یہ کہ اس باب میں انہوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان میں بھی وہ صحابہ جو مدتوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے بہرہ اندوز رہے۔ جن کے دل و دماغ امور تشریعی کے ادراک میں نہایت بصیرت رکھتے ان کی تصریحات کی متابعت کی "

اس کے علاوہ جہاں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرق فرمایا تھا اس کے کاربند رہے۔ اس لیے محدثین سے وہ غلطیاں اور وہ افراط اور تفریط نہیں واقع ہوئی جو فقہائے اہل الرائے سے واقع ہوئی۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب فقہائے اہل الرائے کی افراط و تفریط اور ان کے اپنے قائم کردہ قیاسات کو احکام تشریعی اور غیر تشریعی کے قرار دینے میں، دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واذا تحققت ھذہ المعنی متاتخیم — جب تم اس مقدمہ کو معلوم کر چکے تو تمہارے

۱؎ سنن دارمی ۱۲

عندك ان اکثر المقالس التی نفتخر بھا القوم ویتطاولون لاجلھا علی معشر اھل الحدیث یعود وبالا علیھم من حیث لا یعلمون

اور یہ بات خود بخود واضح ہو گئی ہو گی، کہ زد قائق قیاسیہ (جن کی وجہ سے قوم اہل الرائے فخر کرتی ہے اور اس کی وجہ سے جماعت اہل حدیث پر زبان درازی کرتی ہے اور اپنا فخر بتاتی ہے ان پر وبال ہو جاویں گے اس طرح کہ ان کو خبر بھی نہ ہو گی۔

(۱) سب سے اعلیٰ اور مقدم خصوصیت جو فقہ اہل حدیث کو حاصل ہے۔ وہ مسائل فقہ کا ان مصالح اور اسرار پر مبنی ہونا ہے۔ جس کو قرآن نے نصاً بتایا ہے۔ یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یا آپ کی تقریر سے یا اس موقعہ سے جس محل میں حدیث وارد ہوئی تھی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے سمجھا تھا۔ بخلاف اہل الرائے کے کہ اکثر مسائل کی بنا ان کے اپنے قائم کردہ مصالح پر ہے یا کسی مظنہ حرج وغیرہ پر جو اجتہاد کے وقت خیال میں آئے۔ اور ان قائم کردہ مصالح پر تخریج در تخریج کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اکثر مقامات پر قوانین شریعت سے اس قدر بُعد ہو جاتا ہے۔ کہ ایک سمجھ دار آدمی حیران ہو کر رہ جاتا۔

احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے۔ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں۔ یعنی ان میں کوئی سر اور مصلحت نہیں ہے۔ مثلاً شراب خوری یا فسق وفجور صرف اس لیے ناپسندیدہ ہیں کہ شریعت نے ان سے منع کیا ہے۔ اور خیرات وزکوٰۃ اس لیے مستحسن ہیں

کہ شارع نے اس کی تاکید کی ہے ورنہ یہ افعال فی نفسہ برے یا بھلے نہیں ہیں۔
دوسرے فرقہ کا یہ خیال ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔
البتہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی مصلحتیں بتائی نہیں گئی ہیں۔ پھر وہ لوگ
جو قائل ہیں کہ احکام شریعت کی بنا مصالح اور اسرار پر ہے ان میں بھی دو فرقے
ہو گئے۔ پہلا وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ جس قدر مسائل و احکام کے مصالح و
اسرار قرآن میں نصاً بتائے گئے ہیں۔ یا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے بتائے یا صحابہ نے قرائن سے معلوم کئے وہ تو ٹھیک ہیں۔ بقیہ وہ مسائل
جن کی مصلحتیں نہیں بتائی گئیں۔ ان میں بہت سی مصلحتیں اور اسرار مخفی ہیں۔
ان میں ہم غور کر سکتے ہیں۔ اگر وہ مصالح ہماری سمجھ میں آ گئے تو ہمارے
لیے شکر کا مقام ہے۔ لیکن ان مصالح کو ہم اس حکم کی علت قرار دے کر ان سے
مسائل و احکام استخراج کریں اور قانون شریعت بنائیں اس کا منصب کسی کو
نہیں۔ اولاً تو مصلحت خود ایک خیالی چیز ہے۔ اس پر قیاس اور تخریج در تخریج
کرنا یہ ظن در ظن قابل اعتبار نہیں، اس کے مقابل دوسرا فریق ہے جو اپنی عقل
و رائے سے مصلحت دریافت قائم کر کے اس کو مسئلہ کی علت قرار دیتا ہے اور اس سے
مسائل کی تخریج کرتا ہے۔ پہلی جماعت فقہائے محدثین کی ہے۔ دوسرا فرقہ
فقہائے اہل الرائے کا ہے۔ فقہائے محدثین نے چونکہ اس باب میں انتہائی احتیاط
برتی اس لیے ان کے مسائل مستخرجہ میں وہ خوبی پائی جاتی ہے۔ جو فقہائے
اہل الرائے کے مسائل مستنبط میں نہیں پائی جاتی۔
فقہ اہل الحدیث کے مسائل کا موازنہ فقہ اہل الرائے سے کیا جائے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

تو یہ تفاوت صاف نظر آتا ہے کہ معاملات تو معاملات عبادات میں بھی اہل الرائے نے اپنے قائم کردہ مصالح و علل پر ایسا اعتماد کیا کہ عبادات کی ہیئت کذائی میں زمانہ نبوی سے تفاوت آگیا۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصلی غرض کیا ہے۔ یعنی خضوع۔ اظہار تعبد۔ اقرار عظمت الٰہی۔ دعا۔ یہ چار باتیں کھلی اور ظاہر ہیں۔ گو ہر فعل وا دا میں خاص خاص مصالح اور اسرار ملحوظ ہیں جن کا ذکر باعث تطویل ہے۔ اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں مذکور، قال اللہ تعالیٰ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ اس بنا پر نماز میں ایسی حالت ہونی چاہیے کہ جوارح اس وضع سے ہوں کہ گردیدگی و تواضع کے آثار ان سے ظاہر ہوں۔ آواز سے خوف اور عبودیت ٹپکتی ہو۔ قلب میں خشیت و ذکر الٰہی بھرا ہو تو البتہ نماز موجب نجات ہو سکتی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صاحب سیرۃ النعمان نے مسائل محدثین کا مجتہدات اہل الرائے سے موازنہ کیا ہے اور مجتہدین محدثین کو کہیں مصالح عباد سے ناواقف کہیں طرز تمدن اور طریقہ اجتہاد سے نابلد کہیں فقہی ابواب کے اسرار سے بے خبر قرار دیا ہے۔ اس موازنہ کا حق ہر شخص کو ہے لیکن افسوس ایسا کرنے میں وہ اور ان کے ہم مشرب نکتہ چینی کا الزام دینے کے لیے طیار رہتے ہیں۔ اس لیے ہم نے بالقصد اس کو ترک کر دیا ورنہ تراجم ابواب صحیح بخاری اور امام شعبی کی مبارک کتاب کتاب الام جس کا حوالہ مقدمہ میں دیا گیا ہے اور رسالہ مناقب الشافعی امام رازی اور اعلام الموقعین اور نعمانی صاحب کی طرز تحریر ہم کو اس کی اجازت نہ دیتی تھیں اور اصلی موازنہ دلائل شرعیہ میں لازم ہے۔ نہ ہی بالائی باتیں ان کو موازنہ میں کیا دخل جب دلائل شرعیہ کا پہلو محدثین کی جانب قوی ہے تو پھر طرز تمدن یا احتیاط یا مخالفت قیاس کیا وقعت رکھتی ہیں۔ ۱۲ منہ۔

قال اللہ تعالیٰ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ
اس کے لیے شارع نے تکبیر۔ قرارت، رکوع۔ سجود مقرر کیا۔ لیکن فقہائے
اہل الرائے نے اپنے قائم کردہ مصالح وعلل کی بنا پر نماز کا رتبہ اس قدر گھٹا دیا
کہ اصلی مقصود نماز کا فوت ہو گیا۔ قرارت صرف دو رکعت میں فرض ہے۔
اور وہ بھی بااس قدر کہ قرآن کی ایک ہی آیت۔ بعض لوگوں نے اصلی قرآن
منزل من اللہ کے الفاظ بھی ضروری نہیں قرار دیئے۔ فارسی ہی سہی،
حالانکہ اس قدر قرارت سے خضوع کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ نہ اظہار
تعبد۔ نہ عظمت الٰہی۔ رکوع وسجود کا رتبہ اس قدر کم کر دیا کہ صرف جھکنا اور
نہ ٹھہرنا فرض ہے اور سجود بھی اسی قدر فرض ہے کہ دو دفعہ سر زمین پر لگا دے
جس سے خضوع۔ اظہار تعبد، اقرار عظمت الٰہی۔ دعا کچھ بھی حاصل نہیں
ہو سکتا۔ اسی طرح خروج لصنعہ عمداً ہے بخلاف فقہائے محدثین کے۔
کہ انہوں نے قرارت میں قرارت فاتحہ لابدی قرار دی۔ کیونکہ اس میں حمد وثنا
اظہار تعبد۔ وعظمت الٰہی۔ واظہار خشوع ودعا سب کچھ موجود ہے۔ اور
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید مزید اس پر ہے۔ انہیں
مضامین کی جامعیت سے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ کو صلوٰۃ قرار دیا جیسا کہ
صحیح مسلم کی روایت دال ہے (قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین)
رکوع سجود کو بھی فقہائے اہل حدیث نے اسی طرح فرض بنایا جس سے اصلی
غرض نماز کی حاصل ہو۔ یعنی رکوع وسجود میں ٹھہرنا۔ اور ان میں ذکر الٰہی اور دعا
کرنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جس نے رکوع وسجود

میں جلدی کی تھی فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شخص نے رکوع سجود ایسا کیا جس سے اصلی مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ فقہائے محدثین نے اپنی رائے سے مصالح سوچ کر نماز کے ارکان مقرر کئے تھے۔ نہیں، بلکہ ان کے لیے صحیح حدیثیں موجود ہیں ساتھ اس کے ان مصالح کی خوبی پر عقل شہادت دیتی ہے۔

مسائل زکوٰۃ کا بھی یہی حال ہے۔ زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے۔ اسی لیے زکوٰۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیے گئے جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں یعنی فقراء و مساکین۔ عمال زکوٰۃ۔ مؤلفۃ القلوب مقروض۔ مسافر۔ غازی۔ مکاتب چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن میں موجود ہے اس لیے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق ہے کہ یہی لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں۔ لیکن بعض نے اختلاف پیدا کر دیا۔ فقہائے محدثین نے ان سب مصارف کے ذکر کرنے کی یہ مصلحت سمجھی کہ اگر استیعاب مصارف کی قید اٹھا دی جائے گی تو لوگ جس مصرف خاص میں ان کی خواہش ہوگی اسی میں زکوٰۃ خرچ کر دیں گے اور دوسرے بچارے محروم رہ جائیں گے لیکن استیعاب مصارف کو ضروری قرار دیا تاکہ مستحقین میں کوئی محروم نہ ہو۔ لیکن فقہائے اہل الرائے کا ذہن اس طرف نہ گیا اور انہوں نے کہا اپنی خواہش کے مطابق جس کو چاہے دے۔ ان مسائل کے سوا عبادات کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ فقہائے اہل حدیث اور محدثین نے مصالح اور اسرار کو جس خصوصیت اور دقیق نگاہ سے لحاظ کیا انہیں کا حصہ تھا

معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ فقہائے اہل الرائے نے اپنے قائم کردہ مصالح پر کس قدر اعتماد کیا ہے حالانکہ یہ نہایت نازک[ل] بات ہے۔

(۲) ایک دوسری خصوصیت فقہ اہل حدیث کو بہ نسبت فقہ اہل الرائے کے جو حاصل ہے وہ مسائل کا لیسیر العمل ہونے کے ساتھ اعتدال کا جامع ہونا قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے کہ خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ میں نرم اور آسان شریعت لے کر آیا ہوں بے شبہ اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے اس میں عبادات شاقہ نہیں اس نے مسائل آسان اور لیسیر التعمیل ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قوانین شریعت ہوا پرستی سے نہایت دور رکھے گئے ہیں۔ فقہائے محدثین نے اپنے اجتہاد و استنباط میں اس کی نہایت نگہداشت کی، اور ان کے مسائل اجتہادیہ اس افراط و تفریط دونوں سے نہایت محفوظ ہے نہ تو وہ زن مفقود الخبر کے لیے نوّے برس بیٹھنے کا حکم دیتے ہیں کہ زن مفقود الخبر اپنے اوپر نان و نفقہ و معاشرت کی تکلیف گوارا کر کے نوّے برس تک بیٹھی رہے

ل اس کے نازک ہونے کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر نے ایک بار فرمایا کہ طواف میں کندھا ہلا کر دوڑنا کفار مکہ کو اپنی قوت دکھانے کی غرض سے تھا جب کفار مکہ نہیں تو اس کی حاجت نہیں لیکن پھر دوڑے کہ شاید اس میں کوئی دوسری مصلحت ہو رُم خشی عمران یکون لہ سبب آخر ۱۲ حجۃ اللہ۔ حضرت باین خداداد فقاہت مصالح میں اپنی رائے پر اعتماد نہ کر سکے ۱۲

اور جب قبر میں پاؤں لٹکائے تو نکاح کی اجازت ملے داؤ تو اس قدر عمر با شاذ و نادر ہے ثانیاً جوانی کے وقت سے وہ رنج دکوفت میں رہبانیت اختیار کرے اور جب قبر میں پاؤں لٹکائے تو عروس بننے کی اجازت دی جائے۔ نہ اس قدر وسعت کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو کسی طرح ایسے الفاظ سکھائے جس کا معنی ایجاب ہو۔ اور وہ عورت نہ سمجھتی ہو۔ اگر اس عورت نے وہ کلمہ دو شخصوں کے سامنے کہا اور مرد نے قبول کر لیا تو یہ نکاح ہوگیا اور عورت قید نکاح میں آگئی خواہ گواہ بھی ان الفاظ کو نہ سمجھتے ہوں۔ اسی طرح نکاح کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی عورت سے بلا علم اس کے اقارب کے خفیہ طور سے دو شخصوں کے سامنے ایسے کلمات کہلا لیے یا اور کسی طرح ایجاب و قبول کرا لیا اور کسی کو اس کی خبر نہ ہوئی تو نکاح ہوگیا۔ اسی طرح ایسے دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کرا لیا جو فاسق ہوں زانی ہوں کسی پاک دامن پر تہمت لگانے میں ان پر حد لگائی گئی ہے اور تائب بھی نہ ہوئے ہوں۔ اسی طرح ایسے دو گواہوں کے سامنے جو نشہ میں چور رہوں جن کو ہوش میں آنے کے بعد علم نکاح نہ ہو اسی طرح کسی کی منکوحہ بی بی پر کسی نے دو گواہ جھوٹے گذار کر ڈگری کرالی ہو۔ اس طرح کے مسائل بہت ہیں جن میں بڑی وسعت سے کام لیا گیا لیکن امام المحدثین و فقہائے اہل حدیث کا اجتہاد اس سے محفوظ رہا۔

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جہاں ہر مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ امام المحدثین نے تمدن و مصالح عباد کی رعایت کے ساتھ

نصوص قرآنیہ و صحیح صحیح احادیث سے مسائل استنباط کرنے میں کمال سعی کی۔ اور ان کو نہایت کامیابی ہوئی۔ امام المحدثین کے زمانہ میں سلطنت عباسیہ نے تمدن میں بڑی وسعت پیدا کر دی تھی۔ اور اسلامی سلطنت کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا تھا قوموں کے میل جول سے ہزاروں صورتیں معاملات کی نئی پیدا ہو گئی تھیں اس کے سوا احادیث صحیحہ کے جمع اور منتخب نہ ہونے سے بہت سے مسائل پہلے مجتہدین کے ایسے مروج ہو گئے تھے جو صحیح نہ تھے۔ امام المحدثین نے بہت بڑا کام پہلے یہ کیا کہ صحیح صحیح حدیثوں کو منتخب کیا اور عملی طور سے یہ دکھا دیا کہ انہیں سے تمام مسائل اور احکام استنباط کئے جا سکتے ہیں ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل متعدد ابواب میں مستنبط کر کے استنباط کے اصول و طریقے بتائے۔ اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ فقہ جو شرعی قانون ہے اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو محض انسانی رائے ہو اور مجتہد کو اس کے ساتھ وہی نسبت ہے جو دنیا کے تمام مقننین کو ہوا کرتی ہے۔ محدثین[۱] لکھتے ہیں[۲]

قد اخرج المؤلف (الامام البخاری) حدیثا واحدا فی مواضع ویستنبط منہ فی کل موضع ما یتعلق بذلک الموضع من الاحکام الدینیۃ وقد اکثر مثلہ فی ھذا الکتاب وھو مما یدل علی قوۃ اجتہادہ فانہ قد استنبط کل جزئی من الحدیث مع قلۃ الحجم منہ ہا یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ امام بخاری معصوم تھے اور ان سے خطا اجتہادی نہیں ہوئی ہوگی۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱] جیسا کہ صاحب سیرۃ النعمان نے لکھا ہے اور اس طرح انہوں نے فقہ حنفی کے ایک بڑے حصے کو مسٹر سالبسری کے قوانین کے برابر کر دیا ۱۲ منہ [۲] دیکھو شرح بخاری در رسالہ شاہ ولی اللہ ۱۲۷

علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ اور ان کے بعد کے ائمہ اس سے بری نہیں تو امام المحدثین کیوں کر بری ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہم خوش اعتقادی کی محویت میں امام بخاری کو معصوم بنا کر دوازدہ معصوم کی عدد پوری کرنی نہیں چاہتے ؎

مجتہد گاہ مصیب است دگہے خاطی لیک ٭ ہرچہ دارد سہ خطا حکم پیمبر گیرند

امام بخاری پہلے حدیث کی تنقید کرتے ہیں اور اس کی صحت ہر طرح جانچتے ہیں صحت کے یقین ہونے پر بھی احتیاطاً اطمینان کے لیے استخارہ کرتے ہیں۔ اطمینان ہونے پر حدیث کو اکثر کسی مسئلہ فقہیہ کے تحت میں ذکر کرتے ہیں جس کا نام ترجمۃ الباب ہے گو اس ترجمۃ الباب میں کبھی کسی مجمل آیت کی تفسیر اور تاویل صحیح حدیث سے کرتے ہیں کبھی مطلق کی تقیید کبھی عام کی تخصیص کبھی خاص کی تعمیم کبھی کسی آیت کے دو احتمالوں میں سے ایک کی تعیین کبھی غیر ثابت احادیث و آثار کی تردید کبھی اہل زمانہ کے مروجہ رسوم و عادات کو قرآن و حدیث کے معیار سے جانچ کر اس کی صحت و غلطی کا اندازہ کرتے ہیں کبھی صحیح حدیث کی تائید کبھی کسی ضعیف حدیث کی صحت کی شہادت میں دوسری صحیح حدیث پیش کرتے ہیں کبھی ایک حدیث سے دوسری حدیث کے دو احتمالوں میں سے ایک کی تعیین کرتے ہیں کبھی دو متعارض حدیثوں کے دو محل دلیل سے بتا دیتے ہیں جس سے ظاہری تعارض رفع ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کا مفصل بیان گذر چکا۔ لیکن زیادہ تر تراجم ابواب میں مسائل فقہیہ کا استنباط ملحوظ ہے۔

(۴) اور بہت بڑی خصوصیت جو فقہ اہل حدیث کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ عموماً ان کے استدلال میں نصوص کا پہلو قوی ہوتا ہے اور یہ خصوصیت فقہ

اہل حدیث کو صرف احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی بدولت حاصل ہوئی۔

امام بخاری نے صحیح حدیثوں کو جمع کیا اور ان پر استنباط مسائل کے لیے مجتہدانہ نظر ڈالی تو اہل الرائے کے بہت سے مسائل خلاف نصوص احادیث صحیحہ پائے اس لیے انہوں نے استنباط مسائل کے ساتھ اہل الرائے کے مسائل پر تعریضیں کیں۔ اس کے علاوہ کبھی وہ اگلے ائمہ کے اختلافی مسائل کی ترجیح بھی استدلالی پہلو سے بیان کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام المحدثین کی نگاہ ایک اور اہم کام پر لگی ہوئی تھی۔ جس کا رنگ ان کی اکثر تالیفات میں پایا جاتا ہے اور اوسط ذہن کا آدمی بھی جس کی نگاہ کسی قدر وسیع ہو یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ صرف اجتہاد و استنباط مسائل و ترتیب و تہذیب فقہ اہل حدیث و تدوین و تنقید احادیث ہی ان کا اہم مقصد نہیں بلکہ ایک ضروری مقصد یہ بھی ہے، کہ اہل تخریج کے مسائل قیاسیہ و جوہ عجمیوں اور نومسلموں میں بوجہ نہ ملنے احادیث کے یا کسی دوسری وجہ سے بزور و شور مروج ہو گئے تھے عجمیوں کی آنکھیں کھلیں تو انہوں نے اسی کو پایا اور اس پر ان کا بے طرح جمود ہو چلا جس کے بہت سے اور اسباب تھے، کی جانچ پڑتال کریں۔

امام بخاری نے ایسے وقت میں جبکہ عراق میں جمود زور پکڑ چلا تھا۔ دماغ و ہمت سے کام لیا۔ اور عجمیوں و اتباع اہل الرائے کے اس غفلت اور جمود کے اٹھانے میں بڑی سعی کی۔ احادیث صحیحہ سے جہاں فقہی مسائل اخراج

کئے وہاں بڑا حصہ اپنی تصنیفات کا ان قیاسی مسائل کی تردید میں نذر کیا جو نصوص حدیثیہ کے خلاف اہل الرائے میں مروج تھے۔ اور فی الحقیقت یہ ہمت کی بات تھی۔ کیونکہ اہل الرائے کے مسائل قیاسیہ کی ترویج میں بعض سلطنتوں کی شرکت بھی تھی۔ ان کی تردید گویا سلطنت سے مقابلہ کرنا تھا۔ امام المحدثین نے زیادہ تر تدوین احادیث میں ان کی تعریضاً اور کنایۃً تردید کی۔ والکنایۃ ابلغ من التصریح۔ ہاں بعض تالیفات امام بخاری کی ایسی بھی ہیں جن میں انہوں نے فن مناظرہ کے اصول پر ان کی تردید کی ہے جیسے رسالہ قراۃ خلف الامام۔ اور رسالہ رفع الیدین۔ لیکن زیادہ حصہ تعریض اور کنایہ کا رہا۔ تراجم الابواب میں کنایۃً مجتہدین اہل الرائے پر تعریض فرماتے ہیں اور یہ امام صاحب کی اعلیٰ درجہ کی کشادہ دلی ہے۔ اسی بنا پر شارحین صحیح بخاری نے لکھا ہے کہ جامع صحیح کے تراجم الابواب سے وہی شخص پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ جس نے قوم کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ صحیح بخاری کے اشکال کا اعتراف قاطبۃً علمائے اسلام کیوں کرتے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ مورخین بھی اس کے اعتراف سے باز نہیں رہ سکے اس اشکال کے وجوہات فن حدیث کی تدقیقات اور نکات فقہیہ کی مشکلات کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ امام صاحب کا رخ ایک دوسری طرف ہوتا ہے جس کے لیے وسعت نظر چاہیے اسی لیے اس اشکال میں اضافہ ہو جاتا ہے جہاں امام صاحب نے تراجم الابواب میں تردید کی تصریح کی ہے اس کو تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن تراجم الابواب کی تعارئق اور اغراض پر غور کی نگاہ ڈالنی اور اس کی تہ کو پہنچنا بہت بڑا کمال ہے یہیں وسعت

نظر کی ضرورت ہے فقہ حنفیہ کے مطالعہ کے علاوہ امام شافعیؒ کی کتاب الام امام مالک کے مذہب کی المدونہ مصنف حافظ عبدالرزاق وغیرہ کے تراجم ابواب کا مطالعہ بھی ضروری ہے اسی لئے صحیح بخاری پڑھنے والے کے لیے فقیہ فن کی ضرورت ہوتی ہے امام صاحب کا یہ قول لو نشر بعض استاری ھؤلاء لو یفہموا کیف صنفت الصحیح یعنی یہ لوگ اگر میری کتاب کے بعض نکات سے پردہ اٹھانا چاہیں تو ان کی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ میں نے جامع صحیح کو کن نکات اور تدقیقات اور تعریفات پر مبنی کیا ہے۔" اس مقولہ کو صرف نکات حدیثیہ تک محدود رکھنا بے انصافی ہے آج کل بعض لوگوں نے ناواقفیت سے امام بخاری کے تراجم ابواب اور مسائل فقہیہ پر اعتراضات کئے ہیں اور اس کی ترویج میں بہت سعی کر رہے ہیں لیکن خیر سے وہ کوئی نئے اعتراضات نہیں ہیں بلکہ وہی سوالات ہیں جن کو شراح صحیح بخاری نے حل کرنے کے لئے لکھا ہے اور ان کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ بخوف طوالت ہم ان اعتراضات اور ان کے جواب کو حصہ ثالث کے لیے چھوڑتے ہیں لیکن یہاں اس قدر عرض کر دینا ضرور ہے کہ کوئی مجتہد ایسا نہیں گذرا جو معصوم ہو اور اس کے مسائل و دلائل پر اعتراضات نہ کئے گئے ہوں ایسے لوگوں کو جو امام بخاری کے مسائل فقہیہ یا دلائل پر اعتراضات کرتے ہیں کم از کم امام ابو حنیفہؒ کے اجتہاد و مسائل فقہیہ اور ان کے دلائل پر غور کرنا چاہیے جن کی فقاہت اور اجتہاد مسلم ہے کہ ان کے دو ثلث مسائل اجتہاد کی غلطی یا مرجوح و ضعیف ہونے سے یا دعویٰ و دلیل میں عدم مطابقت سے یا تقریب ناتمام ہونے سے خود ان کے

تلامذہ نے ترک کر دیے پس اگر اس سے فقاہت اور اجتہاد پر دھبہ آتا ہے تو سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کو اس منصب سے معزول کر کے دوسری طرف رخ کرنا چاہیے۔

امام بخاری کے اجتہاد اور استنباط مسائل و معاریض سے بحث کے لیے تو بڑی بڑی مبسوط کتابیں اور ضخیم مجلدات چاہئیں اور شراح صحیح بخاری نے اکثر بحث بھی کی ہے تاہم یہاں پر کچھ عرض کر دیا جاتا ہے۔ امام بخاری انہیں نصوص سے جو عامۃً ذہنوں میں موجود اور حاضر رہتے ہیں مسائل دقیقہ نہایت سہل طریقہ سے مستنبط کر لیتے ہیں جو استنباط کے بعد بہت ہی آسان معلوم ہوتے ہیں اور یہ امام بخاری کی صفائی ذہن اور جودت فقاہت کی بڑی قوی دلیل ہے۔ اس کی مثالیں صحیح بخاری میں بھری پڑی ہیں۔

استنباط مسائل فقہیہ میں بلکہ عامۃً صحیح بخاری میں ان کا یہ دستور ہے کہ پہلے قرآن کی آیت سے روشنی ڈالتے ہیں اس کے بعد حدیث مرفوع یا صحابہ کے آثار یا علمائے تابعین کے فتاوے لاتے ہیں اور یہ باتیں مجتہد کے لیے نہایت ضروری ہیں ہاں طریقہ استدلال اور طرز استنباط سے بالکل تعرض نہیں کرتے اور یہی موقع اہل علم کے تدبر اور فکر کا ہوتا ہے اس لیے تراجم ابواب کی طرف خاص توجہ کی گئی اور ان کے لیے بہت سی مستقل اور بڑی بڑی تالیفات لکھی گئیں جن کا مفصل بیان گذر چکا۔ سب سے زیادہ پیچیدہ اور مشکل تر تراجم ابواب کے اغراض ہیں۔ اغراض تراجم سمجھ میں آ جانے سے طریقہ استدلال و طرز استنباط کا سمجھنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ بعض مؤلفین نے اغراض تراجم ہی کو

موضوع بحث ٹھہرایا ہے اور اعراض کے بیان کے لیے مستقل تالیف لکھی۔
یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ صحیح بخاری میں بہت سے تراجم ابواب ضمنی ہیں جن میں علاوہ ترجمۃ الباب بالا کے امام صاحب کوئی ضمنی فائدہ بتاتے ہیں اصل ایسے مقامات میں تنبیہ یا فائدہ یا تقف ہونا چاہیے۔ لیکن امام بخاری اپنی اس تالیف میں بجز لفظ باب کے دوسرا لفظ نہیں لاتے اور بجائے تقف یا فائدہ یا تنبیہ کے بھی باب ہی کا لفظ لکھتے ہیں ولامشاحۃ فی الاصطلاح۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ امام بخاری کی یہ تالیف قدیم تالیفات میں سے ہے اور قدماً کا دستور ہے کہ وہ اپنی تالیفات میں اپنے مافی الضمیر کو کیف ما اتفق نہایت سادہ عبارتوں میں ادا کرتے ہیں۔ ان کی تالیفات میں متاخرین کا تکلف عبارتوں کی قطع وبرید نہیں ہوتی۔ اسی بنا پر امام ابوحنیفہ کی طرف فقہ اکبر کی[1] نسبت غلط خیال کی جاتی ہے کیونکہ اس میں قدما کی تالیفات کا رنگ بالکل نہیں ہے۔ جس نے امام شافعی کی کتاب الام یا ان کا رسالہ اصول یا صحیح مسلم کا مقدمہ وغیرہ دیکھا ہے اس پہ یہ بات نہایت واضح ہے۔
امام بخاری استنباط مسائل میں مصالح عباد پر نہایت گہری نظر ڈالتے ہیں اور ساتھ اس کے وہ استدلال میں نصوص کا پہلو نہایت قوی رکھتے ہیں۔ وہ باب قائم کرتے ہیں۔ لانکاح الا بولی۔ یعنی بغیر ولی کے نکاح نہیں ہو سکتا۔ پھر آگے چل کر دوسرا باب قائم کرتے ہیں۔ لانکاح الا برضاہا یعنی بغیر رضامندی عورت کے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور دونوں بابوں کو نہایت شفاف طریقہ

[1] دیکھو سیرۃ النعمان حصہ دوم ۱۲ منہ

ثابت کیا ہے جس کا منشا یہ ہے کہ نہ تو عورت مطلق العنان ہے جس سے جی چاہے نکاح کرلے نہ عورت اس طرح مجبور اور مقید ہے کہ دلی جس سے چاہے عقد کردے اور وہ مجبور ہو کر خاموش رہے۔ حقیقت میں شریعت کا منشا یہی ہے یعنی اعتدال قائم کرنا۔ بعض مجتہدین نے ایک طرف تو بالغہ کو مطلق العنان کردیا جس سے چاہے اپنا عقد کرے۔ دوسری طرف یہ کہ اگر کوئی شخص دھوکا سے بھی ایجاب وقبول کے الفاظ کھلوا لیوے جس کو عورت کسی طرح نہ سمجھتی ہو تو بھی عورت قید نکاح میں آکر بے اختیار ہو گئی۔

امام بخاری استنباط مسائل میں عبارۃ النص کے علاوہ اشارۃ النص دلالۃ النص اور اقتضاء النص سے بھی کام لیتے ہیں اور حمل النظیر علی النظیر وقیاس سے بھی استنباط مسائل کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ اس کے وہ استحسان قیاس طرد۔ قیاس شبہ کے پاس بھی نہیں جاتے بلکہ قیاس علت یا قیاس دلالت ہی سے کام لیتے ہیں۔

مثال۔ باب قائم کرتے ہیں۔ باب فضل صلوۃ الفجر فی جماعۃ یعنی باب نماز فجر کی فضیلت کا جماعت میں۔ دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں۔ والذی ینتظر الصلوۃ حتی یصلیہا اعظم اجرا من الذی یصلی ثم ینام یعنی جو شخص انتظار جماعت کرتا ہے کہ نماز جماعت سے پڑھے وہ اجر میں بڑا ہے اس آدمی سے جو نماز پڑھ کر سو رہتا ہے۔ بظاہر تو اس حدیث سے مطلقاً کی نماز با جماعت پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن جب اس فضیلت کی علت دیکھی جاتی ہے (جو کھلی ہوئی ہے) تو یہی حکم (فضیلت) نماز فجر میں بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

اس لیے کہ اس کی علت نیند چھوڑنا اور جاگنے کی مشقت برداشت کرنی ہے اور یہ باجماعت فجر حاصل کرنے میں بدرجہ اولیٰ پائی جاتی ہے کیونکہ کچھ دیر تک نیند روکے رہنا سوئے ہوئے میٹھی میٹھی نیند ترک کرنے کی نسبت بہت آسان ہے۔ علامہ عینی نے مقیس اور مقیس علیہ کی علت کو مختصر لفظوں میں اس طرح لکھا ہے ومعلوم ان المشقۃ فی الجماعۃ فی الفجر ازید فیعلم ان اجرھا اوفر بلکہ جماعت عشاء سے جماعت فجر کی فضیلت بحیثیت دلالۃ النص زیادہ ثابت ہوئی

کبھی وہ کئی حدیثوں کو ملا کر ایک مسئلہ ثابت کرتے ہیں گویا وہ مسئلہ کئی مقدمات کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مثال۔ باب ھل علی من لم یشھد الجمعۃ غسل من النساء والصبیان وغیرھم قال ابن عمر انما الغسل علی من تجب علیہ الجمعۃ یعنی کیا جو لوگ جمعہ میں نہ حاضر ہوں جیسے بچے عورتیں وغیرہ (اندھے) ان پر جمعہ کا غسل واجب ہے یا نہیں۔ اس باب کے سب سے اخیر میں جو حدیث لائے ہیں وہ یہ ہے۔ عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ یعنی خدا کی لونڈیوں کو (یعنی عورتوں کو) خدا کی مسجدوں سے نہ روکو۔ بظاہر اس حدیث کو بچوں عورتوں پر غسل جمعہ واجب ہونے یا واجب نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن جب یہ دیکھو کہ اسی باب میں اس سے پہلے یہی

سلہ حیرت ہے کہ بعض لوگوں نے ظاہر بینی سے اس حدیث کو عدم مطابقت کی مثال میں پیش کر کے اعتراض کیا ہے ۱۲

حدیث حضرت عمر سے اس طرح آئی ہے:۔

زیدنوا للنساء باللیل الی المساجد   یعنی عورتوں کو رات میں مسجد جانے سے نہ روکو

اور دونوں روایتیں حضرت عمر ہی کی ہیں۔ پہلی حدیث میں رات کی قید ہے دوسری حدیث مطلق . . . . تو دوسری حدیث جو مطلق ہے اُس میں بھی رات کی قید معتبر ہے۔ پس اس حدیث کا مطلب بھی یہ ہوا کہ خدا کی لونڈیوں کو رات میں خدا کی مسجدوں سے نہ روکو لہذا دن کو روکنا ثابت ہوا اور جمعہ دن کو ہوتا ہے پس جمعہ ان پر واجب نہ ہوا اب اس کے ساتھ ابن عمرؓ کا یہ اثر ملاؤ جو اسی باب میں مذکور ہے۔

انما الغسل علی من تجب علیہ الجمعۃ   غسل جمعہ انہیں پر ہے جن پر جمعہ ہے

ان تینوں حدیثوں کے ملانے سے ثابت ہوا کہ عورتوں پر غسل جمعہ واجب نہیں۔ دوسری مثال باب الصدقۃ[1] قبل العید۔ اس باب کے اخیر میں جو حدیث لائے ہیں وہ یہ ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال کنا	یعنی ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم
نخرج صدقۃ الفطر فی عھد النبی	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفطر	میں عید کے دن صدقہ فطر ایک صاع
صاعا من طعام۔	غلہ دیتے تھے۔

بظاہر اس حدیث کو باب سے تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن اس کے ساتھ اس سے پہلے جو حدیث مذکور ہے اُس کو ملاؤ تو مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے۔

---

[1] صدقہ فطر قبل نماز عید کے دینا چاہیے ۱۲۔

وہ حدیث یہ ہے۔

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بزکوٰۃ الفطر قبل خروج الناس الی الصلوٰۃ۔

یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ صدقہ فطر نماز عید کے لیے نکلنے سے پہلے دے دو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم آپ کے حکم کے خلاف عمل نہیں کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابو سعید خدری جو بیان کرتے ہیں کہ ہم صدقہ فطر آنحضرت کے زمانہ میں ایک صاع غلہ دیتے تھے اس میں قبل نماز عید کے دینا مراد ہے۔ دراصل امام بخاری ایک باب کے تحت میں دو حدیثیں ایک مقید دوسری مطلق لاکر اصولی مسئلہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس مطلق سے بھی مقید ہی مراد ہے۔ گو شارحین نے اس مثال میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری کی نگاہ یہاں اطلاق لغت پر ہے یعنی ابو سعید خدری کی حدیث میں جو یوم الفطر کا لفظ ہے اس سے لغتہً قبل نماز عید مراد ہونا اطلاق اولی ہے اور بعد پر اطلاق ثانوی اس لیے کہ فطر میں ابتدار کا معنی ملحوظ ہے۔ قال فی لسان العرب الفطرۃ الابتداء انفطر العنب اذا بدت رؤسہ لان القضبان تنفطر اول النبات والدسمی اسی سے فطیر ہے خمیر کا خلاف فطیر تازہ گوندھے ہوئے آٹے کو کہتے ہیں بخلاف خمیر کے علامہ عینی کہتے ہیں۔ مطابقتہ توخذ من قولہ یوم الفطر

کبھی مسئلہ فقہیہ کو لیقاعدہ بالطریق الاولیٰ ثابت کرتے ہیں جس کا نام دلالۃ النص ہے۔

باب الاستماع فی الخطبۃ یعنی خطبہ جمعہ میں کان لگانا۔

دلیل میں یہ حدیث لائے فاذا خرج الامام طووا صحفہم یستمعون الذکر یعنی فرشتے پہلے سے جمعہ میں حاضر ہونے والوں کو دروازہ مسجد پر لکھتے رہتے ہیں۔ اور جب امام خطبہ کے لیے منبر پر نکلتا ہے تو اپنے اپنے دفتر داں کو لپیٹ کر خطبہ میں کان لگا لیتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو بدرجہ اولی کان لگانا چاہیئے۔

کبھی عموم اضافت سے مسئلہ نکالتے ہیں۔ مثال:۔

باب اذا فاتہ العید یصلی رکعتین وکذلک النساء ومن کان فی البیوت والقری — یعنی جس سے نماز عید کی فوت ہو جائے وہ دو رکعتیں پڑھ لے اسی طرح عورتیں بھی اور جو لوگ اندھے معذورین وغیرہ گھر میں ہوں یا گاؤں میں۔

دلیل میں یہ ٹکڑا حدیث کا لائے ھذا عیدنا اھل الاسلام دوسرا لفظ فانھا ایام عید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عامۃ کل اہل اسلام کی طرف عید کی نسبت کی خواہ مرد ہو یا عورت پس عید کا شعار جو نماز ہے ہر ایک کے لیے ہے جس سے چھوٹ جائے پڑھ لے۔

کبھی عموم الفاظ سے مسئلہ ثابت کرتے ہیں مثال باب بیع المدبر یعنی مدبر کی بیع جائز ہے۔ استدلال میں یہ حدیث لائے

عن زید بن خالد وابی ھریرۃ انھما سمعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسأل عن امۃ تزنی ولم تحصن — زید بن خالد اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آپ سے اس لونڈی کے

قال اجلدوها ثم ان زنت	بارے میں سوال کیا گیا جو زنا کراتی ہے
فاجلدوها ثم بیعوها بعد	آپ نے فرمایا درے لگاؤ اگر دوبارہ زنا
الثلاثۃ او الرابعۃ	کرے تو دوبارہ درے لگاؤ پھر بیچ ڈالو

تیسری بار بیچنے کو فرمایا یا چوتھی بار۔

اس میں لونڈی زانیہ مدبرہ اور غیر مدبر سب شامل ہے۔ پس اگر مدبرہ لونڈی زنا کرے تو اس کے لیے بھی یہی درے اور آخر میں بیع کا حکم ہے۔

کبھی مسئلہ فقہیہ کے ثبوت میں کسی مختصر حدیث کو جو ان کی شرط کے مطابق ہے، لا کر اشارہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث انہیں صحابی سے مطول اور مفصل آئی ہے اور اس میں یہ مسئلہ صراحۃً مذکور ہے لیکن چونکہ ان کی شرط پر نہیں اس لیے خود جامع صحیح میں اس مفصل روایت کو نہیں لائے اور مختصر حدیث سے مسئلہ کی صحت کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ مثال باب طول القیام فی صلوۃ اللیل۔ یہ باب ہے بیان میں درازی قیام کے رات کی نماز میں دلیل میں یہ حدیث لائے عن حذیفۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام للتہجد یشوص فاہ بالسواک بظاہر اس مختصر حدیث میں طول قیام کا ذکر نہیں لیکن یہی حدیث انہیں حذیفہ صحابی سے مفصل مروی ہے۔ جس میں حذیفہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ بقرہ شروع کی میں نے خیال کیا کہ آپ سو آیت ختم ہونے پر رکوع کریں گے لیکن آپ برابر پڑھتے گئے۔ میں نے خیال کیا کہ سورہ کے اخیر تک اس رکعت میں پڑھیں گے لیکن اس کے بعد آپ نے سورۂ نسا شروع کیا

اور ختم بھی کر دیا پھر آپ نے سورہ آل عمران شروع کر دی اور اسے بھی ختم کیا اور آپ ٹھہر ٹھہر کے پڑھتے تھے اور اثناء قرات میں جب کوئی تسبیح کی آیت پڑھتے تو پاکی بیان کرتے اور جب دعا کی آیت آتی تو دعا کرتے اور تعوذ کی آیت آتی تو تعوذ کرتے۔ پھر آپ نے رکوع کیا الحدیث (مسلم)

کبھی مسئلہ کو حدیث سے استنباط کرنے میں اشارہ کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایک مقدمہ خارجیہ بھی ہے جو گویا فطری ہے۔ مجتہدین کے ذہن میں ملحوظ رہتا ہے اور غائب نہیں ہوتا۔ اور درحقیقت وہ مسئلہ حدیث اور مقدمہ خارجیہ دونوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مثال۔ باب ما یستخرج من البحر۔ باب جو چیز سمندر سے نکالی جائے اس میں خمس وغیرہ ہے یا نہیں۔ دلیل میں علاوہ آثار صحابہ و اقوال علمائے تابعین کے یہ حدیث بھی لائے عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلا من بنی اسرائیل سال بعض بنی اسرائیل ان یسلفہ الف دینار فدفعھا الیہ فخرج فی البحر فلم یجد مرکبا فاخذ خشبۃ فنقرھا فادخل فیھا الف دینار

لہ ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے دوسرے اسرائیلی سے ایک ہزار اشرفی قرض مانگی۔ اس نے دے دیا (ادا کرنے کے وقت) مقروض سمندر کی طرف نکلا لیکن کوئی جہاز نہ پایا تو ایک لکڑی لے کر سوراخ کیا اور اس میں ہزار اشرفیاں بھر کر سمندر میں ڈال دیا۔ قرض دینے والا سمندر کی جانب نکلا تو ایک لکڑی دیکھی اس کو نکال کر بغرض ایندھن بنانے کے گھر لے گیا چیرا تو اس میں اشرفی پائی الحدیث ۱۲ منہ

فرمی فی البحر فخرج الرجل الذی کان اسلفہ فاذا بالخشبۃ فاخذھا لاھلہ حطبا وذکر الحدیث فلما نشر الحطب وجد المال انتھی،

اس حدیث سے جس کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، معلوم ہوا کہ سمندر سے جو چیز نکالی جائے اس میں کچھ دینا لازم نہیں تھا اب حدیث کے ساتھ یہ مقدمہ خارجیہ ملاؤ شرع من قبلنا شرع لنا ما لم ینکر ہمارے پہلے کے احکام شرعیہ ہمارے لیے بھی معتبر ہیں جب تک شارع کی طرف سے انکار نہ ہو۔ اس حدیث اور مقدمہ کے ملانے سے ثابت ہوا کہ جو چیز سمندر سے نکالی جائے اس میں خمس وزکوٰۃ نہیں ورنہ حدیث بیان فرما کر آنحضرت سکوت نہ فرماتے چونکہ یہاں دلیل صاف اور صریح نہ تھی اس لیے باب بھی بہت زور دار اور صریح الفاظ میں نہیں قائم کیا۔ اور یہ کمال خوبی ہے کبھی امام بخاری ترجمۃ الباب بہت زور دار الفاظ میں قائم کرتے ہیں اور متعدد باب ایک ہی مسئلہ کے لیے متعدد عنوان سے قائم کرتے ہیں۔ یہ وہاں ہے جہاں کوئی امر بہت زور سے رواج پذیر ہوتا ہے۔ اور اس کے جواز پر دلیل شرعی قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کے خلاف میں دلیل ہوتی ہے۔

مثال من قضی لہ بحق اخیہ فلا یاخذہ فان قضاء الحاکم لا یحل حراما ولا یحرم حلالا اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر غلطی اور ناواقفی یا جھوٹے گواہ گذارنے یا زور تقریر کے ذریعہ دھوکہ دینے سے حاکم نے ناحق فیصلہ دے دیا تو وہ دیانتاً اور عند اللہ صحیح نہ ہوگا۔ اور نہ جس کے لیے فیصلہ دیا گیا اس کو شے فیصلہ شدہ میں عند اللہ اور دیانتاً تصرف کا حق ہے اس مسئلہ کو اس حدیث

سے ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انما انا بشر وانہ یاتینی الخصم ولعل بعضکم یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ صادق فاقضی لہ بذلک فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من النار فلیاخذھا او لیترکھا" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آدمی ہی ہوں (یعنی غیب دان نہیں) میرے پاس فریق مقدمہ لے کر آتے ہیں شاید تم میں بعض آدمی بعض پر بولنے میں فوقیت رکھتا ہو اور حقیقت میں وہ جھوٹا ہو (اور صاحب حق کم بول ہو) اور میں اس کو سچا سمجھ کر فیصلہ دوں تو جس کے لیے میں ایسا فیصلہ دوں گا وہ شے آگ کا ٹکڑا ہے جی چاہے لے یا چھوڑ دے۔ یہ استدلال جیسا شفاف ہے ظاہر ہے۔ قانون شریعت سے قطع نظر کر کے بھی دیکھا جائے تو یہ بات کہ اگر کسی کے لیے غلطی یا فریب دہی سے حاکم نے کسی چیز کا فیصلہ دے دیا تو عنداللہ اور دیانتًا بھی مدعی کو حق تصرف حاصل ہو گیا۔ قیاس سے باہر ہے اور اس اصل میں جس قدر مفاسد ہیں ظاہر ہیں بقول صاحب سیرۃ النعمان "اگر اس قسم کے مسائل کتابوں میں نہ دیکھے جائیں تو مشکل سے یقین ہو"۔

فقہا کی ایک جماعت میں حیل کا باب بہت وسیع ہو چلا تھا جس کو وہ اپنی دقت رائے کا نتیجہ سمجھتے۔ اس میں اس قدر وسعت سے کام لیا گیا۔ کہ مسئلہ مسئلہ میں حیلہ کی صورتیں نکل آئیں۔ جو اکثر تخریجی فقہ کی کتابوں میں مدون ہیں۔ نتیجہ یہاں تک پہنچا کہ زکوٰۃ تک کے ساقط کرنے کا حیلہ نکل آیا۔ امام المحدثین کی اس طرف خاص توجہ ہوئی اور جامع صحیح میں حیل کی تردید بڑے زور سے کی اور ان کی یہ سعی مقبول ہوئی۔ ان فقہا کے حیل بڑی نفرت کی نگاہ سے

دیکھے گئے۔

اسی طرح امام المحدثین نے استنباط اور اجتہاد کے وقت معاملات کے مسائل میں نہایت دقیق نظر ڈالی اور چونکہ احادیث صحیحہ کا بے بہا خزانہ خدا کی طرف سے ان کو دیا گیا تھا اس لیے بہت سے مسائل مروجہ فقہا کو پچھاڑ دیا جن کی تفصیل کتاب البیوع کتاب الہبہ کتاب الشہادات۔ صلح۔ اجارات، خصومات۔ شروط وصایا۔ حوالہ۔ کفالہ۔ وغیرہ سے ظاہر ہے۔ ان کی مثالیں یہاں تطویل لاطائل ہیں۔ اور اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔

امام بخاری نے استنباط مسائل اور اجتہاد کے اصول بتاتے ہوئے قیاس کی دو قسمیں کی ہیں۔ قیاس صحیح دوسرا قیاس فاسد۔ قیاس صحیح کے لئے اس طرح باب قائم کیا۔ باب[عہ] من شبہ اصلا معلوما باصل مبین قد بین اللہ حکمہا لیفہم السائل اس باب کے قائم کرنے میں قد بین اللہ حکمہا لیفہم السائل سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ قیاس صحیح مثبت حکم اور مثبت مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا کام صرف حکم کو ظاہر کر دینا ہے جو سائل یا مجتہد کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ دوسری قسم (یعنی قیاس فاسد) کے لیے اس طرح باب قائم کیا؛

باب ما یذکر من ذم الرای و	یعنی باب رائے اور قیاس کے تکلف بناوٹ
القیاس وقول اللہ تعالیٰ ولا تقف	کی برائی اور مذمت کا اور اللہ تعالیٰ کے

عہ باب اس امر کا کہ کوئی شخص کسی اصل معلوم کو کسی اصل مبین کے ساتھ جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے تشبیہ دے تاکہ سائل سمجھ جائے ۱۲ منہ

مالیس لک بہ علم۔ قول کا راور مت پیچھے چلو ایسی باتوں کے

جن کا علم تم کو نہ ہو)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ قیاس کی دو قسمیں ہیں ایک قیاس صحیح جس کا ذکر قرآن میں بمحل مدح کیا گیا ہے جس کا نام اصول فقہ قائم ہونے پر اصولیوں نے قیاس علت اور قیاس دلالت رکھا ہے، قیاس علت کی مثال یہ ہے، اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ یہاں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش حضرت آدمؑ کی پیدائش پر قیاس کی گئی ہے اور مقیس و مقیس علیہ کی علت لفظ کن ہے جو قدرت الٰہی کا مظہر ہے۔

قیاس دلالت کی مثال یہ ہے۔ ویقول الانسان اذا مامت لسوف اخرج حیا اولا یذکر الانسان انا خلقناہ من قبل ولم یک شیئا یہاں انسان کی پہلی پیدائش رمقیس علیہ کو دال اور دوسری بار زندہ ہونے رمقیس کو مدلول قرار دیا

دوسرے قسم کے قیاسات میں قیاس طرد قیاس شبہ قیاس استحسان وغیرہ ہیں قیاس شبہ سے اکثر اہل ہوا جیسے قدریہ۔ معتزلہ جہمیہ رافضیہ وغیرہ کا کام لیتے۔ کفار سے نے حلت سود میں اور حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کے بھائی بنیامین کے بارے میں قیاس شبہ ہی سے کام لیا۔

عـہ مثال عیسیٰؑ کی آدمؑ کی مثال ہے کہ آدم کو مٹی سے بنا کر فرمایا کن ہو جا پس وہ ہو گئے ۱۲ منہ

عـہ کیا کہتا ہے انسان تعجب سے جب میں مر جاؤں گا تو زندہ کر کے قبر سے نکالا جاؤں گا کیا نہیں یاد ہے انسان کو کہ میں نے اس کو پہلے پہل پیدا کیا اور وہ کچھ نہ تھا ۱۲

عـہ کفار کہنے کو انما البیع مثل الربٰو حضرت یوسف کے بھائیوں نے کہا ان یسرق فقد سرق اخ لہ ۱۲

قیاس طرد ماوراء النہریوں میں رواج پذیر تھا۔ قیاس استحسان اور مجتہدین میں مستعمل تھا۔ امام بخاری کا منشا ان دونوں بابوں کے قائم کرنے سے یہ تھا کہ جس مسئلہ میں نص موجود ہے وہاں قیاس سے الگ رہنا چاہیے اور جہاں نص موجود نہ ہو مجبوراً قیاس سے کام لیا جاسکتا ہے لیکن اسی قیاس سے جو صحیح ہے اور بالاتفاق حجت ہے۔ اسی بنا پر علمائے تاریخ نے مجتہدین اہلسنت کی تین قسمیں کی ہیں۔ ایک ظاہریہ جو قیاس کو اصول اجتہاد میں داخل نہیں کرتے دوسری جماعت فقہائے محدثین کی ہے جو بوقت نہ ملنے نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کے قیاس سے کام لیتے ہیں لیکن اسی قیاس سے جو بالاتفاق مقبول اور حجت ہے اور پہلے یہ لوگ احادیث کی تلاش میں جان لڑا دیتے اس کے بعد قیاس سے کام لیتے۔ لیکن قیاس شبہ قیاس طرد واستحسان وغیرہ سے کام نہیں لیتے۔ تیسری جماعت فقہائے اہل الرائے کی ہے جن میں قیاس طرد واستحسان کا بھی رواج تھا۔ لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گو علامہ ابن خلدون اور صاحب معارف علامہ دینوری ودیگر مورخین نے حضرات امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ وغیرہم کو فقہائے اہل الرائے میں شمار کیا ہے لیکن ان ائمہ اور اور ان کے معاصرین ائمہ ومجتہدین کا مسلک یہی رہا اور اسی پر خاتمہ ہوا کہ حدیث ضعیف بھی قیاس پر مقدم ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق فتح المغیث کی عبارت گذر چکی۔ علامہ شعرانی لکھتے ہیں۔

اعتقادنا واعتقاد کل منصف فی اس کا خلاصہ اسی قدر ہے کہ ہر مصنف

الامام ابی حنیفۃ بقرینۃ ما روینا آنفا عنہ
من ذم الرای والتبری منہ ومن تقدیمہ النص
علی القیاس انہ لو عاش حتی دونت احادیث
الشریعۃ وبعد رحیل الحفاظ فی جمعہا من
البلاد والثغور وظفر بہا لاخذ بہا وترک
کل قیاس قاسہ وکان قل فی مذہبہ کما
قل فی مذہب غیرہ بالنسبۃ الیہ لکن لما
کانت ادلۃ الشریعۃ متفرقۃ فی عصرہ مع
التابعین وتابعی التابعین فی المدائن والقری
والثغور کثر القیاس فی مذہبہ بالنسبۃ
الی غیرہ من الائمۃ ضرورۃ لعدم وجود النص
فی تلک المسائل التی قاس فیہا بخلاف
غیرہ من الائمۃ ویحتمل ان الذی اضاف الی
الامام ابی حنیفۃ انہ قدم القیاس علی النص
ظفر بذلک فی کلام مقلدیہ الذین یلزمون
العمل بما وجدوہ عن امامہم من القیاس و
یترکون الحدیث الذی صح بعد موت الامام
فالامام معذور ومقلدوہ غیر معذورین انتہی

کا اعتقاد جناب امام ابوحنیفہؒ کے
بارے میں ان کے اقوال کو پڑھتے
ہوئے یہ ہے کہ اگر آپ زندہ رہتے
اور احادیث نبویہ جمع ہو گئی ہوتیں
تو جس قدر مسائل میں آپ نے قیاس
کیا حدیث ملنے پر قیاس ترک
کر دیتے اور مذہب میں بھی قیاس
کم ہوتا۔ کیونکہ آپ قیاس کی
مذمت کرتے اور اس سے برات
ظاہر کرتے تھے۔ اور جس نے
کہا کہ امام ابوحنیفہؒ قیاس کو
حدیث پر مقدم کرتے غالبا
اس نے یہ بات ان کے مقلدین
میں پائی جو امام کے قیاسی مسئلہ
کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں
اور حدیث صحیح کو چھوڑ دیتے
ہیں۔ پس امام صاحب معذور ہیں
ان کے مقلدین غیر معذور۔

حقیقت امر یہی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے وہ اتباع فقہاء جن میں

تقلید جمود پیدا ہو گیا، جنہوں نے اپنے طرز عمل سے اہل الرائے کے لقب میں برا اثر پیدا کر دیا۔ جنہوں نے مسائل کی بنا تخریج پر رکھی جن کی ذات سے فقہائے محدثین کو تکلیفیں پہنچیں۔ ان فقہا کے ذمہ دار امام صاحب نہیں ہو سکتے، وہ فرماتے ہیں، لولا الروایۃ لقلت بالقیاس اذا صح الحدیث فھو مذھبی، اترکوا قولی بخبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوال کو دیکھتے ہوئے امام ابو حنیفہ رہ کا شمار فقہائے اہل حدیث سے ہونا بہت ہی مناسب ہے۔

۱۰ اصول اجتہاد بیان کرتے ہوئے امام بخاری نے ظاہری المذہب کی تردید کے لیے اس طرح باب قائم کیا۔ باب الحجۃ علی من قال ان احکام النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت ظاہرۃ ان مجموعی باتوں پر لحاظ کرتے ہوئے امام المحدثین کو ظاہری المذہب کہنا ظاہر بینی اور سخت جسارت ہے امام بخاری نہ ظاہری المذہب تھے نہ اہل الرائے بلکہ مجتہد المحدثین تھے تم الکتاب بعون ملک الوھاب۔

قرأت ھذا الکتاب من اولہ الی آخرہ حرفا حرفا بنظر حدید وتدبر کامل وتفکر صائب۔ فوجدتہ صحیحا لفظا وکتابۃ واستدلالا وقتا ارتعی کلا اللھم ارحم علی مؤلفہ دنا شرہ وکاتبہ وانادی المومنین والمسلمین بنداء عالی ان تفوزوا بتحصیل ھذا الجوھر اللامع من اھلحدیث اکیڈمی لاھور۔

(محمد یعقوب سیالکوتی)

۱۹ ۹/۶/۸

خاتمہ

امام المحدثین کے تلامذہ

محدثین کے نزدیک استادی اور شاگردی کا تعلق نہایت قوی تعلق سمجھا جاتا ہے، اور اس تعلق کا خصوصیت کی نگاہ سے دیکھا جانا کچھ ایشیائی ملکوں تک محدود نہیں ہے، افریقہ، ایشیا، یورپ شرقاً وغرباً، جنوباً وشمالاً، غرض جس خطہ کے محدث کا حال پڑھوگے، مورخ خصوصیت کے ساتھ دس پانچ مشاہیر کے نام گنائے گا۔ اور یہ بتا کر اپنا فرض ادا کرے گا کہ اس محدث کے حلقۂ درس میں فلاں فلاں مشاہیر نے تعلیم پائی اور اس کی علمی مجلسوں کی رونق ایسے لوگ تھے۔

محدثین میں یہ تعلق اس قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ بڑے بڑے صاحب کمال جن کی جامعیت آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ روشن ہے کسی باکمال شیخ کی طرف بواسطہ منسوب ہوتا بھی بڑے فخر کی بات سمجھتے، حافظ ابن حجر کی جامعیت سے کون ناواقف ہے۔ حافظ ذہبی کا نام آتا ہے تو شیخ شیخنا لکھا کرتے ہیں، یہ تعلق عامۃً اگرچہ حلقہ محدثین میں نہایت قوی تعلق سمجھا گیا، تاہم بعض شاگردوں کو مختلف وجوہ سے استاذ کے ساتھ کچھ ایسی خصوصیت ہوتی ہے کہ جہاں استاذ کا نام آتا ہے

ممکن نہیں کہ ان کا نام نہ آئے۔

ہم اس کتاب کے شروع میں لکھ آئے ہیں کہ امام المحدثین کے درس و تدریس کا حلقہ اس قدر وسیع ہے کہ خلیفہ وقت کی حکومت کو وہ وسعت حاصل نہیں تلامذہ کا سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے مدتوں بخارا میں درس دینے کے علاوہ بغداد، بصرہ، کوفہ۔ امام صاحب کے درس کے ممنون رہ چکے ہیں، درس گاہ میں بیس بیس ہزار تک طالبین کی تعداد پہنچ جاتی ہے۔

امام فربری امام صاحب کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام المحدثین سے نوے ہزار شاگردوں نے صحیح بخاری روایت کی ممکن ہے کہ یہ تعداد صحیح ہو لیکن حق یہ ہے کہ صحیح تعداد کا پتہ لگانا ایک دشوار امر ہے۔ امام المحدثین کا حلقہ درس فقہ، حدیث، تاریخ، تفسیر، نکات اسانید و علل غامضہ، کی ایک جامع درس گاہ ہے، امام المحدثین کی درس گاہ کو ایک مکان فرض کرو۔ جس کے متعدد دروازے ہیں اور ہر دروازے پر ایک صاحب کمال موجود ہے۔ جو طالبین کی ضرورتوں کو پوری کرتا ہے۔ بعض طالبین نکات فقیہہ کے دلدادہ ہیں تو دوسرے صحیح حدیثوں کے شیفتہ، کسی کو تفسیر سے شغف ہے تو کسی کو تاریخ سے دلچسپی، کچھ لوگ علل غامضہ، اور تدقیقات اسانید و رجال کے شیدا نظر آرہے ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے لوگ بھی شامل درس ہیں جن کو فرق باطلہ کی تردید کا شوق دامن گیر ہے۔

اور علم کلام سے شغف، ایک امام المحدثین کی جامعیت نے سب کو گرویدہ کر رکھا ہے۔ ان میں کچھ تلامذہ ایسے باکمال نظر آرہے ہیں۔ جن کو امام المحدثین کی ذات سے خاص قسم کا تعلق ہے جن کے تذکرے کے بغیر امام المحدثین کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے، اور آپ کی علمی مجلسوں کی گرم جوشی کا صحیح اندازہ بغیر ان کے مشکل ہے۔

امام المحدثین کی خصوصیات زندگی میں، بڑی خصوصیت فقہ الحدیث کی ترتیب و تدوین اور صحیح حدیثوں کا جمع و انتخاب اور ان کی ترویج ہے، یہ ناممکن ہے، کہ اس کام میں جن تلامذہ نے کافی حصہ لیا اور امام صاحب کے اس مہتم بالشان کام کو نہایت سرگرمی سے انجام دیا جس سے فقہ الحدیث اور صحیح حدیثوں کا مجموعہ تمام دنیائے اسلام میں جاری ہوگیا، انہیں کا ذکر چھوڑ دیا جائے ان تلامذہ کے ذکر سے اس کام (فقہ الحدیث اور صحیح حدیثوں کا انتخاب) کی اہمیت اور خوبی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، ساتھ اس کے امام المحدثین کی بلند پائے گی بھی ثابت ہوتی ہے کہ جس کے تلامذہ اس رتبہ کے ہوں گے وہ خود کس پایہ کا ہوگا۔

شاگرد کا رتبہ و اعزاز اُستاد کے لیے باعث فخر خیال کیا جاتا ہے، اگر یہ فخر صحیح ہے تو اسلام کی تاریخ میں بہت تھوڑے لوگ ایسے نظر آئیں گے جو امام المحدثین کے برابر اس فخر کے مستحق ہیں۔ اگر امام المحدثین یہ دعویٰ کرتے تو بالکل بجا تھا کہ جو لوگ ان کے

شاگرد تھے وہ بڑے بڑے ائمہ اور مجتہدین کے شیخ اور استاد تھے انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً امام مسلم امام ترمذی، امام دارمی امام نسائی، اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں اسلام پہنچا ہو اور ان ائمہ کا فیض وہاں نہ پہنچا ہو

امام المحدثین کے زمانہ میں جو مذہبی علوم نہایت اوج ترقی پر تھے وہ فقہ، حدیث اسماء رجال تھے۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے اکثر امام المحدثین ہی کے شاگرد اور زلہ ربا تھے، ان کی شاگردی برائے نام نہ تھی، بلکہ مدتوں ان کے حلقہ درس میں شامل ہو کر تقریروں کو قلمبند کرتے رہے اور ہمیشہ ان کے فیضِ صحبت کا اعتراف کرتے رہے، حدیث و رجال کی نسبت تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن فقہ کی نسبت اس دعوے پر لوگوں کو تعجب ہوگا اور تعجب بجا ہے کیونکہ امام المحدثین کی شاگردی سے جو لوگ مشہور ہوئے وہ اکثر محدث ہی تھے فقہا میں سے جو امام صاحب کے شاگرد ہیں اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں لیکن ان کی شاگردی کا تعلق بھی چنداں مخفی نہیں، ایک خصوصیت امام صاحب کے ساتھ یہ بھی ہے کہ آپ کے اکثر تلامذہ فن روایت و درایت فقہ و حدیث کے جامع تھے

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ امام المحدثین کے باکمال تلامذہ کی فہرست کے لیے، ان تکلفات کی حاجت نہیں جو عامتہً معتقدین اد س

مقلدین اپنے ائمہ کی شان بڑھانے کے لیے کیا کرتے ہیں اور بڑے بڑے نقاد اور ماہرین فن کو کسی نہ کسی طرح ان کی شاگردی کے سلسلہ میں لاکر اپنے ائمہ کے تلامذہ کی خانہ پری کرتے ہیں، کہیں ،، اخذنا باکثر اقوالہ ،، کے لفظ سے جو غیر متروک ہونے کے موقع پر بولا گیا ہے تلمذ ثابت کرتے ہیں، کہیں مبالغہ آمیز باتیں بناتے ہیں۔

امام بخاری کے اُن تلامذہ کا مختصر تذکرہ جو فنون اسلامیہ، حدیث، تفسیر فقہ، لغت وفنون ادب کے امام تسلیم کئے گئے ہیں:۔

امام مسلم بن حجاج

امام مسلم کی شہرت تبحر علمی، قوت حافظہ، جودت فقاہت، محتاج بیان نہیں ہے، فن حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم شیخین کہے جاتے ہیں اور جب رواہ الشیخان بلا تخصیص بولا جاتا ہے تو یہی دونوں حضرات مراد ہوا کرتے ہیں، یہ امام بخاری کے ان تلامذہ میں ہیں جو امام بخاری کو یا سید المحدثین کہا کرتے، امام دار قطنی کہتے ہیں لولا البخاری لماجاء مسلم ولا راح وماذکر امام مسلم امام صاحب کا اس قدر ادب کرتے کہ نکات حدثیہ کے پوچھنے اور حل کرنے میں رو دینے لگتے۔ کبھی امام بخاری کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور کہتے مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے قدموں کا بوسہ لوں، ،۔ دعنی اقبل رجلیک یا امیر المؤمنین

ع امام بخاری کا فیض صحبت نہ ہوتا تو امام مسلم کا کوئی نام بھی نہ لیتا ۱۲

فی الحدیث۔

محمد بن یحییٰ ذہلی سے جب امام بخاری کا ناگزیر قصہ پیش آیا تو باوجودیکہ تمام شہر امام صاحب سے الگ ہو گیا تھا لیکن امام مسلم اس مسئلہ کی تہ تک پہنچ چکے تھے۔ امام صاحب رح کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بلکہ امام ذہلی سے جس قدر تقریرات لکھ چکے تھے سب کو اونٹوں پر لدا کر واپس کر دیا[1]

نام مسلم۔ ابو الحسین کینت۔ عساکر الدین لقب، ۲۰۲ھ میں ولادت ہے، سلسلہ نسب یہ ہے۔ مسلم بن حجاج بن ورد بن کوشاذ۔ چونکہ امام مسلم کا سلسلہ نسب قبیلہ قشیر سے ملتا ہے اس وجہ سے قشیری کہے جاتے اور روئے وطن نیشاپوری الاصل ہیں، سفر کی وسعت میں عراق، حجاز، شام، مصر، یہ سب داخل ہیں، ان مقامات میں برابر آپ کا دورہ رہتا بغداد کئی بار جانے کا اتفاق ہوا، بغداد میں آپ نے درس بھی دیا ہے آخر سفر بغداد کا ۲۵۹ھ ہجری ہے،

اساتذہ اور شیوخ کی تعداد گنانی مشکل اور تطویل لاطائل ہے، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی، امام محمد بن اسماعیل البخاری وہ اساتذہ ہیں جن پر امام مسلم کو فخر اور ناز تھا،

تلامذہ کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے، ابو حاتم رازی۔ ابو عیسیٰ الترمذی۔ ابو بکر بن خزیمہ، یحییٰ بن صاعد، ابو عوانہ بڑے پایہ کے لوگ

---

[1] مقدمۃ الفتح، تمییز المشکل ۱۲

ہیں۔ مزاج میں استغنا اس قدر تھا کہ کبھی کسی شخص کی فیاضیوں کے دست نگر نہ ہوئے۔

۲۵ رجب ۲۶۱ھ علاقہ نیشاپور کے شہر نصیر آباد میں ۵۵ برس کے سن میں وفات پائی،

امام مسلم کی تالیفات گناتے ہوئے حاکم لکھتے ہیں، کہ مسلم کی تالیفات میں ایک مسند کبیر ہے جو بہ ترتیب رجال ہے، لیکن میرے گمان میں کوئی اس کو امام مسلم سے بقاعدہ محدثین روایت نہیں کرتا" اس کے علاوہ ایک تالیف الجامع علی الابواب ہے، اس کا ایک ٹکڑا میں نے دیکھا ہے اور کتاب الاسماء والکنیٰ، کتاب التمیز، کتاب العلل، کتاب الوحدان، کتاب الافراد، کتاب الاقران، کتاب سوالات احمد بن حنبل۔ کتاب حدیث عمر بن شعیب۔ کتاب الانتفاع باہاب السباع۔ کتاب مشائخ مالک، کتاب مشائخ الثوری، کتاب مشائخ شعبہ۔ کتاب من لیس لہ الاراو واحد۔ کتاب المخضرمین۔ کتاب اولاد الصحابہ۔ کتاب اوہام المحدثین۔ کتاب الطبقات کتاب افراد الشامیین، یہ تالیفات امام مسلم کی مشہور ہیں۔ ان میں اکثر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی اجمالی فہرست تذکرۃ الحفاظ سے پیش کر دی گئی ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ حافظ ذہبی امام بخاری سے تلمذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قال ابن الشرقی حضرت مجلس محمد بن یحیی الذھلی فقال الا من قال لفظی بالقرآن مخلوق فلا یحضر مجلسنا فقام مسلم من المجلس

وکان بیناخلل عن البخاری[ع]

امام مسلم کی تالیفات میں "صحیح مسلم" سے مسلمانوں کا ایک ایک فرد آگاہ ہے، صحیح مسلم کے حسن قبول اور اس کی جلالت شان کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ اہل اصول کا یہ ایک اصولی مسئلہ اصول کی کتابوں میں لکھا جاتا ہے اصح الروایات ما اتفق علیہ الشیخان ثم ما انفرد بہ البخاری ثم ما انفرد بہ مسلم صحیح مسلم کی بلند پائیگی کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ مشائخ غرب کو صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دینے میں کلام ہے۔ وہ صحیح مسلم کو امام بخاری کی جامع صحیح پر ترجیح دیتے ہیں، اس لیے محدثین میں یہ ایک مسئلہ بن گیا اور بعد تنقیح ر باستثناء بعض مشائخ غرب "صحیح بخاری کی ترجیح"، جمہور مسلمانوں کا مسلک قرار پایا جس کی مفصل بحث گذر چکی،

مقدمہ صحیح مسلم

امام مسلم نے اپنی اس مبارک تالیف (صحیح مسلم) کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے اس مقدمہ میں وجہ تالیف کے علاوہ فن روایت کے بہت سے فوائد اور اصول بیان کئے ہیں، جیسے رواۃ کی تقسیم اور ان کے مدارج متفاوتہ جن میں نہایت دقیق فرق ہے اکی توضیح، رواۃ میں واقعی اور سچی جرح ہو تو بلا تردد بیان کر دینا چاہیے اور بیان کرنا جائز ہے،

ع یعنی امام مسلم امام بخاری کی طرف سے مباحثہ کرتے اور جھگڑتے ۱۲

اسناد دینی امر ہے، اور روایت میں نہایت تشدد سے کام لینا چاہیے
بلاتحقیق روایت لینے کی ممانعت ہے، ضعفاء سے روایت میں
بڑی احتیاط برتنی چاہیے، معنعن روایت بشرط معاصرت راوی مروی
عنہ مقبول ہے۔ لقاء کا ثبوت شرط نہیں، روایت بالمعنیٰ کی بحث، ان
اصول کو امام مسلم نے نہایت مفصل اور مدلل بیان کیا ہے اور بعض
ان باتوں کا رد بھی کیا ہے جو اُن کے مسلک کے خلاف تھیں، یہ اصولی
مسائل چونکہ نہایت مہتم بالشان ہیں، اور ساتھ ہی اُس کے مقدمہ کی
عبارت نہایت مغلق واقع ہوئی جس کا اغلاق مشہور ہے، اس وجہ
سے کہ امام مسلم نے بلاتہذیب وتحریر بطریق متقدمین بلاتکلف اپنے
مقصود کا اظہار فرمایا ہے۔ نہ تکرار مل کا خیال مانع ہوا نہ ایجاز مخل کا
لحاظ فرمایا۔ کہیں مبتدا بول کر جملہ معترضہ کی طویل عبارت کے بعد خبر
لاتے ہیں، کہیں صلات اور متعلقات کی تقدیم تاخیر بے ڈھب ہے
غرض کیف ما اتفق اپنے مقاصد کا اظہار فرمایا ہے، اور بعض اصولی
مسائل میں خلاف کیا ہے اور اس کی مثال دینے میں بڑی طوالت سے
کام لیا ہے اس اغلاق اور اصولی اہم مسائل کی وجہ سے اہل علم کی توجہ
برابر مقدمہ کی شرح کی جانب مبذول رہی، اسی وجہ سے بہت سے
لوگوں نے صرف مقدمہ کی شرح لکھی ہے۔

شیخنا المحترم استاذ الاساتذہ جناب مولانا حافظ عبداللہ صاحب
غازی پوری نے بھی ایک شرح طویل اور نہایت مفید لکھی ہے جس کا

نام "البحر المواج" ہے۔ ایک دوسری شرح علامہ ابو الطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی نے بھی نہایت طویل لکھی ہے۔ شائقین کی نگاہیں ان دونوں شرحوں کے اشتیاق میں ٹکٹکی لگائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد شائقین کی آرزو پوری کرے اور یہ ہر دو شرحیں طبع ہو کر شائع ہو جائیں۔ ان کے علاوہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ قبہ محمودیہ میں مقدمہ کی چھ شرحیں موجود ہیں۔ امام مسلم نے اپنی جامع صحیح کی ابواب فقہیہ پر تبویب تو نہیں کی، لیکن احادیث کی ترتیب اس خوبی سے رکھی کہ گویا کتاب مبوب ہے چنانچہ شراح نے بلا تکلف ابواب فقہیہ پر مبوب کر ڈالا۔

صحیح مسلم کا رتبہ صحیح بخاری کے بعد تسلیم کیا گیا۔ اور اس کے وجوہات بہت سے بیان کئے گئے، لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ سہل المأخذ اور جودت ترتیب اور ہر حدیث کے شواہد و متابعات کے اکٹھے ہونے کے لحاظ سے صحیح مسلم کو ضرور ترجیح ہے۔ صحیح مسلم کے متعلق بہت سی تالیفات کا ذکر صحیح بخاری کے شروح کے

ے افسوس ہے کہ جماعت اہلحدیث کی غفلت سے یہ دونو شرحیں اب تک طبع نہ ہو سکیں ۱۲ عبید اللہ

ے مقدمہ کی ایک اور شرح فارسی کلکتہ کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کا نام المطر الثجاج ہے ۱۲

لے جو تالیفات صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں سے تعلق رکھتی ہیں وہ بھی کثیر التعداد ہیں علاوہ ان کے جن کا ذکر صحیح بخاری کے ضمن میں گذر چکا۔ مشارق الانوار الجمع بین الصحیحین میں اپنے طرز کی سب سے جدا گانہ تالیفات ہے۔ علامہ رضی الدین حسن صغانی المتوفی ۶۵۰ھ نے اس کو خاص خاص حروف کی ترتیب پر رکھا ہے۔ مثلاً ما۔ ان۔ لا۔ اذ۔ اذا۔ ھا۔ یا۔ قد وغیرہ باقی بر صفحہ آئندہ

بیان میں گذر چکا جیسے اطراف الصحیحین یا الجمع بین الصحیحین یا رجال الصحیحین یا المستدرک علی الصحیحین وغیرہ۔ یہاں انہیں تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو صرف صحیح مسلم سے تعلق رکھتی ہیں۔

صحیح مسلم کی شروح کی فہرست جو اس بے بضاعتی پر معلوم ہو سکیں[1]

نمبر شمار	نام کتاب	نام مؤلف	کیفیت
(۱)	المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن حجاج	حافظ ابو زکریا یحیی ابن شرف النووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ	مصنف کا بیان ہے کہ اگر لوگوں کی ہمتیں پست نہ ہوتیں تو میں اس شرح کو ایک سو جلدوں میں مکمل کرتا لیکن تین جلدوں میں ختم کر دیا اس شرح کے شروع میں ایک مقدمہ طالبین حدیث کے لئے نہایت مفید ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہ فقہی ابواب پر رکھا نہ مسند کی ترتیب پر تاہم یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اس لئے کہ اس میں صرف قولی حدیثیں ہیں یا احادیث قدسیہ۔ صاحب کشف الظنون نے اس کی شروح وحواشی اور شروح کے حواشی ومختصر مشارق ومرتب مشارق ملا کر ۲۲ تصنیفیں مفصل گنائی ہیں اور ہر ایک کا مختصر حال بھی لکھا ہے۔

[1] یہ مختصر فہرست کشف الظنون حطہ۔ اتحاف النبلاء سے اور پٹنہ کے کتبخانہ میں جو مختلف کتبخانوں کی فہرستیں ہیں۔ ان سے لکھی گئی ہے اور استقصا مقصود نہیں ہے۔

(۲)	مختصر شرح النووی	شیخ شمس الدین محمد بن یوسف القونوی الحنفی المتوفی سنہ ۷۸۸ھ	اسی منہاج کا اختصار کیا ہے
(۳)	اکمال المعلم فی شرح مسلم	علامہ قاضی عیاض المالکی المتوفی سنہ ۵۴۴ھ	درحقیقت قاضی صاحب نے علامہ مازری کی شرح کی ہے قسطنطنیہ کے متعدد کتب خانوں میں اس کا نسخہ موجود ہے اور قبہ محمودیہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں بھی ہے
(۴)	المعلم بفوائد کتاب مسلم	ابو عبداللہ محمد بن علی المازری المتوفی سنہ ۵۳۶ھ	اسی کی تکمیل قاضی عیاض نے کی ہے اس لیے قاضی صاحب نے اپنی شرح کا نام اکمال المعلم رکھا۔
(۵)	المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم	ابو العباس احمد بن عمر بن ابی ابراہیم القرطبی المتوفی سنہ ۶۵۶ھ	علامہ موصوف نے پہلے صحیح مسلم کی تلخیص اور تبویب کی اس کے بعد اس کی شرح لکھی مؤلف کا بیان ہے کہ اس شرح میں علاوہ توجیہ استدلال کے اعراب کے نکات بھی بیان کئے ہیں اس کا آغاز الحمد للہ کما وجب لکبریائہ وجلالہ ہے ۱۲ عہ

عہ اس کا قلمی نسخہ دار العلوم جرمنی کے کتب خانہ میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا ۱۲ عبید اللہ

نام کتاب	مصنف	کیفیت
(۶) اکمال المعلم	امام ابو عبداللہ محمد ابن خلیفۃ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ	یہ ایک ضخیم شرح ہے چار جلدوں میں ابتدا کا لفظ الحمد للہ العظیم سلطانہ ہے مصنف نے لکھا ہے کہ اس میں قاضی عیاض۔ امام نودی۔ قرطبی۔ مازری۔ ان چاروں کی شرحوں سے مدد لی ہے اور بہت سے فوائد اضافہ کئے ہیں اور اپنے شیخ محمد بن عرفہ کے فوائد بڑھائے ہیں م سے مازری۔ ع سے عیاض۔ ق سے قرطبی۔ دال سے محی الدین نودی لفظ شیخ سے شیخ عرفہ مراد ہے اس کا نسخہ قسطنطنیہ کے کتبخانہ ایا صوفیہ و دیگر کتبخانوں میں موجود ہے الفاظ غریبہ کی شرح ہے۔
۷ المفہم فی شرح غریب مسلم	امام عبد الغافر بن اسماعیل الفارسی المتوفی ۵۲۹ھ	الفاظ غریبہ کی شرح ہے۔
۸ شرح صحیح مسلم	عماد الدین عبد الرحمٰن	اس شرح کی کیفیت نہ معلوم

عـــہ اس کا قلمی نسخہ دار العلوم جرمنی کے کتب خانہ میں دوسری جنگ عظیم تک موجود تھا ۱۲ عبید اللہ

		بن عبد العلی المصری المتوفی	ہو سکی
۹	شرح صحیح مسلم	شمس الدین ابو المظفر یوسف بن قزاد علی سبط ابن الجوزی المتوفی ۶۵۴ھ ہجری	اس شرح کی کیفیت بھی معلوم نہ ہو سکی
۱۰	شرح صحیح مسلم	علامہ ابو الفرج عیسیٰ بن مسعود الزواوی[عہ] المتوفی ۷۴۴ھ	یہ شرح پانچ شرحوں کا مجموعہ ہے معلم اکمال، مفہم، منہاج اور قاضی زین الدین زکریا بن محمد انصاری المتوفی ۹۲۶ھ کی شرح، علامہ شعرانی کہتے ہیں کہ اس کا زیادہ تر مسودہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔
۱۱	الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج	علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ ہجری	ایک عمدہ شرح ہے اس کا آغاز بحمد اللہ الذی سلک باصحاب الحدیث اوضح نہجہ ہے ابتدا میں چند فصلیں ہیں جن میں صحیح مسلم کے شروط ان کی اصطلاحات اور جن کنیتوں والقاب واسماء میں اشتباہ واقع ہو سکتا تھا اس کا رفع کیا ہے

عہ نسبۃ الی زواوۃ بفتح الزای والواوین بینہما الف بلید بین افریقیۃ والمغرب ۱۲

نمبر	نام کتاب	مصنف	کیفیت
			الفاظ غریبہ و اعراب مشکلہ کا حل تناقضات کا رفع، اختلافات روایات کا بیان اوہام کا ایضاح بغرض استنباط مسائل کی ساری باتیں موجود ہیں ؏
۱۲	وشی الدیباج	علامہ بجعوی المتوفی ۱۲۹۸ھ ہجری	امام سیوطی کی شرح الدیباج کا اختصار کیا ہے جو حقیقت میں اختصار مخل ہے مصر میں طبع ہو چکی ہے۔
۱۳	شرح صحیح مسلم	امام ابوالقاسم اسماعیل ابن محمد الاصبہانی المتوفی ۵۳۵ھ	اس شرح کا حال بھی معلوم نہ ہو سکا۔
۱۴	شرح صحیح مسلم	شیخ تقی الدین ابوبکر محمد الحصنی الدمشقی المتوفی ۸۲۹ھ	اس شرح کے تفصیلی حالات سے صاحب کشف الظنون و علامہ ابوالطیب وغیرہ ساکت ہیں
۱۵	منہاج الابتہاج	شیخ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۲۳ھ	یہ شرح آٹھ حصوں میں صرف نصف تک پہنچی ہے۔

؏ اس کا قلمی نسخہ دوسری جنگ عظیم تک کتب خانہ قلمی دارالعلوم جرمنی میں موجود تھا ۱۲ عبید اللہ۔

۱۶	شرح صحیح مسلم	ملا علی قاری المتوفی سنہ ۱۰۱۶	چار جلدوں میں ہے۔
۱۷	شرح صحیح مسلم	علامہ عفیف الدین الگازرونی المتوفی سنہ ۷۵۸	صاحب کشف الظنون وصاحب حطہ نے کچھ مفصل کیفیت نہ بتائی علامہ گازرونی نے صحیح بخاری کی شرح بھی لکھی ہے۔
۱۸	بغیۃ المسلم وغنیۃ المغتنم	شیخ سلیمان افندی المتوفی سنہ	کتب خانہ ایا صوفیہ واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔
۱۹	مختصر صحیح مسلم	ابو عبد اللہ شرف الدین محمد بن عبد اللہ المرسی[1] المتوفی سنہ ۶۵۵	صحیح مسلم کا اختصار کیا ہے۔
۲۰	مختصر زوائد مسلم علی البخاری	سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن الشافعی المتوفی سنہ	چار جلدوں میں ایک ضخیم کتاب ہے
۲۱	مختصر صحیح مسلم	امام حافظ زکی الدین عبد العظیم المنذری المتوفی سنہ ۶۵۶	علاوہ اختصار کے صحیح مسلم کی تبویب بھی کی ہے۔
۲۲	شرح مختصر صحیح مسلم	عثمان بن عبد الملک الکردی المصری المتوفی سنہ ۷۳۰	علامہ عبد العظیم المنذری کے مختصر مذکور کی شرح ہے۔
۲۳	شرح مختصر	محمد بن احمد الاسنوسی	امام حافظ عبد العظیم المنذری کے

[1] بفتح المیم والراء ۱۲ ـــ ۲ غالباً کشف الظنون میں یہاں شرح کا لفظ غلطی سے چھوٹ گیا ہے ۱۲

۲۴	اسماء رجال صحیح مسلم	ابوبکر احمد بن علی الاصبہانی المتوفی ۲۶۸ھ	مختصر کی ایک دوسری شرح ہے، نام سے موضوع بحث ظاہر ہے
۲۵	السراج الوہاج صحیح مسلم	علامہ نواب صدیق حسین خاں المتوفی ۱۳۰۷ھ	یہ بھی مختصر منذری کی شرح ہے اور طبع ہوکر شائع ہے۔
۲۶	المخرج علی صحیح مسلم		صحیح مسلم کا بہت سے لوگوں نے استخراج کیا ہے آٹھ مستخرجات کا ذکر صاحب کشف الظنون نے بھی کیا ہے
۲۷	عنایۃ الملک المنعم فی شرح صحیح مسلم	ابو عبداللہ محمد المدعو بیوسف افندی زادہ المتوفی ۱۱۶۷ھ	کتب خانہ نور عثمانیہ جامع شریف واقع قسطنطنیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے
۲۸	المطرا لثجاج	مولوی ولی اللہ فرخ آبادی	علامہ نواب صدیق حسن خاں مرحوم لکھتے ہیں۔ وہو بالفارسیۃ لایخلوعن فائدۃ زائدۃ یعنی فارسی زبان میں یہ شرح ہے اور فائدہ سے خالی نہیں
۲۹	شرح مسلم	بعض علمائے اولاد شیخ عبدالحق۔	یہ بھی فارسی میں ایک شرح ہے۔
۳۰	ترجمہ اردو	علامہ وحید الزمان نواب	ایک مطلب خیز ترجمہ ہے

	صحیح مسلم	وقار نواز جنگ	جو طبع ہو کر شائع ہے عہ

(۲) امام ابو عیسیٰ ترمذی

امام ترمذیؒ، امام صاحب کے ان تلامذہ میں ہیں جن کی عمر کا اکثر حصہ امام صاحب کے فیض تعلیم کا ممنون رہا۔ اسی لیے امام ترمذی امام بخاری کے ساختہ پرداختہ کیے جاتے ہیں، بعض محدثین نے امام بخاری کا ان کو خلیفہ بھی لکھا ہے۔

امام ترمذی کی وسعت نظر، کثرت اطلاع، دقت فہم، سیلان ذہن، محتاج بیان نہیں، جس نے جامع ترمذی اہل فن سے پڑھی ہے وہ مذکورہ بالا اوصاف کا اندازہ کر سکتا ہے۔ جامع ترمذی کے مطالعہ سے محدثین کی بے تعصبی

عہ ایک مدت سے صحیح مسلم کی شرح مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی بھی لکھ رہے ہیں جس کی اب تک تین جلدیں فتح الملہم کے نام سے شائع ہو چکی ہیں غالباً پانچ جلدوں میں تمام ہو گی۔ متن کا حل اکثر و بیشتر شرح مسلم للنووی سے ماخوذ ہے اور سند و اختلاف روایات سے متعلق مباحث فتح الباری وغیرہ سے لیے گئے ہیں۔ اختلافی فرعی مسائل میں متعصب جامد مقلدین کی عادت کے مطابق اپنے فرسودہ دلائل ان کے جواب الجواب سے تعرض کئے بغیر جمع کر دیے ہیں، اس شرح کے لکھنے کی سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ امام نووی شافعی کی شرح جو صحیح مسلم کے ساتھ طبع ہو کر متداول ہے طلبا حنفیہ کے سامنے نہ رہے۔ تاکہ ان کے ذہن مخالف کی تقریر اور دلائل سے متاثر نہ ہوں۔ شروع میں ایک مطول مقدمہ بھی ملحق ہے۔ جس میں بعض مفید نقول مذکور ہیں ومن شروح صحیح مسلم اکمل الکمال الاکمال لابی عبد اللہ محمد بن یوسف السنوسی ولم نقف علی حالہ۔ عبید اللہ عہ امام ترمذی اور ان کی جامع کے متعلق مفصل اور مبسوط تحقیقی مباحث مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی کے باب ثانی میں ملاحظہ کیجیے۔

اور اُن کے دائرۂ علمی کی وسعت کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے، کہ محدثین مسائل فقہیہ میں ائمۂ اسلام کے مذاہب اور ان کے رایوں سے کس قدر آگاہ تھے اور ان کے ماخذ استدلال سے کس قدر واقفیت رکھتے تھے، امام ترمذی کا بعد روایت حدیث دبراخذ فلاں طالب حدیث کے لیے کتنا تسکین بخش ہے۔

امام ترمذی کا سن ولادت ۲۰۶ھ ہجری ہے۔ محمد نام، ابو عیسیٰ کنیت سلسلہ نسب یہ ہے، محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی الضریر البوغی الترمذی امام ترمذی کے دادا مروزی الاصل ہیں کسی وجہ سے ترمذ میں آباد ہو گئے تھے۔ سورہ آپ کے دادا کا نام ہے، امام ترمذی کا سلسلہ نسب بنی سلیم سے ملتا ہے جو بنی عیلان کی ایک شاخ ہے، عیسیٰ امام ترمذی کے والد کا نام بھی ہے اور امام ترمذی کی کنیت بھی ابو عیسیٰ ہے امام ترمذی کا سلسلۂ شیوخ نہایت وسیع ہے، امام بخاری، امام مسلم، ابو داؤد، قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، محمد بن بشار، یہ لوگ امام ترمذی کے شیوخ میں بالخصوص قابل ذکر ہیں، امام ترمذی کی فقاہت اور تبحر کا اندازہ جامع ترمذی کے تراجم الابواب سے کیا جا سکتا ہے۔ سفر طالب علمی اور نشر علوم کا میدان نہایت وسیع ہے، بصرہ۔ کوفہ۔ واسط۔ رے۔ خراسان۔ حجاز۔ یہ سب امام ترمذی کے سفر کا جولان گاہ ہیں۔

تلامذہ کا سلسلہ بھی بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔

بعض موزخین کا بیان ہے کہ غلبۂ خوف خدا سے بہت روتے کثرت

بکا کی وجہ سے آنکھیں جاتی رہیں، دوسرے مورخین اس بیان سے اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مادر زاد اندھے تھے ۲۷۹ھ ہجری میں وفات پائی۔

امام ترمذی کی تصنیفات میں جامع ترمذی، کتاب العلل، شمائل ترمذی مشہور ہیں اور جگہ جگہ شائع ہیں۔ جامع ترمذی کی شہرت اور گیارہ سو برس سے درس میں داخل ہونا اس کے حسن قبول کی کافی دلیل ہے، حقیقت امر یہ ہے کہ جامع ترمذی کو تفصیل مذاہب مجتہدین، و بیان مذاہب صحابہ و تابعین، تنقید رجال، اظہار علل احادیث و تصحیح و تضعیف و تحسین احادیث کے اعتبار سے خصوصیت خاص حاصل ہے جو کسی کتاب میں نہیں، جامع ترمذی کی مدح کے لیے محدثین کا یہ مشہور جملہ کافی ہے کاف للمجتہد مغن للمقلد۔

متقدمین نے جامع ترمذی کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور ان قصائد میں ان خصوصیات کا جو اس کتاب کو حاصل ہیں، مفصل تذکرہ ہے، علامہ قسطلانی اور ایک دوسرے محدث کے قصیدوں کو علامہ علی بن سلیمان بجعوی نے اپنی تعلیقات کے مقدمہ میں نقل کیا ہے، علامہ قسطلانی کے قصیدہ کا ایک شعر یہ ہے ؎

فان الترمذی نقد تصدی لعلم الشرع مغن للعلوم

امام ترمذی نے علم شرع کے لیے کمر باندھی جو تمام علوم سے مستغنی کر دیتا ہے۔

ایک دوسرے محدث کے قصیدہ کا انتخاب مطبوعہ ترمذی کے لوح پر ہے جس کو علامہ بجعوی دمنتی مالکی نے تمامہا نقل کیا ہے۔ امام ترمذی کا بیان ہے، کہ میں نے اس کتاب کو تالیف کر کے علمائے حجاز، عراق، خراسان کے آگے پیش کیا، سب نے پسند کیا، لیکن یہ بات بھی ظاہر کر دینی ضرور ہے کہ امام

ترمذی تحسین احادیث میں متساہل ہیں، اسی واسطے ان کی نسبت محدثین کا یہ جملہ مشہور ہے لا تغتر بتحسین الترمذی یعنی امام ترمذی کی تحسین حدیث سے دھوکا نہ کھاؤ۔ صحاح ستہ میں جامع ترمذی کا مرتبہ صحیحین کے بعد منزد تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس پر محدثین کا اتفاق ہے سہ ترمذی گرچہ بود در ہر دو سالا بحدیث در فضیلت ز صحیحین مؤخر گیرند۔ لیکن سنن دارمی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت قائم کرنی بہت مشکل ہے اس کے لیے حکیم گنجوی کا یہ شعر کافی ہے سہ

گهر خر چهار راند و گوہر چهار ٭ فرو شنده را با فضولی چه کار

امام ترمذی کا قول[1] ہے کہ جامع ترمذی کی کل حدیثیں معمول بہا ہیں الا دو حدیث (۱) الجمع بین الصلوتین بلا عذر (۲) اذا شرب الخمر فاجلدوه وفی الرابعة فاقتلوه

امام ترمذی کی کتاب العلل، اپنے باب میں بے مثل کتاب ہے، فن حدیث کے طالبین کے لیے اس کا حفظ ضروریات میں سے ہے۔ زیادہ تر حصہ اس کا امام بخاری سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جس کو خود امام ترمذی نے لکھا ہے،

شمائل الترمذی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشست و برخاست، کھانے پینے، رہنے سہنے، سلام، کلام، لباس کی وضع قطع کنگھی کرنے موزے پہننے، اور لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے اور عام اخلاق کی حدیثوں کی جامع کتاب ہے، عاشقان سیرت نبوی کے لیے یہ کتاب گنجینۂ مراد ہے۔ مسلمانوں کا تو فرض ہے کہ اپنے اخلاق، عادات، لباس، نشست، برخاست، کھانے پینے،

---

[1] امام کا یہ دعوی محتاج شرح ہے تفصیل شفاء العلل شرح کتاب العلل میں جو تحفۃ الاحوذی کے آخر میں ملحق ہے، ملاحظہ کیجیے ۱۲ عبید احمد

سلام کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے کو ہم رنگ بنائیں، جس سے موجودہ نکبت دور ہو اور دنیا اخلاق محمدی کا نمونہ دیکھ کر گرویدہ اسلام ہو جائے

کتاب الشمائل کی مدح میں علامہ جزری صاحب حصن حصین کے یہ دو شعر نہایت جامع ہیں ؎

اخلای ان شط الحبیب و ربعہ — وعز تلاقیہ و ناء منازلہ

فان فاتکو ان تبصروہ بعینہ — فما فاتکو بالسمع ھذی شمائلہ

جامع ترمذی اور شمائل ترمذی کی مختصر فہرست درج ذیل ہے

نمبر	نام کتاب	نام مؤلف	کیفیت
۱	عارضۃ الاحوذی فی شرح الجامع للترمذی	حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ الاشبیلی المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۶ھ	اس کا کامل نسخہ قلمی عتیق مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے دوسرا نسخہ قلمی علامہ شیخ رفیع الدین صاحب بہاری کے کتب خانہ میں موجود ہے اور مصر میں طبع بھی ہو چکی ہے لیکن نہایت غلط۔
۲	شرح الجامع للترمذی	حافظ ابو الفتح محمد بن محمد بن سید الناس	دس جلدوں میں صرف دو ثلث تک پہنچی، لائق مؤلف نے اتنی مہلت

ع میرے دوستو! اگر محبوب اور اس کا مکان تم سے دور ہو گیا اور ملاقات مشکل ہو گئی۔ پس آنکھ کی ملاقات نصیب نہیں تو اس کے اخلاق و شمائل کا سننا نہیں گیا ۱۲

		الیعمری الشافعی المتوفی سنہ ۷۳۴ہجری	نہ پائی کہ اس شرح کو خاتمہ تک پہنچا۔ میں اس تطویل کی وجہ یہ ہے کہ فن حدیث ہی تک اس کا دائرہ محدود نہیں رکھا گیا دوسرے فنون بھی شامل کر دیئے گئے علامہ چلپی لکھتے ہیں لو اقتصر

علی فن الحدیث لکان تماما تاہم خدا کا شکر ہے کہ ایک دوسرے باہمت نے بقیہ کی تکمیل کر دی۔ وہ حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین العراقی صاحب الالفیہ المتوفی سنہ ۸۰۶ہ ہیں۔ کامل نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۳	شرح الجامع للترمذی	زین الدین عبدالرحمٰن ابن احمد النقیب الحنبلی المتوفی سنہ	بیس جلدوں میں تمام کو پہنچی لیکن کسی فتنہ میں جل گئی
۴	العرف الشذی علی جامع الترمذی	سراج الدین عمر بن رسلان البلقینی الشافعی المتوفی سنہ ۸۰۵	صرف ایک ٹکڑے کی شرح لکھی گئی اور تکمیل کو نہ پہنچی
۵	شرح الزوائد للترمذی	علامہ سراج الدین عمر ابن علی الملقن المتوفی سنہ ۸۰۴	جامع ترمذی کی ان حدیثوں کی شرح ہے جو صحیحین اور سنن ابی داؤد سے زائد ہیں۔
۶	اللب اللباب فیما یقول الترمذی	شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲	ایک جلد میں ہے اور مدینہ منورہ کے کتبخانہ میں موجود ہے۔ نہایت

نمبر	نام کتاب	مصنف	کیفیت
	وفی الباب		قابل قدر کتاب ہے مسائل فقہیہ میں
۷	قوت المغتذی علی جامع الترمذی	علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱	امام ترمذی جن حدیثوں کی طرف بلفظ وفی الباب عن فلان فرمایا کرتے ہیں ان کو با تفصیل مع جرح و تعدیل کے بتایا ہے
۸	نفع قوت المغتذی	علامہ سید علی بن سلیمان الدمنتی البجموی المغربی المالکی الشاذلی المتوفی سنہ ۱۲۹۸ ہجری	مطبوعہ ترمذی کے حاشیہ پر چڑھا دی گئی ہے لیکن ملخص موصوف نے علامہ جلال الدین سیوطی کی شرح سے ایسی تلخیص کی کہ اصل کتاب کا نفع جاتا رہا اور یہ نفع قوت المغتذی " لفظ بے معنے رہا
۹	شرح الجامع للترمذی	حافظ زین الدین عبدالرحمن بن احمد ابن رجب الحنبلی المتوفی سنہ ۷۹۵	کوئی مفصل کیفیت معلوم نہ ہوسکی
۱۰	شرح الجامع للترمذی	شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی	اس کا حوالہ شیخ الاسلام نے فتح الباری میں دیا ہے عہ

عہ اس کا مفصل حال معلوم نہ ہوسکا ہو عہ ای فی شرح حدیث حذیفۃ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباطۃ قوم فبال قائما قال ولم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النہی عنہ ای عن البول قائما شئی کما بینتہ فی اوائل شرح الترمذی انتہی۔ ومن شروح الترمذی شرح العلامۃ محمد طاہر الفتنی صاحب مجمع البحار قال فیہ فی تعلیقی للترمذی عن شرحہ الاحوذی خص الخلاء بالاستعاذۃ لکونہ مشتہ للوحدۃ وخلوہ عن الذکر للقذر ولذا الستغفر اذا خرج انتہی ۱۲ عبید اللہ

نمبر	نام کتاب	مصنف	کیفیت
۱۱	شرح الجامع للترمذی	شیخ ابو الحسن بن عبد الہادی السندی المدنی المتوفی سنہ ۱۱۳۹	ایک لطیف شرح ہے۔ مؤلف نے حرم محترم میں تالیف کی تقریباً چالیس جزو میں ہے۔
۱۲	شرح الجامع للترمذی	علامہ ابو الطیب سندی المتوفی سنہ ۱۱۰۹	یہ شرح عربی میں قولہ قولہ کر کے ہے طبع[1] ہو چکی ہے۔
۱۳	شرح الجامع للترمذی	علامہ سراج احمد سرہندی	یہ شرح فارسی میں ہے اور طبع ہو چکی ہے
۱۴	مختصر الجامع للترمذی	نجم الدین محمد بن عقیل البالسی[2] الشافعی المتوفی سنہ ۷۲۹	مفصل حال نہ معلوم ہو سکا
۱۵	جائزۃ الشعوذی	علامہ بدیع الزمان المتوفی سنہ ۱۳۱۰	جامع ترمذی کا اردو میں مطلب خیز ترجمہ ہے
۱۶	مختصر الجامع للترمذی	علامہ نجم الدین سلیمان بن عبد القوی الطوفی الحنبلی المتوفی سنہ ۷۱۶	اسی کا مختصر ہے حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی العلائی نے سو احادیث کا ایک مجموعہ طیار کیا ہے جو جامع ترمذی میں بسند عالی مروی ہیں
۱۷	ہدیۃ اللوذعی بنکات الترمذی	علامہ ابو الطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی الدیانوی	ابھی تک تکمیل[3] کو نہ پہنچی اس شرح میں علاوہ متن کے اسانید کے متعلق بڑی بڑی نفیس تحقیقات لکھی گئی ہیں[4]

[1] صرف ایک ٹکڑا مطبوع ہوا ہے ۱۲ عبید اللہ [2] نسبۃ الی بالس بلدۃ بالشام بین حلب والرقۃ ۱۲ [3] افسوس ہے کہ اس شرح کو علامہ اپنی زندگی میں مکمل نہ کر سکے ۱۲ عبید اللہ [4] بقول حافظ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ (حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

۱۸	شرح الشمائل للترمذی	شیخ عبد الرؤف المناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ	ابتداء کا لفظ شمائل اہل الفضل فی القدیم ہے۔ علامہ مناوی کا بیان ہے کہ شارحین شمائل میں علامہ اسفرائینی کی شرح سب پر فائق ہے لیکن علامہ اسفرائینی نے اس شرح میں احتمالات عقلیہ سے بہت کام لیا ہے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان کے زمانہ تک جامع ترمذی کی کوئی کامل شرح نہیں لکھی گئی تھی اور غیر مکمل شرح کی یہ حالت ہے کہ سب کی سب ناپید ہیں خود علامہ سیوطی کی قوت المغتذی کے وجود کا پتہ نہیں۔ سیوطی کے بعد جو شرحیں لکھی گئیں (شروح ابو الطیب سندھی (۱۱۰۹ھ) وسراج احمد سرہندی وابو الحسن بن عبد الہادی سندھی (۱۱۳۹) ومحمد طاہر فتنی (۹۸۶) ان میں سے علامہ محمد طاہر فتنی کی شرح ناپید ہے اور علامہ ابو الطیب سندھی اور علامہ سراج احمد سرہندی کی شرحوں کا صرف کچھ حصہ طبع ہوا ہے اور شرح ابن عبد الہادی اگرچہ پوری طبع ہو گئی ہے مگر بالکل تشنہ و ناکافی ہے۔

ابن العربی (۵۴۶ھ) کی شرح عارضۃ الاحوذی گو بہت ضخیم اور مبسوط شرح ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے کتاب کے حل مطالب مقامات اور محتاج شرح وایضاح عبارات سے کم تعرض کیا ہے اور بعض اہم امور کو جن کا لحاظ شرح میں ضروری تھا بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور فقہی مباحث کو کچھ زیادہ طول دیدیا ہے اس لیے اہل علم صدیوں سے ایسی شرح کے محتاج تھے جو نہ بہت طویل ہو نہ بالکل مختصر۔ ساتھ ہی غیر ضروری مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے اس میں نفس کتاب کی توضیح وشرح کا پورا اہتمام والتزام کیا گیا ہو۔ الحمد للہ کہ علما کی یہ دیرینہ قلبی تمنا پوری ہو گئی۔ ارباب علم وفضل کو جس قسم کی شرح ترمذی کا مدتوں سے انتظار واشتیاق تھا اس کی پہلی جلد ۱۳۴۶ھ میں تحفۃ الاحوذی کے نام سے طبع ہو کر منصۂ شہود پر آگئی اس کے بعد چند برسوں میں اس کی بقیہ تین جلدیں بھی شائع ہو کر بہت تھوڑی مدت میں دنیائے اسلام میں پھیل گئیں۔ علمائے عرب وعجم نے غیر معمولی

(باقی برصفحہ آئندہ)

حالانکہ یہ فن فنونِ نقلیہ سے ہے اسی لیے یہ ان کے سقطات سے گنا گیا۔ پھر ابن حجر مکی ہیتمی نے ایک طویل شرح لکھی جو اسفرائینی کی شرح سے ماخوذ ہے لیکن ابن حجر نے اصل کتاب کے ماخذ ہی کو مسخ کر دیا اس کے علاوہ تعصب ان کا ایک طبعی خاصہ ہے۔ اس لیے یہ دونوں شرحیں چونکہ مطبوع نہ ہوئیں تو میں نے دونوں کی تلخیص کی اور فوائد ضروریہ اضافہ کئے۔ یہ شرح بھی طبع ہو چکی ہے۔ "کشف الظنون"

(بقیہ صفحہ گذشتہ) طور پر اس پر پسندیدگی اور قبولیت کی نظر سے دیکھا اس کے متعلق یہ کہنا بالکل درست ہے:

هو اعز شرح الجامع الترمذی ظهر علی وجه الارض لم تر العیون مثله۔

حضرت مؤلف علامہ ابو العلے عبد الرحمٰن مبارک پوری نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ نے اس مبارک شرح میں جن مفید اور ضروری امور کا التزام اور لحاظ کیا ہے ان کا مجموعہ کسی دوسری شرح میں نہیں مل سکے گا۔ ان امور کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ ان میں سے بعض مختصراً درج کئے جاتے ہیں:- (۱) جامع ترمذی کے ہر راوی کا ترجمہ بقدرِ ضرورت لکھا گیا ہے اور مقدمۂ شرح میں تمام راویوں کی فہرست بہ ترتیب حروفِ تہجی دی گئی ہے اور جس راوی کا ترجمہ شرح کے جس صفحہ میں مذکور ہے اس کا نشان دیدیا گیا ہے (۲) جامع ترمذی کی تمام حدیثوں کی تخریج کی گئی ہے یعنی اس کتاب کی حدیثوں کو امام ترمذی کے علاوہ اور جن محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے ان کا اور ان کی کتابوں کا نام بتادیا گیا ہے۔ (۳) امام ترمذی نے وفی الباب کے عنوان سے جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی مفصل تخریج کی گئی ہے اور ان احادیث کے الفاظ بھی اکثر مقامات میں نقل کئے گئے ہیں۔ احادیث مشارٌ الیہا کے علاوہ اور دیگر احادیث کی تخریج کا بھی جابجا اضافہ کیا گیا ہے (۴) تصحیح و تحسین حدیث میں امام ترمذی کا تساہل مشہور ہے اس لیے ہر حدیث کی تحسین و تصحیح کے متعلق دیگر ائمہ فن حدیث کے اقوال بھی نقل کئے گئے ہیں اور جن احادیث کی تصحیح و تحسین میں امام ترمذی سے تساہل ہوا ہے اس کی تصریح کر دی گئی ہے (۵) اسنادی و متنی اشکالات کے حل و ایضاح کی طرف خاص طور سے توجہ کی گئی ہے (۶) احادیث کی توضیح و تشریح میں بہت کچھ تحقیق سے کام لیا گیا ہے اور جن مقلدین جامدین اور جن اہل ہوا نے احادیث نبویہ کو اپنے مذہب و مسلک پر منطبق کرنے کے لیے غلط اور واہی تاویلیں و تقریریں کی ہیں ان کی تاویلات و تقریرات کی کافی تغلیط و تردید کر دی گئی ہے اور احادیث کے صحیح مطالب و مضامین جو سلف صالحینؒ اور فقہاء محدثینؒ کے نزدیک معتمد و مستند ہیں بیان کئے گئے ہیں (۷) اختلاف مذاہب کے بیان میں ہر مذہب کے دلائل بیان کر کے مذہب حق و راجح کو بابانہ (بر صفحہ آئندہ)

۱۹	اشرف الوسائل	شیخ شہاب الدین احمد بن الملکی المتوفی سنہ ۹۷۳	مصنف کا بیان ہے کہ حرم محترم میں بماہ رمضان مجھے اس کتاب کے درس دینے کا اتفاق ہوا تو میں نے یہ شرح ۹۴۹ھ ہجری میں شروع کر دی تیسری رمضان کو شروع کی اور ۱۸ رمضان کو فراغت پائی۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ظاہر کر دیا گیا ہے اور اس کی نصرت و تائید کی گئی ہے اور مذاہب مروجہ غیر صحیحہ کے دلائل کے شافی جواب دیئے گئے ہیں (۸) آثار السنن (للشوق النیموی) وغیرہ کی جا بجا تلطیف اور قابل دید تنقید کی گئی ہے۔ حضرۃ الشیخ کو پہلی دو جلدوں کی تبییض کے بعد ضعف بصارت کی وجہ سے بقیہ دو جلدوں کی تسوید و تبییض میں معاون کی ضرورت تھی۔ راقم السطور بطور تحدیث نعمت کے عرض کرتا ہے کہ آخری دو جلدوں کی تسوید و تبییض میں اعانت کی غرض سے حضرت کی خدمت میں کامل دو برس رہنے کا شرف و فخر اس کو بھی حاصل ہے (کما حصل ذلک الشرف والفضل للفاضل العلامۃ عبد الصمد المبارکفوری والحاجی ذی اللہ المولوی محمد المھوی اللاہوری) فالحمد للہ علی ذلک

حضرۃ الشیخ نے شرح مذکور کا ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جو مستقل طور پر علیحدہ طبع ہو کر شائع ہے یہ مقدمہ دو باب اور خاتمہ پر مشتمل ہے پہلے باب میں اکتالیس فصلیں ہیں جن میں عام فنون حدیث کتب حدیث ائمہ حدیث کے متعلق نہایت کارآمد اور ضروری فوائد جمع کر دیئے گئے ہیں اور دوسرا باب سترہ فصلوں پر مشتمل ہے جن میں خاص جامع ترمذی اور امام ترمذی کے متعلق بہت ضروری اور غایت درجہ مفید مباحث مذکور ہیں باب ثانی جن نادر اور قیمتی فوائد پر مشتمل ہے ان کا جاننا جامع ترمذی کے طالب علم کے لیے از بس ضروری ہے ان مباحث کو پڑھے بغیر جامع ترمذی کا پڑھنا اور پڑھانا بے معنی اور لا حاصل ہے مقدمہ میں مختلف مناسبتوں سے ۱۱۵ ائمہ حدیث و تفسیر و فقہ و لغت کے تراجم بھی آ گئے ہیں۔ اس کی تمام خوبیوں کا سرسری اندازہ شروع میں مختصر فہرست سے ہو جاتا ہے جو ۱۱ صفحات پر مشتمل ہے مقدمہ کا حجم ۲۴۴ صفحے ہے آخر میں حضرت الشیخ کا مختصر ترجمہ ملحق ہے۔

اسی زمانہ میں ترمذی کی ایک شرح الطیب الشذی اور مدرسہ دیوبند کے سابق شیخ الحدیث مولوی

۴۰	شرح الشمائل للترمذی	علامہ سید محمد بن قاسم جسوس المتوفی سنہ	قاہرہ سے طبع ہو کر شائع ہے لیکن یہ شرح مذاق محدثین کے بالکل خلاف ہے۔
۴۱	شرح الشمائل للترمذی	مصلح الدین محمد بن صلاح ابن جلال اللاری المتوفی سنہ ۹۷۹	یہ شرح عربی میں ہے اس شرح سے ماہ رمضان سنہ ۹۴۹ میں فراغت پائی ایک دوسری شرح علامہ مصلح الدین کی فارسی میں بھی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انور شاہ مرحوم کی تقریر ترمذی بنام العرف الشذی اور مولوی رشید احمد صاحب مرحوم گنگوہی کی تقریر ترمذی بنام الکوکب الدری شائع ہوئی اول الذکر کی صرف پہلی جلد تا کتاب الطہارۃ شائع ہو کر رہ گئی ثانی الذکر کو جامع ترمذی کا حاشیہ یا شرح کہنا غلط ہے۔ بہتر ہوتا اگر وہ شائع نہ کی جاتی تاکہ صاحب تقریر کے مشہور قوت حافظہ اور تبحر علمی کو ٹھیس نہ لگتی اور بھرم قائم رہتا۔ تیسری کو ناشر کے تحشیہ نے کچھ کارآمد بنا دیا ہے۔ اول الذکر کا اکثر حصہ مولوی رشید احمد صاحب مرحوم کی تقریر ترمذی سے ماخوذ ہے اور علمی غلطیوں کا مجموعہ ہے۔

ان سطور کی تحریر کے بعد جامع ترمذی (مطبوعہ مصر) کی دو جلدیں مطالعہ میں آئیں جو علامہ احمد محمد شاکر القاضی الشرعی کی تحقیق و شرح اور تصحیح و تعلیق کے ساتھ ۱۳۵۶ھ میں شائع ہوئی ہیں شروع میں شارح کے قلم سے سو صفحوں کا مبسوط مقدمہ ملحق ہے۔ دوسری جلد کتاب الصلوۃ پر ختم ہوئی ہے اور مقدمہ حسب ذیل مباحث پر مشتمل ہے۔

(۱) جامع ترمذی کے ان سات نسخوں کی تفصیلی کیفیت جن پر شارح نے اپنے نسخہ کی تصحیح میں اعتماد کیا ہے۔

(۲) تصحیح کتب سے متعلق ایک عمدہ بحث کے بعد اس امر کی تصریح و تحقیق کہ التزام صحت۔ اظہار اختلاف نسخ۔ بیان خطاء و صواب تفصیل اصول تقلید مطبوعہ کے ساتھ عربی کتابوں کی بہتر سے بہتر اشاعت کا فن یورپ کی اپنی ایجاد نہیں ہے۔ لکھتے ہیں ولم یکن ہؤلاء الاجانب مبتکری قواعد التصحیح وانما سبقہم الیہا علماء الاسلام المتقدمون وکتبوا فیہا فصولا نفیسۃ نذکر بعضہا علی ان یذکر القاری انہم ابتکروا ہذہ القواعد لتصحیح الکتب المخطوطۃ اذلم تکن المطابع وجدت ولوکانت لدیہم لاتوا من ذلک باعجب العجاب نحن وارثو مجدہم وعزہم والینا انتہت علومہم فلعلنا نحفظ ہمنا لاتمام مابدؤا بہ ص ۲۱

(۳) الفہارس المعجمۃ کے ذیل میں اس امر کی تحقیق و تفصیل کہ مستشرقین یورپ کی مطبوعات کو اہلی بر صفحہ آئندہ)

۲۲	زہر الخمائل علی الشمائل	علامہ سیوطی	مصر میں طبع ہو چکی ہے۔
۲۳	جمع الوسائل	ملا علی قاری المتوفی سنہ ۱۰۱۶	ملا صاحب نے اس کے مسودہ سے مکہ مکرمہ میں سنہ ۱۰۰۸ میں فراغت پائی حق یہ ہے کہ اس سے اعلیٰ شرح شمائل ترمذی کی کسی کے قلم سے نہیں نکلی۔
۲۴	تہذیب الشمائل	شیخ محمد بن عمر بن حمزہ	ملا علی قاری صاحب کی شرح کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مختلف قسم کی متعدد فہرستوں کے ساتھ طباعت میں جو امتیازی مرتبہ حاصل ہے اس میں بھی علمائے مغرب نے مشرق کی تقلید کی ہے۔ لکھتے ہیں فالشرق شرق والغرب غرب الشرق وانما ابتکار انشاء والغرب وانما التقلید ثم تنظیم صفحہ ۲۶ (۴) جامع ترمذی کے زیر بحث نسخہ کی تصحیح میں اختیار کردہ کد و کاوش اور سعی و احتیاط کی توضیح۔ علامہ موصوف کی اس سعی بلیغ کی بنا پر باور کیا جا سکتا ہے کہ ان کا یہ مطبوعہ نسخہ جامع ترمذی کے تمام قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔ (۵) احادیث اور ابواب کا شمار چنانچہ ان کے شمار کے موافق کتاب الطہارت والصلوٰۃ کی احادیث کی تعداد ۱۰۶ اور ابواب کی تعداد ۲۳۴ ہے (۶) جامع ترمذی کی شرح و تعلیق میں جن امور کا لحاظ کیا ہے ان کی تفصیل ہمیں یہ معلوم کر کے بے حد مسرت ہوئی کہ شارح یورپ کی دسیسہ کاریوں سے باخبر اور متبحر عالم ہیں اور تقلید شخصی سے نفور اور مذہباً اہل حدیث ہیں۔ چنانچہ مقدمہ میں انہوں نے اس کی تصریح کر دی ہے۔

(۷) ۹ کتابوں کی مدد سے امام ترمذی اور ان کی جامع کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں افسوس ہے مقدمہ کی تحریر کے وقت تحفۃ الاحوذی کا مقدمہ طبع نہیں ہوا تھا ورنہ کتاب اور صاحب کتاب کے متعلق مباحث تشنہ نہ رہتے۔

(۸) کتاب پوری ہو جانے کے بعد آخر میں تمام راویوں کی فہرست کے علاوہ دیگر متعدد اور متنوع فہرستوں کے اضافہ کا وعدہ کیا ہے۔

ہماری دلی دعا ہے کہ اس کتاب کی جو علمائے حدیث کے لیے بے نظیر علمی تحفہ ہے بقیہ جلدیں اسی اہتمام کے ساتھ جلد از جلد شائع ہو جائیں ۱۲ عبید اللہ رحمانی۔

		الانطاکی المتوفی سنہ	مہذب کرکے روم میں جاکر سلطان بایزید خاں کے دربار میں تحفۃً پیش کیا۔
۲۵	شرح الشمائل	علامہ عصام الدین ابراہیم ابن محمد الاسفرائینی المتوفی سنہ ۹۴۳	یہ شرح حامل المتن ہے۔ ابتدا کا لفظ الحمد للہ الذی فضل المصطفیٰ باکرم الشمائل ہے۔
۲۶	شرح الشمائل للترمذی	مولیٰ محمد الحنفی سنہ ۹۲۶	ہجری میں شرح سے فراغت پائی
۲۷	شرح الشمائل للترمذی	محمد عاشق بن عمر الحنفی المتوفی سنہ ۱۰۳۲	علامہ موصوف نے اس شرح میں لکھا ہے کہ میں نے شمائل الترمذی کو اپنے شیخ عبداللہ الانصاری المعروف بمخدوم الملک ابن شمس الدین سے روایت کی ہے۔ اسی سے مولانا احمد علی صاحب نے شمائل کو محشیٰ کیا ہے مولانا شمس الحق صاحب کے کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے۔؏
۲۸	ترجمہ شمائل بزبان ترکی	احمد بن خیر الدین الازنیقی المشہور بخواجہ اسحٰق افندی المتوفی سنہ ۱۱۲۰	مفصل حال معلوم نہ ہوسکا۔

؏ دو شرح الشمائل اعطر الشذی للعلامۃ عبدالمجید الشرنوبی و شرح الشمائل لعبد الملک بن جمال الدین بن اسماعیل العصامی المتوفی سنہ ۱۰۳۷ ۱۲ عبید اللہ رحمانی۔

۲۹	نظم شمائل بزبان ترکی	مصطفےٰ بن حسین الحلبی	۱۱۰۸ھ میں نظم سے فراغت پائی لہ
۳۰	بہار خلد	کافی	اردو میں دلچسپ نظم ہے اور طبع ہو کر شائع ہے ۔
۳۱	المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ	علامہ شیخ ابراہیم بیجوری المتوفی ۱۲۶۳ھ	شمائل ترمذی کی یہ ایک مختصر شرح اور مفید ہے ۱۲۵۱ھ ہجری میں جامع ازہر میں تالیف ہوئی اس کا آغاز "الحمد للہ المستوجب لکل کمال المنعوت بکل تعظیم وجمال" ہے ۔

(۳) امام نسائی رحمہ[۲]

صحاح ستہ کے معزز ایوان میں جن لوگوں نے جگہ پائی ۔ ان میں امام نسائی بھی ہیں ۔ اہل اسلام نے صحاح کے صدر نشینوں میں ان کو بھی تسلیم کیا ہے امام نسائی کی مشہور کتاب سنن نسائی درس میں داخل ہے اور شرقاً و غرباً محدثین اس کا درس دیتے ہیں ۔ امام نسائی کی ولادت ۲۱۵ھ میں ہے ۔ نام احمد ۔ کنیت ابوعبدالرحمٰن ۔ مشہور لقب امام نسائی ہے ۔ سلسلہ نسب یہ ہے احمد بن شعیب ابن علی بن سنان بن دینار ۔ شہر نسا میں (جو بلاد خراسان کا ایک مشہور شہر ہے اور قریب مرد کے واقع ہے) پیدا ہوئے ۔ امام نسائی کی ابتدائی تعلیم وہیں

---

[۲] نسار مقصور و ممدود دونوں آیا ہے ۱۲

ہوئی ۲۲۳ھ میں اپنی عمر کے پندرھویں سال وطن چھوڑ کر طالب علمی کا سفر اختیار کیا۔ پہلے امام قتیبہ کی خدمت میں بلخ پہنچے۔ وہاں سے فارغ ہو کر حجاز، شام، مصر، جزیرہ کا سفر کیا۔ مصر مدت تک امام نسائیؒ کا قیام گاہ رہا۔ بلکہ جس قدر ان کی یا اُن کی تصانیف اور درس کی شہرت ہوئی مصر ہی سے ہوئی۔ تنقید رجال میں امام نسائیؒ نہایت بلند پایہ تسلیم کئے گئے ہیں۔ حاکم فرماتے ہیں میں نے امام دارقطنی کو مکرر فرماتے سنا کہ امام نسائی مجرح رواۃ۔ فن حدیث فن تنقید و احتیاط میں اپنے اقران سے کہیں فائق ہیں۔ علامہ ابوسعید اپنی بے بہا کتاب تاریخ مصر میں لکھتے ہیں کہ امام نسائیؒ مصر میں مدتوں رہے۔ فن حدیث میں امام تھے۔ وکان ثقۃ حافظا

امام نسائیؒ نہایت قوی الجثہ تھے۔ چہرہ ہمیشہ گلاب کے پھول کی طرح سرخ رہتا۔ رگوں میں خون کا سیلان بڑی کثرت سے تھا۔ اس وجہ سے بعض کوتاہ بین کہتے تھے کہ وہ نبیذ پیتے ہیں۔ ایک دن ناغہ کر کے ہمیشہ روزہ رکھتے اس پر بھی ہمیشہ چار بی بیاں نکاح میں علاوہ لونڈیوں کے رہتیں۔

صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں۔ وکان احد ائمۃ الحفاظ واعلام الدین وارکان الحدیث امام اہل عصرہ ومقدمہم وقدوتہم وجہ تعدیلہ معتبر العلماء بعض اہل علم نے تو حفظ میں امام مسلم کا ہم پلہ بتایا ہے۔ گو یہ قول محقق نہیں تاہم امام نسائی کا پایہ بہت بلند تسلیم کیا گیا ہے۔

شیوخ میں امام بخاریؒ، امام ابوداؤد سجستانیؒ، قتیبہ بن سعیدؒ، اسحاق بن راہویہ، علی بن حجر، سلیمان بن اشعث، محمد بن بشار بڑے پایہ کے لوگ ہیں۔

تلامذہ کا سلسلہ کچھ کم وسیع نہیں۔ امام ابوجعفر طحاوی، امام ابوالقاسم طبرانی

علامہ ابو بشر دولابی۔ ابو بکر بن السنی۔ امام نسائی کے مشہور تلامذہ ہیں۔ جب وہ طرطوس میں پہنچے۔ تو حفاظ حدیث کا بڑا مجمع ہوا۔ اور ان سے استفادہ کیا گیا۔ ان حفاظ میں امام عبداللہ بھی ہیں۔ جو امام احمد بن حنبل کے صاحبزادہ ہیں۔ اپنی عمر کے آخری حصہ ۳۰۲ھ ہجری میں مصر سے رخصت ہو کر دمشق پہنچے اور وہاں خوارج کے سخت امتحان میں مبتلا ہو گئے اور ان سے یہ سوال کیا گیا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں کس کو فضیلت ہے۔ انہوں نے جواب میں حضرت علیؓ کو فضیلت دی۔ اس جواب میں دمشقیوں کو غیظ آیا۔ اور آن کو مارنا شروع کیا۔ کچھ جان باقی تھی کہ لوگ رملہ[1] لے گئے۔ اور ۳۰۳ھ میں وہیں شربت شہادت نوش کیا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ بعض مورخین نے مکہ لے جانا اور بین الصفا والمروہ دفن ہونا بیان کیا ہے۔ لیکن امام دارقطنی نے دونوں اقوال نقل کر کے رملہ ہی میں دفن ہونے کو ترجیح دی ہے۔ علامہ منذری کا قول بھی اس کا موئد ہے۔ امام نسائیؒ کی تالیفات میں سنن نسائیؒ مشہور تالیف ہے اس کے علاوہ اور تصانیف بھی ہیں۔ علامہ سید جمال الدین فرماتے ہیں کہ امام نسائیؒ نے پہلے ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی تھی جس کا نام السنن الکبریٰ ہے جس کو ایک خاص وضع پر لکھا تھا۔ حاکم وقت نے ان سے پوچھا کہ کیا سنن کبریٰ میں کل حدیثیں صحیح ہیں۔ انہوں نے فرمایا نہیں فرمانروائے وقت نے عرض کی کہ آپ صحیح حدیثوں کو اس سے منتخب کیجئے۔ اس لیے آپ نے المجتبیٰ من السنن الکبریٰ کو اسی ضخیم کتاب سے منتخب کیا۔ جو اب صحاح ستہ

---

[1] رملہ فلسطین بیت المقدس سے ۱۸ میل پر واقع ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام و بن سلیمان کا دارالسلطنت تھا اور اب غیر آباد ہے ۱۲ معجم البلدان

کی عمارت کا ایک رکن ہے اور سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے۔ بعض اہل علم نے بجائے مجتبیٰ مجتنیٰ فرمایا ہے۔ لیکن دونوں لفظ قریب المعنیٰ ہیں۔

سنن نسائی میں اسانید پر کم کلام کیا گیا ہے تاہم پیچیدہ[1] مقامات بھی ہیں محدثین نے اس کی متعدد شروح لکھیں۔ منجملہ شروح کے ایک شرح علامہ سراج الدین ابن الملقن کی ہے۔ جس کو صاحب کشف الظنون نے ذکر کیا ہے۔ دو حاشیے مشہور علامہ سندی اور علامہ سیوطی کے طبع ہو گئے ہیں۔ علامہ سندی نے بہ نسبت علامہ سیوطی کے زیادہ بسط اور حل سے کام لیا ہے۔

جن لوگوں نے قیاسی مسائل رجوع آراء الرجال سے محرج ہیں، کا مقابلہ فقہ الحدیث سے کیا ان میں امام نسائی بھی ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں من الکبار الآخذین عن البخاری من الحفاظ مسلم بن حجاج والنسائی والترمذی، وابو الفضل احمد بن سلمہ وابن خزیمہ الخ اور تہذیب التہذیب میں بالخصوص امام نسائی کے تلمذ کو امام بخاری سے بہت پرزور دلیل سے ثابت کیا ہے۔

(۴) فربری[2] یہ سب سے پچھلے وہ شخص ہیں جنہوں نے امام المحدثین سے صحیح بخاری روایت کی۔ ولادت ۲۳۱ھ میں ہوئی۔ صاحب فضل وکمال ہیں۔ لوگ صحیح بخاری پڑھنے کے لیے اطراف عالم سے ان کے پاس

---

[1] علامہ ابو الطیب نے ان مقامات کو حل کیا ہے اس کا قلمی نسخہ موجود ہے ۱۲ منہ طبع ثانی کے وقت اس قلمی نسخہ کا حال علامہ کے صاحبزادہ مولوی حکیم محمد ادریس صاحب سے دریافت کیا گیا تو موصوف نے لکھا کہ اس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ۱۲

[2] فربر بفتح الفاء والراء وسکون الباء دریائے جیحون کے کنارہ پر ایک آباد شہر ہے اور بخارا سے قریب ہے ۱۲ ابن خلکان ج ۱ مقدمہ الفتح ۱۲

آتے ۳۲۳ھ میں وفات پائی۔ نام محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر ہے۔ صحیح بخاری کے متعدد مقامات میں قال الفربری موجود ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں فربری امام المحدثین کی روایت یا سند کے متعلق کچھ فوائد بتانا چاہتے ہیں۔ یا اس قدر حصہ ان کو بواسطہ پہنچا خود امام صاحب سے نہیں سنا۔ انساب سمعانی،

(۵) امام دارمیؒ امام دارمی سا امام المحدثین کے تلامذہ میں وہ صاحب بفضل و کمال ہیں کہ خود امام المحدثین کو ان کی وفات سے بہت بڑا صدمہ ہوا۔ وفات کی خبر سن کر انا للہ پڑھا۔ آنکھیں اشکبار ہو گئیں دیر تک سر نیچے جھکائے رہے اور یہ شعر پڑھا

ان عشت تفجع بالاحبة کلھم ؛ وبقاء نفسک لا اباً لک افجع

اس واقعہ سے امام المحدثین کی ان کے ساتھ کمال محبت کا ثبوت ملتا ہے۔

امام دارمی ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ نام عبداللہ۔ کنیت ابو محمد ہے سلسلہ نسب یہ ہے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام بن عبدالصمد التمیمی الدارمی علوم اسلامیہ کی دھن میں بڑے بڑے سفر کئے۔ بالخصوص حجاز۔ بلاد خراسان عراق۔ مصر وغیرہ۔ اساتذہ میں امام المحدثین کے علاوہ یزید بن ہارون۔ نضر بن شمیل۔ اور ان کے اقران بڑے پایہ کے لوگ ہیں۔ سلسلہ درس بہت وسیع ہے۔ اور تلامذہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی۔ ابوداؤد صاحب السنن۔ عبداللہ بن امام احمد۔ مشاہیر سے ہیں۔ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں بھی امام دارمی سے روایتیں موجود ہیں۔ وکفیٰ بہ فخراً۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام دارمی کی تصنیفات میں المسند، کتاب التفسیر،

سلہ دارم بکسر راء دارم بن مالک کی طرف منسوب ہے جو بنی تمیم کی شاخ ہے ۱۲

اور الجامع ہے۔ لیکن امام دارمی کی مسند دیگر مسانید کی ترتیب (اسماء صحابہ)
پر نہیں ہے، بلکہ ابواب کی ترتیب پر ہے۔ اس لیے بجائے مسند کے سنن یا صحیح
کہنا بجا ہے۔ علامہ عراقی نے تو اس پر ایک خاص بحث لکھی ہے۔ سنن دارمی
باعتبار صحت و علو اسانید و ذکر تعامل صحابہ بڑے پایہ کی کتاب ہے محققین نے
بجائے ابن ماجہ[1] صحاح ستہ میں اسی کو داخل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔
پہلے پہل ابن ماجہ کو جس نے صحاح ستہ میں داخل کیا علامہ فضل بن طاہر ہیں انہیں
کے قول کی متابعت مصنفین اطراف و دیگر اہل علم نے کر لی اور یہ ایک بات
مشہور ہو گئی ورنہ بجائے ابن ماجہ کے صحاح ستہ میں سنن دارمی کو داخل
کرنا بہت مناسب ہے، بڑے بڑے لوگ اس کے قائل ہیں۔ علامہ مغلطائی فرماتے
ہیں۔ ینبغی ان یجعل مسند الدارمی سادسا للخمسة بدل ابن ماجه۔

امام دارمی کی فقاہت، اور ان کا اتقان سنن دارمی کے تراجم ابواب سے
ظاہر ہے

امام احمد بن حنبل امام دارمی کو اتقن فی العلوم فرما رہے ہیں۔ اور امام ابو حاتم رازی
فرماتے ہیں۔ ہو امام زمانہ ولہ خمسة عشر حدیثا وہی ثلاثیات۔ یعنی دارمی اپنے زمانہ کے

---

[1] کنیت ابو عبداللہ۔ نام محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی ہے۔ ماجہ ان کی ماں کا نام ہے اور اس کی ہا اصلی ہے
تا سے بدلی ہوئی نہیں ہے ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ سنن ابن ماجہ کی شروح میں حافظ علاء الدین مغلطائی کی شرح
حافظ سیوطی کی شرح مصباح الزجاجہ۔ علامہ حلبی کی شرح۔ علامہ دمیری کی شرح الدیباجہ۔ ابن ملقن کی
شرح زوائد علی الخمسة مسمی بما تمس الیہ الحاجة۔ ابن عبدالہادی کی شرح۔ شیخ عبدالغنی دہلوی
کی شرح انجاح الحاجة مشہور شروح ہیں ۱۲

امام تھے اور پندرہ حدیثیں ان کی ثلاثیات ہیں جو تین ہی واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں ۲۵۵ھ میں عرفہ کے دن وفات پائی۔ اور مرو میں دفن ہوئے ان کا تلمذ امام المحدثین سے مرقاۃ جلد ۱ ص ۲۳ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری نے لکھا ہے،

(۶) جزرۃ الحافظ نام صالح بن محمد جزرہ ہے ۲۰۵ھ میں ولادت ہوئی بڑے قوی الحافظہ تھے۔ بلاد ماوراء النہر میں مدتوں زبانی درس دیتے رہے۔ کتاب پاس بھی نہیں رکھتے۔ اس غضب کا حافظہ تھا کہ کسی نے کبھی حرف گیری یا وہم وغیرہ کا موقعہ نہ پایا۔ یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل سعید بن سلیمان۔ ابونصر تمار۔ جیسے لوگوں کے فیض صحبت و تعلیم سے ممتاز ہوئے ۲۶۶ھ میں شہر بخارا میں متوطن ہوئے وہاں کے حاکم نے ان کی بڑی توقیر و تعظیم کی دار قطنی کہتے ہیں۔ کان ثقۃ حافظا عارفا ابن عدی جیسے باکمال شخص حافظ جزرہ کی شان بڑی بتاتے اور بڑی تکریم کرتے۔

ابوسعید کہتے ہیں رایت ابن عدی یفخم امرہ ویعظمہ، مزاج میں مزاح اور خوش طبعی تھی، علامہ ذہبی نے ان کا مستقل تذکرہ لکھا ہے۔ امام المحدثین کے ہم عصر ہیں۔ لیکن اس فضل وکمال ومعاصرت کے ساتھ بھی امام المحدثین کی تحقیقات اور نکات حدیثیہ سے مستغنی نہ رہ سکے اور حلقہ درس میں آکر زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور برابر استفادہ کیا ۲۹۳ھ میں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ)

(۷) فقیہ امام محمد بن نصر مروزی

۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ امام المحدثین کے علاوہ امام اسحٰق بن راہویہ، یحییٰ بن

یحییٰ، یزید بن صالح، ہشام بن عمار، صدقہ بن الفضل سے شرف تلمذ ہے، فقاہت کے ساتھ آثار صحابہ، مذاہب صحابہ و تابعین کے جامع تھے۔ تالیفات میں کتاب رفع الیدین کتاب تعظیم الصلوٰۃ، کتاب القسامہ، قیام اللیل[1] کا پتہ مورخین بتاتے ہیں، عثمان بن جعفر کے واسطہ سے خطیب راوی ہیں، کہ امام ابو نصر کا خود بیان ہے کہ میں اپنی ایک لونڈی کے ساتھ مصر سے حج کے لیے بحری سفر سے چلا جہاز غرقاب ہوا اتفاقات سے میں اور میری لونڈی ایک تختہ پر بہ نکلے۔ اور ایک جزیرہ میں پہنچ گئے اس جزیرہ میں کسی آدمی کا پتہ نہیں تھا۔ پیاس سے جاں بلب ہوا۔ اور تن بتقدیر موت کے خیال میں سو گیا۔ خدا کی قدرت ایک شخص پانی لے کر پہنچ گیا اور ہماری جانیں بچ گئیں لیکن ایک ہزار الجزا جو ہمارے ساتھ تھے وہ ضائع ہو گئے۔ فقاہت اور آثار صحابہ کی جامعیت کی وجہ سے جب محمد بن یحییٰ ذہلی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا۔ اور محمد بن نصر وہاں موجود رہتے۔ تو اُن کی طرف اشارہ کرتے۔ حالانکہ وہ بڑے پایہ کے شیخ ہیں۔

تقیہ محمد بن نصر کے خصوصیات میں سے یہ ہے کہ سلاطین اور امراان کی نہایت تعظیم کرتے اسماعیل بن احمد والی خراسان اور اس کا بھائی اسحاق سال میں آٹھ ہزار درہم نذر کرتے اہل سمرقند چار ہزار بھیجتے لیکن صاحب ترجمہ ان رقموں کو علمی خدمات میں صرف کر دیتے اور ایک حبہ بھی ان کے پاس نہ بچتا۔

حافظ ذہبی نے محمد بن نصر اور ابن خزیمہ کے سفر طالب علمی کا ایک واقعہ باسند نقل کیا ہے کہ محمد بن جریر طبری، محمد بن نصر، محمد بن اسحاق بن خزیمہ، محمد بن ہارون الرومانی

[1] قیام اللیل طبع ہو چکی ہے اسی میں کتاب رفع الیدین کا ذکر کیا ہے ۱۲

مصر میں کتابت حدیث کے لیے ایک مکان میں جمع تھے۔ خرچ چک گیا۔ فاقہ کی نوبت پہنچی۔ جب فاقہ سے پریشان ہو گئے۔ اور سوال کرنا حلال ہو گیا۔ تو باہم مشورہ کیا گیا کہ سوال کرنا چاہیے۔ سوال کی ممانعت حدیثوں میں سخت آئی ہے۔ ہر ایک نے دوسرے پر ٹالا۔ یہاں تک کہ قرعہ کی نوبت آئی۔ تو قرعہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے نام نکلا۔ مجبور ہوئے تو کہا کہ مجھے اس قدر مہلت دو کہ میں وضو کر کے استخارہ کی نماز پڑھ لوں۔ نماز ہی میں تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ والی مصر کے خواجہ سرا لال ٹینیں لیے ہوئے موجود ہیں۔ سواری سے اتر کر پوچھا کہ محمد بن نصر کون ہے لوگوں نے بتایا۔ تو اس نے پچاس اشرفیوں کی ایک تھیلی حوالہ کی اسی طرح ہر ایک کو پکارتا گیا اور دیتا گیا۔ پھر کہا کہ کل والی مصر سویا ہوا تھا۔ بیدار ہوا تو کہتا ہے کہ میں نے ابھی خواب دیکھا ہے کہ محمدیوں سخت بھوکے ہیں۔ اس لیے اس نے سر دست اس قدر بھیجے ہیں اور قسم دیا ہے کہ جب خرچ چک جائے کسی کو بھیج دو ۲۹۴ھ میں بمقام سمرقند وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ)

(۸) امام ابو حاتم رازی

فن جرح اور تعدیل کے بہت بڑے امام مانے جاتے ہیں سنہ ۱۹۰ھ میں ولادت ہوئی۔ ان کی خصوصیات زندگی میں سے یہ ایک مشہور امر ہے کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ہمیشہ پیادہ پا سفر کرتے۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ ایک ہزار فرسخ تک میں تے پیادہ پا چلنے کا شمار کیا۔ اس کے بعد شمار چھوڑ دیا۔ بحرین سے مصر، مصر سے رملہ رملہ سے طرطوس ان سب مقامات میں پیادہ پا چل کر گیا ہوں۔ بصرہ میں ایک بار خرچ چک

سلہ اس واقعہ سے آج کل کے طالبان حدیث کو عبرت پکڑنی چاہیے ۱۲

گیا تو کپڑے فروخت کر ڈالے۔ اس پر بھی کئی روز فاقے ہوئے۔ آخر ایک رفیق کو خبر ہوئی تو اس نے آپ کی خدمت و اعانت کی۔ یہ امام المحدثین کے معاصرین میں بڑے صاحب فضل و کمال تھے لیکن امام المحدثین کی تحقیقات اور تدقیقات کے گرویدہ ہو کر امام صاحب سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ بماہ شعبان ۲۷۸ھ وفات پائی۔

(۹) ابراہیم الحربی الامام

فن لغت، ادب، نحو، فقہ کے امام مانے جاتے ہیں۔ خطیب لکھتے ہیں۔

کان اماما فی العلوم راسا فی الزھد عارفا بالفقہ بصیرا بالاحکام حافظا للحدیث ممیزا للعلۃ قیما بالادب جماعۃ للغۃ صنف غریب الحدیث وکتبا کثیرۃ

علامہ ثعلب ایک بہت بڑے لغوی اور نحوی مانے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام حربی کو لغت اور نحو کی درس گاہ سے پچاس برس ہو گئے کبھی ناغہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ مزاج میں اس قدر استغنا تھا کہ سلاطین کے وظائف اور تحائف کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے اور یہ استغنا ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو کبھی اس کے کمال کی تحصیل اور اشاعت اور حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ایسا شخص بے رعب اور آزاد ہوتا ہے معتضد باللہ نے جو خلفائے عباسیہ سے ہے۔ ایک بار دس ہزار درہم نذرانہ بھیجے۔ حربی نے واپس کر دیا۔ پھر دوبارہ بھیجے لیکن پھر بھی نامنظور کیا۔ ماہ ذی الحجہ ۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ امام المحدثین کی درس گاہ میں حاضر ہوتے اور استفادہ کرتے امام المحدثین کی تحقیقات علمیہ سے اس جامعیت پر بھی مستغنی نہ تھے۔ نہ معاصرت

لہ مقدمۃ الفتح ۱۲

کی عار استفادہ سے مانع آتی[1]۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں۔ ابراہیم حربی کی چند نادر تالیفات مجھے ہاتھ لگی تھیں۔

(۱۰) ابوبکر بن ابی عاصم الحافظ الکبیر

ظاہری المذہب تھے۔ قیاس سے بالکل کنارہ کش رہتے۔ بصرہ میں فتنہ زنج میں کتابیں جل گئی تھیں۔ پچاس ہزار حدیثیں زبانی روایت کرتے۔ اصبہان میں عرصہ تک قضا کے عہدہ پہ مامور تھے ۲۸۷ھ میں وفات پائی۔ ولادت کا ۲۰۶ھ بتایا جاتا ہے۔ ابوموسیٰ مدینی نے ان کی مستقل سوانح عمری لکھی ہے، امام المحدثین کی درس گاہ میں بایں ہمہ فضل و کمال حاضری دیتے۔"

(۱۱) ابن خزیمہ صاحب الفقہ والحدیث

حافظ ذہبی نے ان کو امام الائمہ اور شیخ الاسلام کا لقب دیا ہے۔ اور لکھتے ہیں۔ انتهت الیه الامامة والحفظ فی عصرہ بخراسان فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے تصنیفات کی تعداد حافظ ذہبی نے ایک سو چالیس بتائی ہے ان کے علاوہ فتاوائے حدیثیہ کی مقدار ستو جزء ہے۔ حافظ ذہبی روایت کرتے ہیں کہ صرف بریرہ کی ایک حدیث کی فقاہت تین جزء میں لکھی۔ اسی سے ان کی فقاہت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں مارأیت مثله علی وجه الارض من یحسن صناعة السنن ویحفظ الفاظها الصحاح وزیاداتها کان السنن بین عینیه[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ و مقدمۃ الفتح [2] تذکرۃ الحفاظ [3] یعنی ابن خزیمہ جیسا میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو فن حدیث اعلیٰ درجہ کا جانتا ہو اور اس کے صحیح الفاظ اور زوائد کا حافظ ہو گویا حدیث ان کے سامنے موجود رہتی ہے ۱۲ منہ

حافظ اس غضب کا تھا کہ علاوہ حدیثوں کے مسائل فقہیہ حدیثیہ اس طرح از بر تھے جیسے قرآن کی سورۃ ابن خزیمہ نے امام بخاری کے طرز پر صحیح حدیثوں کو انتخاب کر کے ایک کتاب لکھی۔ جو آج صحیح ابن خزیمہ کے نام سے مشہور ہے لیکن صحیح ابن خزیمہ اور جامع صحیح بخاری میں وہی فرق ہے جو آفتاب وماہتاب میں ہے۔ مسئلہ استوا میں بڑے متشدد تھے اور نہایت مہمان نواز تھے! امام ابن خزیمہ باوجود اس فضل وکمال کے امام المحدثین کی درسگاہ میں حاضری دیتے اور استفادہ کرتے اور فرمایا کرتے، ما رأیت تحت ادیم السماء اعلم بالحدیث من محمد بن اسماعیل البخاری۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں امام المحدثین کے ان تلامذہ کی فہرست دی ہے جن کو امام المحدثین کے ساتھ خصوصیت خاص حاصل ہے، وہاں ان کا نام بھی پانچویں طبقہ میں لکھا ہے۔

ابن قیم نے بیان کیا ہے۔ کہ امام ابن خزیمہ ائمہ اربعہ کی طرح ایک مذہب کے امام اور رکن مانے جاتے ہیں ۲۲۳ھ میں ولادت ہوئی اور ۳۱۱ھ میں وفات پائی سلسلہ نسب یہ ہے ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسابوری۔

(۱۲) ابو جعفر محمد بن ابی حاتم وراق (کاتب البخاری)

امام بخاری کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ صحیح بخاری کے متعدد مقامات میں ان کا ذکر فربری نے کیا ہے۔ یہ امام بخاری کے کاتب اور محافظ دفتر ہیں۔ جو حدیث جن ٹکڑوں کو محمد بن یوسف فربری نے امام بخاری سے بلا واسطہ نہیں سنا ان کو وراق سے لیا کرتے ہیں اس لیے صحیح بخاری کے متعدد مقامات میں قال الفربری حدثنا الوراق عن البخاری مذکور ہے

سلہ عینی شرح صحیح بخاری و فتح الباری ۱۲

(۱۳) ابو عبد اللہ حسین بن اسمٰعیل المحاملی

ان کے اوصاف میں صاحب انساب سمعانی لکھتے ہیں۔ کان فاضلا صادقا دینا ثقة صدوقا۔ ۲۳۶ھ میں ولادت ہوئی۔ دس برس کے سن سے حدیث کی سماعت شروع کی اساتذہ میں امام بخاری، احمد بن مقدام عجلی اور ان کے معاصرین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ تلامذہ میں دار قطنی، طبرانی، ابو بکر بن المقری جیسے لوگ خاص قابل ذکر ہیں ان کی مجلس املا میں دس ہزار طالبین جمع ہو جاتے ۳۳۰ھ میں بایک طویل عمر کے بعد وفات پائی۔ یہ بھی صحیح بخاری کو امام بخاری سے روایت کرتے ہیں[1]

(۱۴) ابو اسحٰق ابراہیم بن معقل النسفی

ملک مغرب میں ان کی سند سے صحیح بخاری روایت کی جاتی ہے۔ صاحب الامام ابن دقیق العید لکھتے ہیں سو للمغاربة روایة اخری مرجعة ابراھیم بن معقل النسفی عن البخاری موجودة فی فہارسھم وغیرھا لا علمھا الیوم فی جھة الشرق یعنی ملک مغارب میں ان کے واسطہ سے صحیح بخاری روایت کی جاتی ہے، اور یہ سند ان کی فہرستوں وغیرہ میں موجود ہے لیکن ملک مشرق اس سند سے خالی ہے۔ صاحب انساب سمعانی لکھتے ہیں، وکان من اجلة اصحاب الحدیث ومن ثقاتھم ومن افاضلھم۔

یہ بھی امام بخاری کے ان تلامذہ میں ہیں جنہوں نے صحیح بخاری روایت کی اور ان سے سلسلہ روایت جاری رہا۔

---

[1] مقدمة الفتح ۱۲ الامام لابن دقیق العید

ان کے علاوہ ابوبکر بن ابی الدنیا۔ صاحب تصانیف۔ ابوبکر بزّار صاحب تصانیف موسیٰ بن ہارون الحمال محمد بن عبداللہ بن المطین ابوبشر دولابی اسحاق بن احمد بن زیرک الفارسی۔ محمد بن قتیبۃ البخاری۔ ابوبکر الاعین ابوالفضل احمد بن سلمہ عمر بن محمد البحیری۔ حسین بن محمد القبانی یعقوب بن یوسف بن الاخرم عبداللہ بن محمد بن ناجیہ سہل بن شاذویہ البخاری۔ عبیداللہ بن واصل قاسم بن زکریا المطرز۔ ابوقریش محمد بن جمعہ۔ محمد بن سلیمان الباغندی۔ ابراہیم بن موسیٰ الجوبزی۔ علی بن عیاش التابعی۔ ابوحامد الاعمش ابوبکر احمد ابن محمد بن صدقۃ البغدادی اسحاق بن داؤد الصواف۔ حاشد بن اسماعیل البخاری۔ محمد بن عبداللہ بن الجنید۔ محمد بن موسیٰ النہرتیری۔ جعفر بن محمد النیسابوری ابوبکر بن داؤد۔ ابوالقاسم البغوی۔ ابومحمد بن صاعد۔ محمد بن ہارون الحضرمی۔ وہ حفاظ حدیث ہیں جن کے مستقل تراجم لکھے گئے ہیں اور ان کی تصانیف آج بھی عالم کو فائدہ پہنچارہی ہیں یہ لوگ امام بخاری کے تلامذہ میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

مؤلف کا سلسلۂ تلمذ و سلسلۂ سند تا امام المحدثین

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام

در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

اس بے مایہ کے لیے کسی طرح مناسب نہیں کہ اس قطار رواۃ حدیث میں اپنا نام بھی گنائے اور اپنا سلسلہ محدثین کے ساتھ ملاکران کے دامن تقدس کو گرد آلود کرے لیکن اس وجہ سے کہ اتصال سلسلہ سند ایک سنت قدیمہ ہے اور اس سے فلاح دارین کی امید۔ اس لیے یہ ناکارہ بھی اپنے

اسانید کے سلسلے عرض کر دیتا ہے۔

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل بود بس است

(۱) عبدالسلام عن الشیخ السید نذیر حسین المحدث الدہلوی فی ۱۳۰۹ھ عن الشیخ المکرم فی الآفاق الشاہ محمد اسحاق عن مسند الوقت الشاہ عبدالعزیز عن بقیۃ السلف الشاہ ولی اللہ عن الشیخ ابی طاہر المدنی عن الشیخ ابراہیم الکردی بقیہ سند شاہ ولی اللہ صاحب کی مبارک تصنیف الارشاد الی مہمات علم الاسناد اور کتاب الامم لایقاظ الہمم میں مذکور ہے۔ اس سلسلہ کے علاوہ تین سلسلے اور ہیں جن سے شیخ الکل روایت کرتے ہیں جو المکتوب اللطیف اور مقدمۃ العون میں بالتفصیل مذکور ہیں۔

(۲) ایضاً عن الشیخ حسین بن محسن الانصاری فی ۱۳۰۹ھ فی دہلی لما نزل بہ عن الشیخ حسن بن عبدالباری الاہدل و محمد ناصر الحازمی و احمد بن الشوکانی کلہم عن الشوکانی۔ بقیہ سند اتحاف الاکابر میں مذکور ہے۔

(۳) ایضاً عن الشیخ محمد المچھلی شہری الجونپوری فی ۱۳۱۳ھ عن الشیخ عبدالحق البنارسی عن القاضی الشوکانی۔ بقیہ سند اتحاف الاکابر میں مذکور ہے۔

ان کے علاوہ اور سلسلے ہیں، جو انہیں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

لقد كان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب

39

سیرۃ البخاری

امام المحدثین سید الفقہاء محمد بن اسمٰعیل البخاری کی مفصل سوانح عمری ہے حصہ اول میں ولادت اور زمانہ طفولیت سے لے کر طالب علمی کے سفروں کے مفصل حالات فراغت کے بعد درس و تدریس، افتاء، عام اخلاق و عادات، عبادات، وفات تک کے کل حالات مذکور ہیں۔ حصہ ثانی میں ان کی علمی زندگی کے کارنامے، اسلامی خدمات، فقاہت و اجتہاد و فنون حدیث، تاریخ وغیرہ میں جو آپ کا پایہ ہے، ان پر مفصل بحث ہے، کل تصنیفات (بالخصوص صحیح بخاری اور اس کی شروح) کا تفصیلی ذکر ہے، ان کے علاوہ بہت سی مفید تحقیقات قابل دید ہیں، خاتمہ میں مشاہیر تلامذہ جیسے امام مسلم، ترمذی، نسائی، دارمی، ابن خزیمہ، فربری وغیرہ کے مختصر حالات ہیں،

از حضرت مولانا محمد عبد السلام مبارکپوری اعظم گڈھی

المتوفی ۱۸ رجب سنہ ۱۳۴۲ ہجری، ۲۴ فروری سنہ ۱۹۲۴ء

اہلحدیث اکیڈمی لاہور